

فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 4

لَنْ تَسْأَلُوا

www.KitaboSunnat.com



سوال و جواب کی صورت میں
قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com




قُرْآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

قُرْآنًا عَجَبًا

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	”قرآنًا عَجَبًا“ [پارہ 5]
مؤلفہ	:	نگہت ہاشمی
طبع اول	:	جنوری 2009
طبع دوم	:	نومبر 2014
تعداد	:	1000
ناشر	:	النور انٹرنیشنل
لاہور	:	36J گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور
	:	102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور
فون نمبر	:	03364033044 0423-5748737
کراچی	:	گراؤنڈ فلور کراچی پیچریزیڈنی، نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی
	:	0336 4033032 021-35292341
فیصل آباد	:	121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد
	:	0336-4033086 041-8759191
ای میل	:	infoalnoorinternational@gmail.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com
فیس بک	:	 Nighat Hashmi Alnoor international

فہرست

	ابتدائیہ
11	1 ❖ رکوع
23	2 ❖ رکوع
39	3 ❖ رکوع
76	4 ❖ رکوع
95	5 ❖ رکوع
117	6 ❖ رکوع
139	7 ❖ رکوع
152	8 ❖ رکوع
181	9 ❖ رکوع
190	10 ❖ رکوع
208	11 ❖ رکوع
219	12 ❖ رکوع
233	13 ❖ رکوع
248	14 ❖ رکوع
258	15 ❖ رکوع
277	16 ❖ رکوع
292	17 ❖ رکوع
306	آخری آیات

ابتدائیہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا،
مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

بے شک حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اور اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اتارنے کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورہ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں: وَمَا أَذْرَاكَ مَا سَقَرُ (27) ”تم کیا جانو کیا ہے وہ دوزخ؟“ پھر اگلی ہی آیت میں جواب دیا جاتا ہے: لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ لَوْ أَهَاتُ لِلْبَشَرِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (28-30) ”نہ باقی رکھے نہ چھوڑے، کھال جھلس دینے والی، انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔“

سورہ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اٹھا کر جواب دیتے ہیں:

وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ فَكَ رَقَبَةٍ أَوْ اطْعَامٍ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِينًا
ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (12-17)

”اور تم کیا جانو کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑا دینا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا) پر رحم کی تلقین کی۔“

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے، پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالٌ وَارِثُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ! مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟
قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالٌ وَارِثُهُ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری: 6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا) اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔“

ہر آیت میں غور و فکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآن حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قِرَاءَنَا عَجَبًا** کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات حافظے کا حصہ بن جاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرة: 32)

”پاک تو آپ (اللہ تعالیٰ) ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔“

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھئے۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

رکوع نمبر 1

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (92)

تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو اور جو بھی تم خرچ کرو گے اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ پوری طرح جاننے والا ہے۔ (92)

سوال 1: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ”تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے جب تک تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو“ ایمان کی نشانی دل پسند مال میں سے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

سوال 2: الْبِرُّ ”نیکی“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- الْبِرُّ ”نیکی“ سے مراد عمل صالح یا جنت ہے۔ (فتح القدیر)

2- الْبِرُّ ”نیکی“ سے مراد کمال چیز، رحمت، رضا اور جنت ہے۔ (تفسیر البیضاوی: 64/2)

سوال 3: نیکی کا معیار کیا ہے؟

جواب: نیکی کا معیار اللہ کی راہ میں دل پسند چیز خرچ کرنا ہے۔ اس خوبی میں جتنا نقص ہوگا اتنا ہی نیک ہونے میں نقص ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اس کے راستے میں بندوں کو ہر طرح سے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

سوال 4: حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ”یہاں تک تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو“ سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ”جب تک تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو“ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساری محبوب چیزیں نہیں بلکہ ان میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینی ہیں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب مال خرچ کرنے سے کس چیز کا اندازہ ہوتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب مال خرچ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے۔

2- یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشی کتنی عزیز ہے۔

سوال 6: نیکی کے اعلیٰ معیار تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟

جواب: اپنی محبوب ترین چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے، عمدہ اشیاء خرچ کر کے، ضرورت مند ہونے کے باوجود ضرورت کی چیز اللہ کی راہ میں دے کر نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچا جاسکتا ہے۔

سوال 7: نیکی کے اعلیٰ معیار تک کون پہنچنا چاہتا ہے؟

جواب: 1- نیکی کے اعلیٰ معیار تک وہ شخص پہنچنا چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کمال درجے کی محبت رکھتا ہو اور کمال درجے کی عجز و انکساری رکھتا ہو جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْـَٔرُونَ فِي الْأَحْزَابِ وَيَدْعُوكُم مِّنَ الْعِبَادِ وَيَذَرَكُم مَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَمَّا كَانَتْ هَذِهِ آيَةٌ لِّلرَّسُولِ إِذْ دَخَلَ عَلَيْكُمْ رَسُولُكُم مِّنَ الْمَدِينَةِ وَكُنْتُمْ بُغَاةٍ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ لَئِن لَّمْ يَأْتِكُمْ مِّنْهُ لَتَكُونُنَّ أَهْلًا لَّكَافٍ كَثِيرٍ وَبِغَاةٍ مُّبِينَةٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْحُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْقِيَامُ لِلَّهِ وَالْحُكْمُ لِلَّهِ وَالنَّارُ لِلَّهِ وَلَهُ الْبُورُوجُ الْمُنِيرَةُ وَالْحَقُّ لِلَّهِ وَالْحَسْبُ لِلَّهِ (الانبیاء: 90)

2- کمال محبت حاصل کرنے والا اپنی ہر چیز، مال، عزت اور اقتدار وغیرہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچنا چاہتا ہے۔

سوال 8: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب ترین مال خرچ کیا ان کی مثالیں دیں؟

جواب: 1- سیدنا ابولطعمہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں اپنے کھجور کے باغات کی وجہ سے سب سے زیادہ مال دار تھے اور اپنے باغات میں سب سے زیادہ پسند انہیں پیرحاء کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا بیٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَبْتُمْ یعنی ”تم ہرگز نیکی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو۔“ تو یہ سن کر ابولطعمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرو اور مجھے پیرحاء کا باغ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اسی لیے میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اس کی نیکی اور اس کے ذخیرہ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں آپ ﷺ مناسب سمجھیں اسے استعمال کریں۔“ راوی نے بیان کیا کہ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”خوب یہ تو بڑی ہی آمدنی کا مال ہے۔ یہ تو بہت ہی نفع بخش ہے۔ جو بات تم نے کہی وہ میں نے سن لی اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے نزدیک کی رشتے داروں کو دے ڈالو۔“ ابولطعمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تبارک و تعالیٰ“

میں ایسا ہی کروں گا۔“ چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے لڑکوں کو دے دیا۔ (بخاری: 1461)

2- سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ رسول ﷺ! مجھے خیبر میں سے جو حصہ ملا ہے اس سے بڑھ کر نفیس مال مجھے آج تک حاصل نہیں ہوا، میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اسے صدقہ کر دوں آپ نے فرمایا: اصل اپنے پاس رکھو اور اس کے پھل کو اللہ کے راستے میں تقسیم کر دو۔ (ابن ماجہ: 2397)

3- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ مجھے میری لونڈی مرجانہ بہت مرغوب ہے اسے آزاد کئے دیتا ہوں (تفسیر سراج البیان: 1/145)

سوال 9: قَوْلَ اللَّهِ يَهِّئْ لِي سُبُلًا ”يَقِينًا اللَّهُ تَعَالَى پوری طرح جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”يَقِينًا اللَّهُ تَعَالَى پوری طرح جاننے والا ہے“ کس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے؟ کس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشی کتنی عزیز ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ضرورت کی چیزوں کو قربان کر کے نیکی کے اعلیٰ معیار تک پہنچنا چاہتا ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں دل پسند چیز خرچ کرتا ہے؟

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عَلِيمٌ کے توسط سے کیا شعور دلا یا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عَلِيمٌ کے توسط سے یہ شعور دلا یا ہے کہ وہ تمہارے تمام اعمال کو اور تمہاری نیتوں کو پوری طرح جاننے والا ہے، تمہیں نیتوں کے مطابق ان کی جزا دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنزَلَ التَّوْرَةُ لِقُلِّهِمْ فَنُتِيبُوا بِهَا فَأَثَمُوا عَلَيْهَا وَإِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (93)

تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو اسرائیل (یعقوبؑ) نے اپنی جان پر حرام کر لیے تھے اس سے پہلے کہ تورات نازل کی جاتی۔ آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ (93)

سوال 1: یہودیوں نے اسلام پر کون سے اعتراضات کئے تھے جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی؟

جواب: 1- یہودیوں نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ مسلمان اگر ملتِ ابراہیمی پر ہیں تو اونٹ کا گوشت کیوں کھاتے ہیں اور اس کا دودھ کیوں پیتے ہیں؟

قرآن مجید میں حلال ہیں؟

جواب: 1- تورات میں بعض چیزیں یہودیوں کے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر 160 اور سورۃ الانعام کی آیت نمبر 146 سے پتہ چلتا ہے۔ یہ حرمت بطور سزا تھی۔

2- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں وہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر لیا تھا۔

3- قُلْ فَأْتُوا اللَّهَ سُبْحَانَ مَا قَالُوا هَذَا إِنَّ كَثِيرًا مِّنْ لَّدُنِّي يَسْفِرُونَ ” آپ کہہ دیں تورات لاؤ پھر تم اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو، یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔ اگر تم سچے ہو تو بات واضح ہو جائے گی۔ ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا مجھے بتائیے کہ یعقوب نے اپنے لئے کس چیز کو حرام کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بادیہ میں رہتے تھے انہیں عرق النساء کی بیماری ہو گئی۔ انہیں بطور علاج یہی سمجھ میں آیا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیں چنانچہ انہوں نے اسے اپنے اوپر حرام بنا لیا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ احمد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دونوں چیزوں کو بطور نذرا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (مسند رک حاکم: 3152)

فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (94)

پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (94)

سوال: 1: فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ” پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”پھر جس نے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، یہاں جھوٹ باندھنے سے مراد اسلام اور مسلمانوں پر جھوٹے اعتراضات کرنا ہے۔

سوال: 2: مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ” اس کے بعد بھی ” سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق واضح ہو جانے کے بعد بھی جھوٹے اعتراضات کرنا مراد ہے۔

سوال: 3: فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ” تو وہی لوگ ظالم ہیں، ظالموں کا ظلم کیا ہے؟

جواب: 1- ظالموں کا ظلم یہ ہے کہ وہ سچائی پر پردہ ڈالتے ہیں۔ 2- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

3- جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں۔ 4- سچائی کو تسلیم نہیں کرتے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر انسان کس پر ظلم کرتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ کر انسان اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے کو حرام کر لیتا ہے۔

2- جو احکامات اللہ تعالیٰ نے نہیں دیئے انہیں اس کی طرف منسوب کر کے انسان اللہ تعالیٰ پر ظلم کرتا ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (95)

آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (95)

سوال 1: قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ”آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے“ یہ الفاظ کس طرف اشارہ کرتے ہیں؟

جواب: آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے سچ واضح کر دیا ہے کہ بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا

اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبلہ اور جائے عبادت بنایا تھا۔ 2- تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال

تھے مگر جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔ یعنی طعام کی یہ قسم پہلے حلال

تھی بعد میں یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر حرام کر دی گئی۔ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور یہود جھوٹے ہیں اس لیے اب

انہیں یہودیت چھوڑ کر کے ملت ابراہیم یعنی دین اسلام کو اختیار کر لینا چاہئے۔

سوال 2: مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ ”ابراہیم کی ملت“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- ”ملت ابراہیم“ یعنی ملت اسلام ہی اصل میں ملت ابراہیم ہے۔ (تفسیر البیضاوی: 67/2)

2- ملت ابراہیم سے مراد زندگی کے وہ طور طریقے، وہ دین ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اختیار کیا یعنی اللہ تعالیٰ

کو ایک ماننا، اس کے لیے یک سوراہنا اور اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہنا۔

3- ملت ابراہیم توحید پر قائم ہے اور وہ قرآن کی شریعت ہے جس کو محمد ﷺ لے کر آئے اور وہ حق ہے جس میں کوئی شک

نہیں۔ رب العزت نے فرمایا: قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَبَيْنَا قَبِيلًا ۚ وَمِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

آپ کہہ دیں: ”میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے کہ وہ ایک مضبوط دین ہے، ملت ابراہیم ہے جو ایک ہی طرف کے

تھے، مشرکوں میں سے نہ تھے‘ (الانعام: 161)

سوال 3: فَاتَّبِعُوا أَمَلَةً رَابِطَةً حَبِيبًا ”چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا“ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی دعوت کیوں دی گئی؟

جواب: ”چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھا“ یہودی اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وارث کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اس لیے انہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی حقیقت بتائی گئی کہ ہر قسم کے شرک سے نفرت کرنا اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنا ہی اصل دین ابراہیمی ہے اس لیے اس کی پیروی کرو۔

سوال 4: حنیف کسے کہتے ہیں؟

جواب: ”حنیف“ ایک سُو کو کہتے ہیں۔ وہ جو ایک ہی طرف اپنا رخ کرنے والا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنے والا ہو۔

سوال 5: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں ان کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک سُو تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے امید باندھنے والے، اُسی پر بھروسہ کرنے والے، اُسی کو اپنا سب کچھ بنانے والے تھے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (96)

یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، تمام جہانوں کے لئے با برکت اور ہدایت ہے۔ (96)

سوال 1: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ ”یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے“ اللہ کے پہلے گھر کی کیا صفات بیان کی گئی ہیں؟

جواب: ”یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے“ اللہ کے پہلے گھر کعبۃ اللہ کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں:

1۔ وہ دنیا میں عبادت کے لیے مقرر کیا جانے والا سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔

2۔ برکت والا ہے۔ برکت کا مطلب خیر کا دوام اور کثرت ہے۔ دنیا میں اتنی برکت والا، اس قدر کثیر اور دائمی خیر والا، اور مخلوق کے لیے اس قدر فوائد کا حامل کوئی گھر موجود نہیں۔

3۔ وہ ہدایت ہے۔ ہدایت دینے والے کے بجائے ہدایت (مصدر) کا لفظ بولنے کا مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا یہ خود سراپا

ہدایت ہے 4- اس میں آیات بینات (واضح نشانیاں) موجود ہیں۔ جن کی چالیس سے زیادہ ہے۔

5- اس میں داخل ہونے والے کے لیے امن ہے۔ (تفسیر السعدی: 1/398, 399)

سوال 2: بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے بارے میں یہودیوں کا اعتراض کیا تھا؟

جواب: بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے بارے میں یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ تو بیت المقدس تھا۔

سوال 3: اہل کتاب کے تحویل قبلہ پر کیے جانے والے اعتراض کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب 1: بیت اللہ کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے سچ کہا ہے۔ 2- بیت اللہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل

علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ 3- یہ زمین پر پہلا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔ 4- اس کو قبلہ یعنی ایک جائے عبادت

بنایا گیا۔ یہ یہودیوں کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت کا گھر ہے۔ صحیحین

میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! روئے زمین پر کونسی مسجد پہلے بنائی گئی؟ تو

آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے پوچھا پھر کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا دونوں کے

درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال۔ (صحیح بخاری: 3366)

ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو بنایا اس کے چالیس سال کے بعد یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا۔

سوال 4: بیت اللہ کی تعمیر کے مقاصد کیا تھے؟

جواب 1: اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔

2- یہ طواف کرنے والوں، عبادت کرنے والوں، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے مخصوص رہے۔

3- امن و سلامتی کی جگہ رہے۔ 4- لوگوں کے لیے قبلہ رہے۔ 5- ہدایت و راہ نمائی کا مرکز بن جائے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجْمُ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ

سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (97)

اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں

پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام

جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (97)

سوال 1: اس آیت میں بیت اللہ کی خصوصیت کن حوالوں سے بیان کی گئی ہے؟

جواب: اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔

سوال 2: بیت اللہ میں کیا نشانیاں ہیں؟

جواب: 1- زم زم کا کنواں 2- حجر اُسود 3- مقام ابراہیم 4- صفا و مروہ

سوال 3: مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ”مقام ابراہیم علیہ السلام“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا۔ آج یہ پتھر صحن حرم میں ملتزم کے سامنے نصب کیا گیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے اور باقی اور بھی ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے قدموں کے نشان جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 1/443)

سوال 4: اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ بیت اللہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا؟

جواب: بیت اللہ میں مقام ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔

سوال 5: بیت اللہ کا احترام کن وجوہات کی بناء پر کیا جاتا ہے؟

جواب: 1- زمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہے۔ 2- اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر فرمایا۔

3- اس میں مقام ابراہیم علیہ السلام ہے۔ 4- جو اس میں داخل ہوتا ہے اسے امن نصیب ہو جاتا ہے۔

5- جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے حج کا حکم ہے۔

سوال 6: وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ”اور جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اور جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو گیا۔ بیت اللہ کے ارد گرد کا علاقہ حرم ہے جس کی حدود معروف ہیں۔

2- ”اور جو اس میں داخل ہو اسے اپنے نفس، مال اور عزت کا کوئی خوف نہیں رہتا۔

3- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”تم میں سے کسی کے

لیے حلال نہیں کہ مکہ مکرمہ میں اسلحہ اٹھائے۔“ (صحیح مسلم: 3307)

4- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا (تفسیر ابن کثیر: 1/443)

سوال 7: وَذَلَّلَهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ”اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو“ اللہ تعالیٰ نے حج کے واجب ہونے کا ذکر اس کے حق کی تاکید اور اس کی حرمت کی تعظیم کے لیے بلیغ الفاظ میں کیا۔ اس کے فرض ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور عمر میں ایک بار سے زیادہ واجب نہیں۔ (تفسیر قرطبی: 2/108)

2- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم حج کرو تو ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال حج فرض کیا گیا ہے؟ تو آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے آپ ﷺ سے تین مرتبہ عرض یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کہتا: ہاں! (تو ہر سال حج) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن باتوں کو میں چھوڑ دیا کروں تو ان کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرتِ سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور وہ اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم کروں تو حسب استطاعت تم اسے اپنالو اور جب تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو تم اسے چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم: 3257)

3- حسن نے کہا: نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ”وَذَلَّلَهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“، تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ سبیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”زاد راہ اور سواری“۔ (تفسیر جامع البیان: 4/19)

4- یہ آیت وجوب حج کی دلیل ہے (تفسیر القاسمی: 4/160)

سوال 8: حج کیسا فرض ہے؟

جواب: 1- حج زندگی میں ایک بار استطاعت رکھنے والے پر فرض ہے۔

2- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے لیے برابر ہے یہودی ہو کر جائے یا عیسائی ہو کر۔ ابن کثیر نے کہا اس کی اسناد صحیح ہیں۔ (البر التفسیر: 1/192)

3- مسند سعید بن منصور میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ (تفسیر المرائی: 9/2) (تفسیر ابن کثیر: 444/1)

4- مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کل کیا پیش آئے ابو داؤد وغیرہ میں ہے حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر: 444/1)

سوال 9: استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن حکیم میں کیا فرمایا گیا ہے؟
جواب: قرآن مجید نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

سوال 10: حج کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب 1- اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی نشانیوں کی زیارت جن کی وجہ سے انسان کا اپنے رب سے خاص تعلق پیدا ہوتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی غلامی کے لیے اس کی پکار پر لبیک کہنا سیکھنا۔

3- ہر سال دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان جمع ہوں تاکہ ان کے درمیان ایک عالمگیر وحدت پیدا ہو۔

4- اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان مساوات پیدا کر کے انسانیت کو اسلام کی طرف راغب کرنا۔

5- احرام کی پابندیوں سے یہ پیغام دینا کہ انسانیت کو امن دین اسلام کے ماسوا کسی اور نظام سے نہیں مل سکتا۔

6- ایک اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، اس کی بڑائی بیان کرتے ہوئے، اس کے گھر کے گرد گھومتے ہوئے، اسی کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہوئے انسانیت کو توحید کی دعوت دینا۔

سوال 11: وَهَنَ كُفْرًا فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّي وَعَنْ عَالَمِينَ ”اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے“ اللہ تعالیٰ کے جہان والوں سے بے نیاز ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- ”اور جس نے کفر کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے“ اللہ تعالیٰ کے دنیا جہان والوں سے بے نیاز ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے حج کی ضرورت نہیں یہ فقط تمہاری ضرورت ہے۔

2- اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی انسان کو ضرورت ہے۔ اگر وہ ان احکامات کی پرواہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو انسان کی ضرورت نہیں۔

3۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا کا اثبات ان مشرک قوموں کے رد میں ہے، جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود ان کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے، اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لئے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی: 1/611)

سوال 12: یہاں کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں کفر کرنے سے مراد حج نہ کرنا ہے۔ قرآن مجید نے استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ (98)

آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ (98)

سوال 1: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ” آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟“ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کیسے کفر کیا؟

جواب: 1۔ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پہلے گھر کا انکار کیا۔

2۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حلال و حرام کا انکار کیا۔

3۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا انکار کیا۔ 4۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا انکار کیا۔

سوال 2: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ” اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔“ اس ڈراوے کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟

جواب: 1۔ اس ڈراوے کا پہلا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب پر اپنی اصلیت واضح ہو جاتی ہے جب وہ خود کو بڑا مومن سمجھتے ہیں

لیکن حقیقت میں کفر کرتے ہیں۔ 2۔ دوسرا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب سے دھوکہ کھانے والے مومنوں کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں پتہ چل جائے کہ اہل کتاب غلط ہیں اور اہل اسلام سچے ہیں۔ 3۔ تیسرا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں یہ

خوف پیدا ہو کہ میرے اعمال پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے، اس طرح وہ کفر کرنے سے بچ جائیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَاللَّهُ بِعَافٍ عَلِيمًا

تَعْمَلُونَ (99)

آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لایا ہے تم اس (راہ) میں کچی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (99)

سوال 1: اس آیت میں عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ”اللہ تعالیٰ کی راہ سے“ کیا مراد ہے؟

جواب: سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد اس کے نبی اور اس کی کتاب کا راستہ ہے۔

سوال 2: لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ”تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو“ اہل کتاب ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے تھے؟

جواب: 1- یہود خود تو کفر کرتے تھے۔ اب ان کی اتنی جرات ہو گئی تھی کہ طرح طرح سے دوسروں کو بھی دین حق سے روکنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ 2- اہل کتاب حق کو نہیں مانتے تھے اس لیے انہیں کسی کا حق پر چلنا گوارا نہیں تھا۔ 3- باطل پرستی اور باطل سے محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ حق سے روکیں اس لیے وہ باطل کی حمایت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے سے روکتے تھے۔

سوال 3: انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے کیا نتائج سامنے آتے ہیں؟

جواب: 1- جب بھی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا جاتا ہے تو ان کے معاملات خراب ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر سے استقامت ختم ہو جاتی ہے۔ 2- اچھائی اور برائی کے پیمانے خراب ہو جاتے ہیں۔ 3- زمین کے نظام کا ہر شعبہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے مثلاً تعلیمی اور معاشی نظام خراب ہو جاتا ہے۔ 4- انسانی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں زندگی سیدھے راستے کی بجائے کچی اور بگاڑ پر قائم ہو جاتی ہے۔ 5- انسانی تصورات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ 6- انسانی ضمیر اور اخلاق میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ 7- انسان کے طرز عمل اور اس کے تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

سوال 4: تَبِعُوا نَهْجًا ”تم اس (راہ) میں کچی تلاش کرتے ہو“ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچی کیسے تلاش کرتے تھے؟

جواب: 1- ”تم اس (راہ) میں کچی تلاش کرتے ہو“ اللہ کے دین والے جو حق کے راستے پر چلتے ہیں آپ ان کے لیے کچی اور گمراہی چاہتے ہو۔ آپ لوگ ہدایت پر استقامت اختیار کرنے میں کچی تلاش کرتے ہو۔ 2- اہل کتاب دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچی تلاش کرتے تھے۔ 3- اہل کتاب خود اسلام کی سچائی کا انکار

کر کے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔ 4۔ اسلام پر اعتراضات عائد کر کے مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔ 5۔ اہل کتاب طاقت کے ذریعے زبردستی اسلام کے راستے سے روک کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجی تلاش کرتے تھے۔ آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

سوال 5: وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ” حالانکہ تم خود گواہ ہو“ اہل کتاب کس چیز کے گواہ ہیں؟

جواب: اہل کتاب دین اسلام کے حق ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ کا رسول ہونے کے گواہ ہیں۔

سوال 6: یہود کیسے دین اسلام اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کے گواہ بنے؟

جواب: 1۔ پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں اور جنہیں یہودی پڑھتے ہیں ان کی وجہ سے یہودی دین اسلام اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کے گواہ بنے۔

2۔ عبد اللہ بن ابی جعفر اپنے والد سے اللہ تعالیٰ کی اس قول ”وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ“ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ تم خود اس پر گواہ ہو جو کتاب اللہ میں سے پڑھتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ تم اسے اپنے پاس توراہ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 718/3)

سوال 7: وَمَا لِلَّهِ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ”اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو“ کے ذریعے کیا احساس دلایا گیا ہے؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ہرگز بے خبر نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو“ اس کے ذریعے اہل کتاب کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اپنے اعمال سے غافل ہو مگر اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّبِعُوا أَقْرَبِيًّا مِنَ الدِّينِ أَوْ تَوَالُوا الْكُفْرَ يَزِدُّكُمْ عُذْرًا وَإِيمَانَكُمْ كُفْرِينَ (100)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے جنہیں کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کر لوٹا دیں گے۔ (100)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق اور ابوالشیخ نے زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ شماس بن قیس یہودی اوس اور خزرج کے پاس سے گزرا اور ان کو آپس میں باتیں کرتا ہوا دیکھ کر حسد کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ان میں کس قدر دشمنی تھی اور اب آپس میں کس قدر محبت ہے، چنانچہ اس سے برداشت نہ ہوا اس نے آکر ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ اوس و خزرج کے مسلمانوں کی مجلس میں جا کر بیٹھے اور جنگ ”بعث“ کا ذکر چھیڑے اور ان کو وہ وقت یاد دلائے چنانچہ اس نے آکر ایسا ہی کیا اس کی یہ باتیں سن کر انہوں نے آپس میں لڑائی اور ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کیا۔ قبیلہ اوس سے اوس بن قتیلی اور خزرج سے جابر بن جعفر یہ دونوں آدمی کھڑے ہو گئے اور آپس میں گفتگو کی جس سے دونوں قبائل غصہ میں تیار ہو گئے اس چیز کی اطلاع رسول اکرم ﷺ کو پہنچی آپ وہاں تشریف لائے اور ان کو نصیحت کر کے آپس میں صلح کرا دی ان سب حضرات نے آپ کی بات کو بسر و چشم سنا اور اطاعت و فرمانبرداری کے لیے اپنی گردنیں جھکا دیں، اللہ تعالیٰ نے قبیلہ اوس و خزرج اور جو ان کے ساتھ تھے ان کے بارے میں یٰٰیٰہَا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِیْتِ کَرِیْمَ نٰزِلِ فَرْمٰنِیْ اَوْرِ شَآسِ بَنِ قَیْسِ بَنِ قَیْسِ کَے بارے میں قُلْ یٰٰ اَہْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَن سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِ نٰزِلِ فَرْمٰنِیْ۔ (تفسیر ابن عباس: 206، 207/1)

سوال 2: یٰٰیٰہَا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِن تُظِیْعُوْا اَقْرَبِیَّٰہُمْ اَلَّذِیْنَ اٰذُوْا الْکِتٰبَ ”اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے جنہیں کتاب دی گئی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے جنہیں کتاب دی گئی“ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہودیوں کے مکر و فریب اور ان کی سازشوں سے ہمیشہ بچ کر رہنے کی تنبیہ کی ہے۔

2- اس سے مراد اسلام سے کینہ رکھنے والا گروہ ہے۔ جن میں شماس بن قیس یہودی اور اس کے ساتھی تھے جو اوس اور خزرج کے درمیان فتنے کی صورت حال پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عبرت اس کے خاص سبب میں نہیں، اس کے عموم میں عبرت ہے۔ یہودی اور عیسائی اور امت اسلامیہ کی تباہی و بربادی میں ہمیشہ مصروف رہے ہیں۔ (ایضاً التفاسیر: 193/1)

3- ہر مسلمان کا فرض ہے کہ شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے والوں کی باتیں نہ سنے اس میں دین کی سلامتی ہے کیونکہ بحث کرنے سے شبہات بڑھتے ہیں۔

سوال 3: اہل کتاب کی اطاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- اہل کتاب کی اطاعت سے مراد ہے ان سے ہدایات اخذ کرنا۔ 2- ان کی نقالی کرنا۔ 3- ان کی عادات و اطوار

اپنا۔ 4۔ ان سے پالیسیاں لینا۔

سوال 4: اہل کتاب کی اطاعت کس چیز کا ثبوت ہے؟

جواب: 1۔ اہل کتاب کی اطاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے اندر سے شکست قبول کر لی ہے۔

2۔ اہل کتاب کی اطاعت چھپا ہوا کفر ہے جو غیر شعوری ہے اس کا خطرہ انسان کو محسوس نہیں ہوتا۔

3۔ اہل کتاب کی اطاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ امت مسلمہ قیادت کے مقام سے دست بردار ہو گئی ہے۔

4۔ اہل کتاب کی اطاعت سے اسلامی نظام زندگی کی اس صلاحیت میں شک پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اس دور کے لوگوں کی راہ نمائی کرے اور ان کی ترقی، نشوونما اور تنظیم کرے۔

سوال 5: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اٰيٰتِ الْكٰفِرِيْنَ** ”تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کر لوٹا دیں گے“ ایمان کے بعد پھر کافر بنا دینے والی باتوں میں کیا کچھ شامل ہے؟

جواب: 1۔ ”تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا کر لوٹا دیں گے“ اس کفر سے مراد مسلمان ہوتے ہوئے کفر ہے، اس سے مرتد ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو لڑنے والے گروہوں کو مومن قرار دے کر ان کے درمیان اصلاح کر دانے کا حکم دیا ہے۔ 2۔ ایمان کے بعد پھر کافر بنا دینے والی باتوں میں آپس میں قتال بھی شامل ہے اور اگر ان کی بات مانو گے تو آپس کے اتفاق اور محبت سے محروم ہو جاؤ گے۔ 3۔ نبی نے فرمایا: ”میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو“ (صحیح بخاری: 4064)

سوال 6: اہل کتاب مسلمانوں کے بارے میں کس چیز کی حرص رکھتے ہیں؟

جواب: اہل کتاب مسلمانوں کے بارے میں یہ حرص رکھتے ہیں کہ وہ امت مسلمہ کو اپنے عقیدے اور نظریات سے ہٹا دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے: 1۔ وہ ساری قوت لگاتے ہیں۔ 2۔ خفیہ مکر و فریب کرتے ہیں۔ 3۔ منافقین سے مدد لیتے ہیں۔ 4۔ لوگوں کو اندر سے اسلام سے دور کرنے کے لیے غیر اسلامی نظاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ 5۔ اس امت پر ایسی قیادت مسلط کرتے ہیں جو اسلامی نہیں ہوتی۔

وَ كَيْفَ تُلْفَرُونَ وَاَنْتُمْ تُسَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ ۗ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ (101)

اور تم کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا۔ (101) سوال 1: وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتِ اللَّهِ وَ فِيكُمْ رَسُوْلُهُ” اور تم کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے مکرو فریب سے ڈرایا ہے۔ ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کے کفر کا انکار کیا ہے کہ تم کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے۔ (ابیر التفسیر: 194) 2- اللہ تعالیٰ نے گزشتہ واقعے کو مد نظر رکھتے ہوئے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفر کو قبول نہیں کر سکتی۔ (تیسیر الرحمن) 3- اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا کفر کرنا ممکن نہیں اس کے لیے دلائل دیئے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کی جا رہی ہے اور تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے۔

سوال 2: وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ” اور تم کیسے کفر کرتے ہو، کفر کرنے اور ایمان سے دور ہونے کی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟ جواب: 1- کفر کرنے اور ایمان سے دور ہونے کی صورتوں میں دین کے اجزاء کو بدلنا شامل ہے۔

2- دین میں اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنا کر پیش کرنا ہے۔

سوال 3: وَ أَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتِ اللَّهِ وَ فِيكُمْ رَسُوْلُهُ” حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفر کو کیسے قبول کر سکتی ہے ”حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول بھی موجود ہے“۔ 2- آیت اللہ سے مراد قرآن کریم کی آیات ہیں۔ 3- وَ فِيكُمْ رَسُوْلُهُ” اور تمہارے درمیان اس کے رسول بھی موجود ہے، جو ہادی، مبشر اور نذیر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنے کی طرف ہدایت دیتے ہیں، اور ہدایت اور کمال کے راستے پر چلنے کے لیے دین کو مضبوطی سے پکڑنے والوں کو بشارت دیتے ہیں۔ (ابیر التفسیر: 194)

سوال 4: وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هَدَىٰ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ” اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- مَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ ”جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا“ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا ہے (ابن القاسم: 194) 2- اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین کو مضبوطی سے تمام لینا ہے 3- فَقَدْ هَدَىٰ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ”تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا“ سے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے دی جاتی ہے۔ 4- اسے اللہ کی رضا، اللہ کے عذاب سے نجات اور جنت کے راستے پر چلا دیا جاتا ہے۔ (جامع البیان: 30/429)

رکوع نمبر 2

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (102)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ (102)

سوال 1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ“ ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ کیوں کیا گیا؟

جواب: ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تاکہ وہ اس کے احکامات اور اسلام کے عائد کردہ فرائض کو پورے طور پر بجالائیں اور جن سے اس نے روکا ہے اُس سے رک جائیں۔

سوال 2: اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ ”اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے“ تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ جس جس کام کا حکم اللہ تعالیٰ دے، اسے انجام دینا اور جس جس کام سے منع کرے اس سے باز رہنا۔ 2- حَقَّ تَقَاتِهِ ”جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان پر کبھی بھی ایسا وقت نہیں آنا چاہیے کہ جب وہ اللہ کے خوف سے غافل ہو کیونکہ موت کے وقت کسی کو کوئی علم نہیں اور اللہ سے ڈرنے کا ایسا ہی حق ہونا چاہیے کہ جن جن امور کا اس نے حکم دیا ہے اور جن نواہی سے روکا ہے انہیں ٹھیک ٹھیک اور بروقت بجالانا چاہیے۔ (تیسیر القرآن: 1/293) 3- یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو جس کی وجہ سے اس

کے حقوق ادا کر سکو۔ 4۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اس کو بھلایا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ 5۔ سیدنا ابن عباس نے فرمایا کہ حَقِّ تَقَاتُمِہِ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں اور انصاف کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہوں اگر اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (الدرالمختار: 2/59)

سوال 3: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے تقاضے کیا ہیں؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے لئے اس کے احکامات کو پورے طور پر بجالانا چاہئے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے روکا ہے ان کے قریب بھی جانا چاہئے۔

سوال 4: اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟

جواب: 1۔ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: 16) ”سو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔“ 2۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر)

سوال 5: وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْلَ الْأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ: ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو“ یعنی اپنی صحت کے زمانے میں اسلام کی حفاظت کرو، نہ خود بدلو، نہ اپنے دین میں تبدیلی لاؤ، اپنی موت تک اللہ تعالیٰ کے دین پر ثبات اختیار کرو۔

2۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی وہاں تھے ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی ہر کھانے والی چیز خراب ہو جائے کوئی چیز کھانی نہ سکیں پھر خیال کرو کہ ان جہنیوں کا کیا حال ہوگا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہوگا اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود

اپنے لیے چاہتا ہو، (مسند احمد) 3- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا (مسلم)

سوال 6: ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو“ خالص مسلمان بن جانے کے لیے کیا کام کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب: 1- خالص مسلمان بن جانے کے لیے مکمل اطاعت کرنے کی ضرورت ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہر کام کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ 3- نبی ﷺ کی پیروی کرنے کی ضرورت ہے۔ 4- ایمان والے ارادہ کر لیں کہ ہر لمحے میں نے مسلمان بن کر رہنا ہے اس لیے کہ موت کا آنا ہم سے چھپایا گیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (103)

اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ (103)

سوال 1: اس آیت میں کس کی دشمنی کا تذکرہ ہے؟

جواب: حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس میں اوس و خزرج کے ماضی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے درمیان کیسی دشمنی تھی لیکن اسلام کو قبول کر لینے کے بعد اللہ کے لیے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

سوال 2: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کیا ہے؟

جواب: 1- ”اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو“ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کیا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْقُرْآنُ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ (ترمذی: 2906) ”قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔“

2- ایک اور حدیث میں ہے: ”قرآن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، یہ ظاہری نور ہے، یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے،

اس پر عمل کرنے والے کے لیے یہ بچاؤ ہے، اس کی تالیف و تدوین کرنے والے کے لیے یہ نجات ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 447/1: 3) سیدنا عبد اللہ فرماتے ہیں: ان راستوں میں شیاطین چل پھر رہے ہیں تم اللہ کے راستے پر آ جاؤ۔ اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے۔ اختلاف نہ کرو، پھوٹ نہ ڈالو، جدائی نہ کرو، علیحدگی سے بچو۔ (تفسیر ابن کثیر: 447/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔ اس کو مضبوطی سے تھامنے سے مراد دراصل اس کے احکامات کو تھامنا ہے۔ قرآن حکیم میں اتنی قوت ہے کہ جو اس کے احکامات پر چلے گا وہ خواہ دنیا کے کسی گوشے، کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، اس سچائی کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے ذہنی اعتبار سے جڑ جائے گا۔ 2- جو افراد ذہنی مطابقت رکھتے ہوں وہ ایک نورم پراکٹھے ہو کر کام کریں تو اس کی وجہ سے قرآن حکیم کی تعلیمات عام ہو سکتی ہیں۔ پھر لوگ عملی اعتبار سے بھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں اور وہ مل کر اس قرآن کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔ 3- اللہ تعالیٰ نے دین پر مضبوطی سے کار بند رہنے اور متحر رہنے کا حکم دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے۔ دین پر متحر رہنے سے اور باہمی الفت و محبت سے ان کا دین بھی درست رہے گا اور دنیا بھی درست رہے گی۔ اس طرح وہ ہر ایسا کام کر سکیں گے جن کا دار و مدار اتفاق و اتحاد پر ہے۔ اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ تمام مومن مل جل کر رہیں اور آپس میں اختلاف نہ کریں۔ اتحاد کی وجہ سے انہیں فوائد بھی حاصل ہونگے اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون بھی ممکن ہو جائے گا۔ جب کہ اس کے برعکس اختلاف اور تفرقہ کی وجہ سے باہمی رابطے ٹوٹ جائیں گے، ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے بھاگ دوڑ کرے گا اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

سوال 4: تقویٰ کے بعد وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا کے حکم سے اسلام کے تصور نجات اور تصور اتحاد کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: تقویٰ کے بعد وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا یعنی سب کا اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لینا یہ واضح کرتا ہے کہ 1- نجات اور کامیابی بھی ان ہی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی ان ہی پر قائم ہو سکتا ہے اور ان ہی پر اتحاد کا قائم رہنا بھی ممکن ہے۔ 2- سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فرقہ اور اس میں پڑنے کو ناپسند کیا ہے، اس نے تمہیں اس سے ڈرایا اور اس سے روکا ہے۔ اس نے آپ کے لیے سمع و طاعت، (سننا اور اطاعت کرنا) الفت، (باہمی محبت) اور جماعت (کو پسند کیا ہے، لہذا اگر استطاعت رکھتے ہو تو اپنے آپ کو اس پر راضی کر لو جس کو اللہ نے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔ ولاقوة الا باللہ۔ (تفسیر جامع البیان: 35/4: 3) صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین باتوں سے اللہ رحیم خوش ہوتا

ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو دوسرے اللہ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو تفرقہ نہ ڈالو تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو، فضول بکواس زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 1/447) 4۔ اتفاق و اتحاد ہر قوم کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور اتفاق اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب کہ ہر قبیلہ، ہر قوم، ہر علاقہ کے لوگ اسلام کی قوت اور ساکھ برقرار رکھنے کے لیے اپنے اپنے جذبات کو دبا کر ہوں۔ (انوار البیان: 1/528) 5۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی نصیحت کی گئی ہے اور ہر قسم کے افتراق و اختلاف سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اتفاق کی بنیاد قرآن کریم کو بتایا گیا ہے۔ اور جیسا کہ معلوم ہے کہ سنت قرآن سے جدا نہیں ہو سکتی، اور قرآن بغیر سنت کے نہیں سمجھا جاسکتا، اس لیے مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتفاق و اتحاد صرف قرآن و سنت پر عمل کر کے ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ (تیسیر الرحمن: 1/197) 6۔ فرقہ بندی کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن و حدیث کے فہم، اس کی تشریح وغیرہ میں اختلاف تو صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا۔ یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی وجہ سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے کیونکہ اختلاف کے باوجود سب کے لئے اطاعت اور عقیدت کا محور و مرکز قرآن مجید اور حدیث رسول تھا۔ 7۔ امام مسلم نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ تَقْلِينَ أَوْ لَهْمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ آگاہ رہو میں تمہارے پاس دو بہت ہی بھاری اور عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی رسی ہے۔ جو اس کی اتباع کرے گا وہ ہدایت پر رہے گا۔ اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم: 6225) 8۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا ”آپس میں اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک و برباد ہو گئے۔“ (صحیح بخاری: 2410) 9۔ ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَسْرًا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشْرًا وَلَا تُسْفِرَا وَتَطَاوَعًا وَلَا تَخْتَلِفَا ”آسانی پیدا کرو سختی میں مبتلا نہ کرو خوش خبری سنا نا نفرت نہ پھیلا نا، اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ رکھنا۔“ (صحیح مسلم: 4526)

سوال 5: وَلَا تَفَرَّقُوا ”اور جدا جدا نہ ہو جاؤ“ تفرقہ (گروہ بندی) سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1۔ ذہنی اور عملی طور پر انتشار کا شکار ہونا۔ 2۔ قرآن مجید کو چھوڑ کر مسلمانوں میں کوئی قدر مشترک نہیں رہ جاتی۔ وہ ایک دوسرے سے کٹ کر رہنے کے لیے جو بھی کوشش کریں وہ تفرقہ (گروہ بندی) ہے۔

سوال 6: اُمتِ مسلمہ (اسلامی اجتماعیت) کن دو بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے؟

جواب: 1- تقویٰ 2- اخوت

سوال 7: تقویٰ مسلمانوں کی اجتماعیت کا پہلا ستون ہے اس کی اہمیت واضح کریں؟

جواب: 1- تقویٰ کے ستون کے بغیر انسانوں کی ہر اجتماعیت ایک جاہلی اجتماعیت ہوگی اس لیے کہ ان کی قیادت ہدایت یافتہ نہیں ہوگی اور ان کا مقصد صالح نہیں ہوگا۔ 2- تقویٰ کے ساتھ ہی اسلامی اجتماعیت اپنے وجود کو ثابت کر سکتی ہے۔ 3- تقویٰ کے ساتھ ہی وہ اس اہم کردار کو ادا کر سکتی ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

سوال 8: اسلامی اجتماعیت کی دوسری اساس ”اخوت“ ہے۔ اخوت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: 1- اخوت اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے خوف سے پھوٹی ہے۔ 2- اخوت اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو پکڑنے کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ 3- اخوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے عہد کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ 4- اخوت دین کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ 5- اخوت کسی جاہلی مقصد کی بنیاد پر پیدا نہیں ہوتی۔

سوال 9: اسلامی اخوت کے فوائد کیا ہیں؟

جواب: 1- اسلامی اخوت کی وجہ سے لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ 2- اس کی وجہ سے افراد اپنی تاریخی دشمنیاں بھول جاتے ہیں۔ 3- اسی کی وجہ سے قبائلی انتقام معاف کر دیے جاتے ہیں۔ 4- اسی کی وجہ سے افراد اپنے ذاتی مفادات چھوڑ دیتے ہیں۔ 5- اسی کی وجہ سے افراد اپنی فرقہ وارانہ روایات ترک کر دیتے ہیں۔

سوال 10: **وَإِذْ كُذِّبَتْ إِلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَةِ إِخْوَانًا** اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، رشتہ اخوت سے قبل مسلمان کیسے دشمن تھے؟

جواب: 1- ربیع کا قول ہے: **إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً** تمہارے لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے، اور تمہارا قوت والا ضعیف کو کھا جاتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا اور تمہارے درمیان اسلام کی وجہ سے اُلفت پیدا کر دی۔ (تفسیر ابن عاتم: 725/3)

2- رشتہ اخوت سے قبل مدینہ میں اوس اور خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے دشمن تھے، یہودی ان میں دشمنی کی آگ کو بھڑکائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ملنے والے قبیلوں کے درمیان اسلام کی وجہ سے اُلفت پیدا کر دی۔

3- فَاصْبِرْهُمْ بِرَبِّهِمْ إِحْوَاثًا” تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں ” اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اسلام آنے سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تمہارے لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے ساتھ تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی، اور تمہیں ایمان پر جمع کیا تو تم اللہ کے فضل اور اس کے انعام سے اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بن گئے۔“ (تفسیر واضح الہیہ: 141، 140)

سوال 11: فَالْتَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ” تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی۔“ اس کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- ”تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی، انسانوں کے باہمی تعلقات اور باہمی محبت کا مرکز دل ہے اس لیے دل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی رسی میں دلوں کو باندھ دیا گیا، جوڑ دیا گیا، ان میں ایک دوسرے کے لیے اُلفت ڈال دی گئی۔ 2- رسول اللہ ﷺ نے حنین کا مال تقسیم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی طرف اشارہ فرمایا۔ عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے مال کی تقسیم کے وقت، جب کچھ انصار کے لوگوں نے اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو زیادہ حصہ دے دیا تھا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق ہی تھا تو آپ ﷺ نے انہیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ”اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت سے نوازا، تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے مگر میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں اُلفت و محبت ڈال دی، اور تم فقیر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے دولت مند بنا دیا۔“ آپ ﷺ جب بھی کچھ ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ (بخاری: 4330، مسلم: 1061)

سوال 12: فَاصْبِرْهُمْ بِرَبِّهِمْ إِحْوَاثًا” تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اخوت کو اپنی نعمت کیوں قرار دیا؟

جواب: مومنوں کی باہمی محبت اللہ تعالیٰ ہی کی نعمت ہے اس لئے کہ انسان زمین بھر دولت بھی دے ڈالے کسی کی محبت نہیں خرید سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، اس کی رحمت اور اس کی نعمت ہے۔

سوال 13: وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرٍ قَوِّينَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا” اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا،“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”شَقَّاحْفَرٌ“ کا معنی گڑھے کا کنارہ جیسے کچے کنوئیں کا کنارہ ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) 2- فَأَنْتَقَدُّكُمْ قِهْمَهَا“ تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا، تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دے کر اللہ کی آگ سے بچالیا۔ (ابن القاسم: 193)

3- ابن عباس نے کہا: اگر تم جاہلیت پر مر جاتے تو تم آگ والوں میں سے ہوتے فَأَنْتَقَدُّكُمْ قِهْمَهَا“ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام سے اور محمد ﷺ کی بدولت تمہیں نجات دی۔ (تفسیر ابوسیط: 474/1) 4- مقاتل بن حیان کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں شرک سے ایمان کی طرف نجات دی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 726/3)

سوال 14: اس آیت کے پس منظر میں کیا واقعہ ہے؟

جواب: مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ دونوں قبائل بھائیوں کی طرح ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قریب سے ایک یہودی گزرا۔ یہ بات اس پر گراں گزری۔ اس نے ایک شخص کو بھیجا جو جنگِ بعثت میں ان کے درمیان گزرے واقعات کا تذکرہ کرنے لگا حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے اور ان کے اندر جذبہٴ انتقام بھڑک اٹھا۔ انہوں نے اپنے اپنے جھنڈے اٹھالیے، اسلحہ طلب کر لیا گیا اور مقام ”حرہ“ دوبارہ جنگ کے لیے تقریباً طے ہو گیا۔ اس بات کی اطلاع نبی ﷺ کو ہوئی۔ آپ ﷺ ان کے پاس آئے، انہیں ٹھنڈا کیا اور فرمایا: ”کیا تم دوبارہ جاہلیت کی طرف دعوت دیتے ہو؟ حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس پر انہیں سخت ندامت ہوئی، ان کے درمیان صلح ہو گئی، انہوں نے اسلحہ پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: 447,448/1)

سوال 15: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ”اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ“ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور اخوت کی بنیاد پر جو اسلامی اجتماعیت قائم کرنے کے لیے کہا، اس کے بارے میں فرمایا کہ دیکھو یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ 2- ”اٰیٰتہ“ اس کے دلائل ”لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ“ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ تم ہدایت پر ثبات پا جاؤ اور وہ تمہیں اس میں بڑھا دے (تفسیر البیضاوی: 74/2) 3- اس بدیع بیان میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس نے تمہیں دین اور شریعت عطا فرمائی تاکہ تم ہدایت پاؤ اور دونوں جہانوں کی سعادت اور کامیابی حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے دور کی مثال

دی ہے کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ کے کنارے پر ہو، جس کے نیچے گہری وادی ہو، قریب ہے کہ وہ اس میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سَمِعَ كَلِمَةَ رَجُلٍ مِّنْ آلِ لَيْسَ إِذْ يَدْعُو أَنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَ لَآتَتَّكَ قَوْمًا مِنِّي ” اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا تاکیدِ حکم اُس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا تاکیدِ حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (شوری: 13) نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے باعلاق رہو، نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ (صحیح مسلم) نبی ﷺ نے فرمایا ” تو مومنوں کو باہمی رحم دلی، دوستی اور باہمی مہربانی میں ایک جسم کی مانند پائے گا۔ جب کسی عضو کو دکھ درد پہنچتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور تپ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ (بخاری: 6011) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے ساتھ ایک عمارت کے حکم میں ہے کہ ایک دوسرے سے قوت پہنچتی ہے اور آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر کیا۔ (بخاری: 2446)

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (104)

اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (104)

سوال 1: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو، اس آیت کا مخاطب کون ہے؟
جواب: اس آیت میں امتِ مسلمہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

سوال 2: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو، امت سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- اس آیت کریمہ میں اللہ نے امتِ مسلمہ کو ایک بہت بڑی ذمہ داری دی ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اس کے بعد اللہ نے ایسی صراحت کر دی کہ امتِ مسلمہ کی دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود کی یہی بنیادی شرط ہے۔ (تیسیر الرُّسُل: 1/197) 2- یہاں امت سے مراد مجاہدین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے لوگ ہیں۔ (ایسر التفاسیر: 195)

سوال 3: اُمتِ مسلمہ کا مشن، فریضہ کیا ہے؟

جواب: 1- اُمتِ مسلمہ کا فریضہ اقامتِ دین ہے۔ 2- ان کا مشن اس کرۂ ارض پر اسلامی نظامِ زندگی کا قیام ہے۔ 3- ان کا یہ ہدف ہے کہ حق کو باطل پر غالب کرنا ہے، معروف کو منکر پر غالب کرنا ہے۔ 4- اُمتِ مسلمہ کا نصب العین یہ ہے کہ خیر کو پھیلائیں اور شر کو روکیں۔

سوال 4: يٰۤاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْغَيْبِ ”جو نیکی کی طرف دعوت دیں“ دعوتِ الی الخیر سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- ”الخیر سے مراد اسلام اور ہر وہ چیز ہے جو اسے دینا اور آخرت میں نفع دے، ان میں ایمان اور عملِ صالح شامل ہیں۔ 2- ابو جعفر الباقری نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے آیت پر بھی ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ“ پھر فرمایا ”خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کی اتباع ہے“ (تفسیر فتح القدیر: 471/1) 3- ”خیر“ میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ کے قریب کرنے والی اور اس کی ناراضی سے دور کرنے والی ہو۔ 4- دعوتِ الی الخیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کی، اسلام کو قبول کرنے کی، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے طور پر قبول کرنے کی، اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کی دعوت ہے۔ سوال 5: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ”اور لازم ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں“ اس سے کیا طریقہ کار سامنے آ رہا ہے؟

جواب: اس میں مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو اس کی راہ کی طرف بلائے اور اس کے دین کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ اس جماعت میں وہ علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کی دین کی طرف راہ نمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 404/1)

اس سے دو حقائق سامنے آ رہے ہیں: i- امت کے خاص لوگ: ii- امت کے اندر برائی برداشت نہ کریں۔ ii- نیکی اور بھلائی کے لیے تڑپنے والے ہوں۔ iii- ان کے اندر کا جذبہ اصلاح انہیں غیر جانبدار نہ رہنے دے۔ iv- وہ لازماً بھلائی کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں۔

2- امت کے عوام الناس: i- ان کے اندر بھی اطاعت کا جذبہ ہو۔ ii- وہ خاص ذمہ داران کی اطاعت کریں۔ iii- سمع و اطاعت کی فضا قائم کریں۔

سوال 6: اُمتِ مسلمہ کی کامیابی کے لیے ایک اسلامی جماعت کا قیام کس لیے ضروری ہے؟

جواب: 1- جماعتی زندگی اسلامی نظام کی ضرورت ہے کیونکہ اسلام کا تصور زندگی، تصور کائنات، تصور اقدار، تصور اخلاق، تصور واقعات بالکل مختلف ہے اس لیے اسلام کو ایک جاہلی معاشرے سے جدا اپنا معاشرہ درکار ہے۔ 2- یہ جماعت وہ ماحول فراہم کرتی ہے جہاں اسلامی نظام حقیقت کے روپ میں سامنے آسکتا ہے۔ 3- یہ جماعت بھلائی کا ماحول پیدا کر سکتی ہے۔ 4- اس جماعت کے تمام افراد ایک دوسرے کے معاون ہو سکتے ہیں۔ 5- اس جماعت میں شرکی نشوونما کے راستے میں مشکلات اور کاوٹیں ہوتی ہیں۔ 6- اس ماحول میں بھلائی آسان اور برائی مشکل ہو جاتی۔ 7- اس ماحول میں برائی کرنے والے کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ 8- اس ماحول میں بھلائی کی جدوجہد نشوونما پا سکتی ہے۔

سوال 7: اسلامی جماعت کیسے قائم ہوتی ہے؟

جواب: 1- اسلامی جماعت دو اہم بنیادوں پر قائم ہوتی ہے: i- اللہ تعالیٰ پر ایمان یعنی اس کی ذات کی پہچان اور اس کی نگرانی کا شعور یعنی تقویٰ ii- اخوت (محبت، تعاون، باہمی کفالت) یعنی افراد ایک دوسرے کے لیے ایثار کرنے والے اور ایک دوسرے سے سچی ہمدردی رکھنے والے ہوں۔ 2- اس جماعت کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہوں۔ 3- جماعت کے افراد محبت کے ساتھ قیادت کی پیروی کریں۔ 4- تفرقے سے بچا جائے۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے فلاح، نجات اور کامیابی کے لئے کن کاموں کو ضروری قرار دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فلاح، نجات اور کامیابی کے لئے تین کاموں کو ضروری قرار دیا ہے:

1- دعوت الی الخیر (خیر کی طرف دعوت دینا) 2- امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) 3- نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)

سوال 9: وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں کی وضاحت کریں؟

1- ”اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں“ المعروف وہ ہے جس کو شریعت نے معروف قرار دیا ہو اس کے نفع اور اس کی اصلاح کے لیے فرد اور جماعت دونوں کو حکم دیا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 195) معروف میں وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ہر نبی نے اپنے دور میں جس کو رواج دینے کی کوشش کی۔ یہ نیکیاں اور بھلائیاں جانی پہچانی ہیں اس لئے معروف کہلاتی ہیں۔ 2- المنکر، المعروف کی ضد ہے اور وہ ایسے امور ہیں جس کے ضرر اور فساد سے بچانے کے لیے شریعت نے فرد اور جماعت کو روکا ہو۔ (ایسر التفاسیر: 195) اسی طرح منکر میں تمام وہ برائیاں اور مفسدات داخل ہیں جن کو رسول کریم ﷺ کی طرف ناجائز قرار دینا معلوم و معروف ہے۔ 3- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے

جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے نفرت کرے یہ ضعیف ایمان ہے ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے بے برابر بھی ایمان نہیں (صحیح مسلم) 4۔ سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔“ (جامع ترمذی: 2169) 5۔ نعمان بن بشیر نے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں گھس جانے والے (یعنی خلاف کرنے والے) کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جنہوں نے ایک کشتی کے سلسلے میں قمر عدڈالا۔ جس کے نتیجے میں بعض لوگوں کو کشتی کے اوپر والا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا۔ پس جو لوگ نیچے والے تھے انہیں دریا سے پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے اوپر سے گزرننا پڑتا۔ انہوں نے سوچا کیوں نہ ہم اپنے ہی حصے میں ایک سوراخ کر لیں تاکہ اوپر والوں کو ہم کوئی تکلیف نہ دیں۔ اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو من مانی کرنے دیں گے تو کشتی والے تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو یہ خود بھی بچیں گے اور ساری کشتی بھی بچ جائے گی۔“ (صحیح بخاری: 2493)

سوال 10: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: انسان کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے اسی وجہ سے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر باقی رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں کام مومنوں کی خاص صفات ہیں۔

سوال 11: دنیا میں بھلائی کا دور دورہ کیسے ممکن ہے؟

جواب: دنیا میں بھلائی کا دور دورہ تب ممکن ہے جب: 1۔ بھلائی کی دعوت ہو اور ایک امت یہ دعوت دے۔ 2۔ ایک ایسا اقتدار اعلیٰ ہو جو ”دعوت الی الخیر“ بھلائی کی دعوت کے نصب العین پر ہو اور ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کا کام کرے۔ 3۔ یہ اقتدار اعلیٰ مملکت یا سلطنت دو بنیادوں پر قائم ہوگی i۔ تقویٰ ii۔ اخوت 4۔ اس اقتدار اعلیٰ کا نصب العین انسانی زندگی میں اسلامی نظام کو قائم کرنا ہو تو دنیا میں بھلائی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔

سوال 12: زمین پر اسلامی نظام زندگی کے معنی کیا ہیں اور کیا نہیں ہیں؟

جواب:

اسلامی نظام زندگی کیا ہے؟	اسلامی نظام زندگی کیا ہے؟
1- صرف وعظ کا سلسلہ اور تبلیغ و بیان کا سلسلہ جاری ہو اور باقاعدہ سسٹم کے لیے کوشش نہ کی جائے۔	1- اقتدار اعلیٰ قائم کیا جائے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرے۔
2- ہر فرد محض انفرادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے۔	2- یہ اقتدار اعلیٰ انسانی زندگی میں معروف کو رائج کرے اور منکر کا خاتمہ کرے۔
3- کسی کی خواہشات اور دلچسپیوں کے مقابلے میں امت کو بچانے کی محض خواہش رکھی جائے۔	3- یہ اقتدار اعلیٰ امت مسلمہ کو غیر مسلموں کی خواہشات اور دلچسپیوں سے بچا کر رکھے تاکہ وہ اس کے افراد کو اپنی ذاتی مصلحتوں کی خاطر استعمال نہ کر سکیں۔
4- اسلامی حکومت کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کل وقتی بنیادوں پر کیا جائے۔ کل وقتی کام اگر مختلف افراد انجام دیتے رہیں اور یہ اسلامی حکومت کے تحت نہ ہو تو مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکے گا۔	4- اسلامی نظام قائم ہو تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایسا شعبہ قائم کیا جائے گا جس میں افراد کل وقتی یہی فریضہ انجام دیں گے۔
5- اسلامی نظام زندگی قائم کیے بغیر محض انفرادی کوششیں ہوتی رہیں۔	5- حکومتی ذمہ داری کے علاوہ افراد بھی اپنے طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام جاری رکھیں۔

سوال 13: **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، امت مسلمہ کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟

جواب: 1- امت میں خیر غالب ہو۔ 2- وہ معروف کو معروف سمجھے۔ 3- وہ منکر کو منکر سمجھے۔ 4- ایک ایسا اقتدار اعلیٰ ہو جس میں خیر غالب ہو اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے اور اپنے امر و نہی کو منوانے کی قوت رکھتا ہو۔ 5- ایک ایسی جماعت کو قائم کرے جس کے اندر اسلامی نظام زندہ ہو، جہاں بھلائی کا ماحول ہو، جہاں باہم تعاون ہو۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَنَزَّهُوا وَاتَّخَفُوا اصْنَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (105)

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ (105)

سوال 1: وَلَا تَلُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ” اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا، اس آیت میں واضح دلیلیں آجانے کے بعد فرقوں میں تقسیم ہونے اور آپس میں اختلاف کرنے کی بات ہے، اس اختلاف کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- یہاں اختلاف سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے باہمی اختلافات ہیں جن کی وجہ لاعلمی نہ تھی بلکہ دنیاوی مفادات اور نفسانی اغراض تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو گروہوں میں تقسیم ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ان کے درمیان حسد، عداوت اور بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا۔ 2- اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حق سے رُگردانی کر کے خواہش نفس کی پیروی کی، دین میں بدعت کو راہ دی اور ایک دوسرے سے حسد کیا، یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی انہوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ اس طرح حق کے واضح دلائل آجانے کے باوجود انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔

3- اس اختلاف کے بارے میں رب العزت نے وضاحت فرمائی ہے: كَانِ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ” لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا“ (البقرہ: 213)

4- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہود 71 فرقوں میں بٹ گئے، عیسائی 72 فرقوں میں بٹ گئے اور مسلمان 73 فرقوں میں بٹ گئے۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

سوال 2: فرقوں میں تقسیم ہونے کی کیا بنیادیں ہیں؟

جواب: 1- نسل بنیاد ہے۔ 2- خاندان بنیاد ہے۔ 3- مال بنیاد ہے۔

سوال 3: انسان فرقوں میں کیسے تقسیم ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان فرقوں میں بٹ جاتا ہے: 1- جب بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بجائے کوئی اور چیز بنیاد بنتی ہے۔

2- جب بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی جگہ کوئی اور خوف لیتا ہے۔ 3- جب بھی آخرت کے مفاد پر کوئی اور مفاد حاوی آجاتا ہے۔

سوال 4: وَلَا تَلُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا ” اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے، اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی سے رُکنے کا حکم دیا ہے۔

سوال 5: کیا قرآن وحدیث کے فہم اور اس کی تشریح میں اختلاف فرقہ بندی کا سبب بنتا ہے؟

جواب: فرقہ بندی کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن وحدیث کے فہم، اس کی تشریح وغیرہ میں اختلاف تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عہد میں بھی تھا۔ یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں۔ مسلمان قرآن وحدیث کی وجہ سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے کیونکہ اختلاف کے باوجود سب کے لئے اطاعت اور عقیدت کا محور و مرکز قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ تھے۔

سوال 6: فرقہ بندی کیسے ہوتی ہے؟

جواب: تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ جمیعاً (سب کا اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لینا) ان دو اصولوں سے ٹپٹنے ہی پھوٹ پڑ جاتی ہے اور لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔

سوال 7: اختلاف کس وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟

اختلاف دنیاوی اغراض، خواہش نفس کی پیروی اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

سوال 8: کیا نبی ﷺ کی حدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اختلاف رحمت کا باعث ہے؟

جواب: 1- نبی ﷺ کی جو روایت فرقہ بندی کے حق میں پیش کی جاتی ہے کہ ”میری امت کا اختلاف رحمت ہے“، یہ موضوع روایت ہے۔ 2- اگر امت کا اختلاف رحمت کا باعث ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب جہنم میں۔ 3- رسول اللہ ﷺ نے جنت میں جانے والے فرقے کی پہچان یہ بتائی ہے کہ جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

سوال 9: فرقہ بندی کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟

جواب: 1- فرقہ بندی کا آغاز اطاعت اور عقیدت کے محور و مرکز کے بدلنے سے ہوتا ہے جب شخصیات کے اقوال کو پہلا درجہ دیا جاتا ہے تو قرآن وحدیث کے احکامات خود بخود دوسرے درجے کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہیں سے اس امت کے اندر فرقہ بندی کا آغاز ہوا جو بدن بدن بڑھتا چلا گیا اور اتنا مضبوط ہو گیا کہ اب جو کسی خاص شخصیت کے اقوال و افکار کے ساتھ خود کو نتختی نہیں کرتا اُس کا اسلام مشکوک قرار دیا جاتا ہے۔ 2- امت میں اختلاف کو راہ دینے والے بعض کج فہم لوگوں نے

جاتے ہیں اور اتحاد مومنوں کی عام صفت بن جاتی ہے جو بڑی توت ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهُ وُجُوهُ فَاقَامَا لِنِ اِسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (106)

جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ (106) سوال: 1: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهُ وُجُوهُ فَاقَامَا لِنِ اِسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ”جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟ جواب: گزشتہ آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف کرنے والوں کو عذاب الیم سے ڈرایا تو یہاں یہ بتایا کہ یہ عذاب انہیں اس دن ملے گا جب مومنوں کے چہرے ایمان کے نور سے چمک رہے ہوں گے اور کافروں اور دین میں اختلاف پیدا کرنے والوں کے چہرے ایمان کے نور سے محروم ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوں گے۔

ابن عباس کا قول ہے کہ روشن چہرے والوں سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور سیاہ چہرے والوں سے مراد اہل بدعت اور امت میں افتراق پیدا کرنے والے ہیں۔ (تفسیر فتح القدیر: 467/1)

سوال: 2: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهُ وُجُوهُ فَاقَامَا لِنِ اِسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ”سیاہ چہرے والے لوگ کون ہوں گے؟

جواب: 1- سیاہ چہرے والے وہ لوگ ہوں گے جو نعت ایمان پانے کے بعد بھی کافر اندر روش جاری رکھتے ہیں۔

2- حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے کلمہ ایمان ادا کیا لیکن اپنے دلوں اور اعمال سے اس کا انکار کیا۔ (تفسیر الدر المنثور: 112/2) ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد در بانی ہے:

3- وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَاتِهِمْ بِئْسَ لَهَا وَتَرَهُمْ مُدْجِلَةً مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعَانَ آتِيلٍ مُّظْلَمًا اور جن لوگوں نے بُرائیاں کمائیں تو بُرائی کا بدلہ اُس جیسا ہی ہوگا اور اُن کو رسوائی ڈھانپنے ہوگی، کوئی انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا اُن کے چہرے سیاہ رات کے گلڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔ (سورہ یونس: 27)

4- وَوُجُوهُهُمْ عَلَيْهِمْ صَيْرَةٌ فَرُجَّتْ عَنْهُمْ وَكَلْفٌ أَفْجَرٌ اور اُس دن کچھ چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی۔ اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں۔ (سورہ عیس: 40، 42)

سوال 3: فَأَمَّا الَّذِينَ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ”تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟“

جواب: ”تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا تو اب عذاب چکھو“ اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے جو تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کا کفر کیا کرتے تھے۔ (ایسر النفاہیر: 196)

وَأَمْثَالِ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (107)

اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (107)

سوال 1: وَأَمْثَالِ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ”اور جن کے چہرے سفید ہوں گے“ کن لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے؟
جواب: ابی بن کعب کا قول ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے عہد کو وفا کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (ابن ابی حاتم: 730/3)

سوال 2: فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ”سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے“ رَحْمَةِ اللَّهِ سے کیا مراد ہے؟

جواب: رَحْمَةِ اللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ کر اس کی پناہ میں آنا ہے۔

سوال 3: فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ”سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“ 1۔ جنت کو رحمت سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد اور زہد کیوں نہ ہو وہ جنت میں محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جائے گا، کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔ (تفسیر معارف القرآن: 2/148) 2۔ ابن عباس نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: ”وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے“ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ خیر کا ثواب اور شر پر عذاب دائمی ہوگا، کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ (ابن ابی حاتم: 731/3)

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ (108)

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (108)

سوال 1: تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَابِدٌ بِالْحَقِّ ”یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو رہی ہیں جو ذات برحق ہے۔ زجاج نے کہا: ”تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ“ سے مراد یہ اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں۔ (قرطبی: 2/131) 2- یہ آیات جو اعمال کے نتائج اور جزا سزا طے کر رہی ہیں بالکل حق ہیں۔ 3- یہ آیات جس انجام کی اطلاع دے رہی ہیں وہ پوری سچائی کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔ 4- یہ آیات جو ہدایت اور خیر پر مشتمل ہیں، ہم حق کے ساتھ پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں جس نے ان کو قبول کیا وہ نجات پا گیا اور جس نے عرض کیا وہ ہلاک ہو گیا۔ (ابن القاسم: 196) سوال 2: وَصَالَةُ اللَّهِ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْمُكَلِّبِينَ ”اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ عدل کرنے والا حاکم ہے اس لیے وہ ظلم نہیں کر سکتا۔ 2- اللہ تعالیٰ مالکِ ارض و سماوات ہے۔ اس نے کائنات میں عدل کو جاری رکھنا ہے اس لیے وہ ظلم نہیں کر سکتا۔ سوال 3: اللہ تعالیٰ کا انصاف جو آخرت کے دن ہوگا، اس کے نتیجے میں کچھ لوگ جہنم میں اور کچھ جنت میں چلے جائیں گے ہمیشہ کے لئے کسی کو آگ میں ڈال دینا ظلم نہیں ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا انصاف بے لاگ ہے۔ جو کچھ انسان دنیا میں کرتے ہیں اس کا بدلہ وہ آخرت میں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو سمجھانے کے لئے رسول بھیجے، کتابیں عطا کیں تاکہ انسان بُرے انجام سے بچ سکے۔ اس کے باوجود جو لوگ دنیا کی زندگی میں سرکشی پر اڑے رہتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، اُن کے لئے پہلے سے طے شدہ عین انصاف کے مطابق ہمیشہ کی آگ ہے لہذا کسی کو ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈال دینا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔

وَاللَّهُ صَافِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ تَزَجُّجُ الْأُمُورِ (109)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (109)

سوال 1: وَيَلِيهِ مَنَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَنَافِي الْاَرْضِ ” اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ابن عباس نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سارے آسمان بنائے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور ساری زمینوں کو بنایا اور جو کچھ ان میں ہے۔ 2- آسمانوں و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، مالک ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ (ابن ابی حاتم: 731/3)

سوال 2: وَيٰۤاَيُّ اللّٰهِ تُشْرِكُوْنَ ” اور سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اس لیے کہ آخری فیصلہ اسی کا ہوگا۔ 2- دنیا میں انسان اگر مرضی سے فیصلے کرتا ہے تو اسے دیکھ لینا چاہیے کہ اس کی مرضی کے ناحق استعمال کی وجہ سے فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے یا اس کے خلاف ہوتا ہے۔ 3- اس آیت کے توسط سے انسان کے شعور کو بیدار کیا گیا ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اسی کے لیے خالص کر دے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے شعور کو بیدار کرنے کے لئے اپنی ذات کا شعور کیسے دلایا ہے؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنی ذات کا شعور دلایا ہے۔ 2- سارے معاملات کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 3

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّاهُمْ ۗ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (110)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور گراہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں (110)

سوال 1: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ” تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے“۔ 1۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی فضیلت بیان کی ہے کہ وہ بہترین اُمت ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ اور جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا تو اب کام بتایا ہے کہ وہ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں، معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ (ایضاً القایہ: 197)

3۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتا دیا کہ ہے کہ اس امت نے وہ کام انجام دیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اسی بناء پر یہ افضل قرار پائی۔ 4۔ مسلمان امت کو اللہ تعالیٰ باہر نکال رہے ہیں۔ 5۔ اس اُمت کو آہستہ آہستہ متحرک کیا جا رہا ہے۔ 6۔ اس اُمت کو تمام انسانوں کی اصلاح کے لیے نکالا گیا۔ 7۔ اس امت کو اس کائنات میں خیر کی قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ 8۔ اس اُمت نے کسی اور اُمت سے ہدایت نہیں لی، بلکہ اب ساری انسانیت اس اُمت سے راہ نمائی حاصل کرے گی۔

سوال 2: مسلمانوں کے حَبِیْرُ اُمَّةٍ یعنی بہترین اُمت ہونے کا سبب کیا قرار دیا گیا ہے؟

جواب: 1۔ ایمان باللہ 2۔ امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) 3۔ نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) امت اگر ان خصوصیات کی حامل ہوگی تو بہترین اُمت ہوگی اور جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرے گا وہ بھی اہل کتاب کی طرح ہوگا جیسے سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کَانُوا اِلٰہًا یُنٰتٰھُوْنَ عَنْ مُّٰمِنِکُمْ فَذَلُوْہُ وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے منع نہیں تھے جس کو وہ کر لیتے تھے۔ یقیناً بہت ہی بُرا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ (مائدہ: 79)

سوال 3: مسلمانوں کو خیر امت قرار دیا گیا اس فضیلت میں کون سے دور کے لوگ شامل ہیں؟

جواب: 1۔ امت مسلمہ کی یہ فضیلت دوسری تمام امتوں پر علی الاطلاق ہے اور اس فضیلت میں امت مسلمہ کے ہر دور کے لوگ شریک ہیں۔ خود امت مسلمہ کے درمیان درجات میں تفاوت تو موجود ہے، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے، لیکن مسلمان چاہے جس دور کے ہوں، انہیں غیر مسلموں پر فضیلت حاصل ہے۔ (تیسیر الرمن)

2۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”امت مسلمہ کو یہ مقام ان کے نبی محمد ﷺ کی وجہ سے ملا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق میں سب سے اشرف اور رسولوں میں سب سے اعلیٰ بنایا تھا، اور انہیں ایک ایسا عظیم اور کامل دین دے کر بھیجا تھا جو ان سے پہلے کسی نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ ان کے اس دین کا پابند رہ کر تھوڑا عمل بھی دوسرے مذاہب والوں کے عمل کثیر سے زیادہ افضل ہے۔“ (تیسیر الرمن) 3۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ”بہترین امت“ ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ (دعوة القرآن)

سوال 4: انسانی معاشرے میں اُمتِ مسلمہ کی پہچان کیا ہے؟

جواب: 1- نیکی کا کام کرنا اور برائی سے روکنے کے لیے اپنا فرض ادا کرنا۔ 2- اگر یہ خصوصیت ختم ہوگئی تو گویا امت کا کوئی حقیقی وجود ہی نہیں۔

سوال 5: امت کے منصب کا پہلا تقاضا کیا ہے؟

جواب: 1- زمین کو شر اور فساد سے پاک کرے۔ 2- اس کے پاس اتنی قوت ہو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکے۔

سوال 6: اس اُمت کو کس مقصد کے لیے اُٹھایا گیا ہے؟

جواب: 1- پوری انسانیت کی قیادت کے لیے۔ 2- جاہلیت کو مٹانے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے۔ 3- انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کے لیے۔ 4- اسلامی نظام زندگی کے مطابق انسانوں کی راہ نمائی کے لیے۔ 5- تسخیر کائنات کے ذریعے اپنے ایمان باللہ کو مضبوط کرنے کے لیے۔

سوال 7: امتِ مسلمہ کا وجود کب بے مقصد ہو جاتا ہے؟

جواب: جب اُمتِ مسلمہ انسانیت کی راہ نمائی کے مقام سے گرجائے تو اس کا وجود بے مقصد ہو جاتا ہے۔

سوال 8: امتِ مسلمہ اپنا صحیح کردار کب ادا کر سکتی ہے؟

جواب: 1- جب اس کا عقیدہ بالکل درست ہو۔ 2- جب اُس کا شعور بیدار ہو۔ 3- جب اس کے اخلاق معیاری ہوں۔ 4- جب اس کی تنظیم مضبوط ہو۔

سوال 9: تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ” تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اُمتِ مسلمہ کا یہ فریضہ کیسے ادا ہوگا؟

جواب: 1- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ تم لوگوں کو حکم دیتے ہو کہ وہ گواہی دیں لا الہ الا اللہ اور اس چیز کا اقرار کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی اور اس پر جنگ کریں اور لا الہ الا اللہ معرفت میں سب سے عظیم ہے۔ (القرآن العظیم ابن ابی حاتم: 733/3) 2- ابو العالیہ نے کہا معروف توحید ہے۔ 3- تم لوگوں کے لیے معروف یعنی اسلام اور ہدایت، نئی شریعت جو

نبی ﷺ لے کر آئے اس کا حکم دیتے ہو۔ (ایسر النفایر: 197) 4۔ وَتَهْتُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ ابْنِ عَبَّاس نے کہا: منکر تکذیب ہے اور وہ سب منکروں سے بڑا منکر ہے۔ (ابن ابی حاتم: 734/3) 5۔ منکر سے مرد کفر، شرک، کبیرہ گناہ اور فواحش ہیں۔ (ایسر النفایر: 197) 6۔ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ جس ایمان کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس میں اللہ تعالیٰ، رسولوں، فرشتوں، کتابوں، آخرت میں اٹھایا جانا اور تقدیر پر ایمان شامل ہے۔ (ایسر النفایر: 197) 7۔ یہ تمام امتوں سے بہتر اور افضل امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامل کرتے ہیں یعنی ایسا ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرنے کو مستلزم ہے اور دوسروں کو بھی کامل بناتے ہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ (تفسیر سعیدی) سوال 10: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ”تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو“ کی شرط عائد کی گئی ہے اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: 1۔ ایمان کی وجہ سے ہی خیر اور شر میں فرق واضح ہوتا ہے۔ 2۔ ایمان ہی کی وجہ سے معروف اور منکر کی پہچان ہوتی ہے۔ 3۔ صرف ایک صالح گروہ کا ہونا کافی نہیں۔ جب شر پھیل جائے تو معاشرے کے اندر اچھائی برائی کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ ایسے میں خیر و شر کے مضبوط تصور کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تصور ایمان سے جڑا ہوا ہے۔ 4۔ قوتِ ایمانی کی وجہ سے اس راہ کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہا جاسکتا ہے۔ 5۔ ایمان اس لیے بھی ضروری ہے کہ خواہشاتِ نفس میں شدت ہوتی ہے اور ان کا مقابلہ ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔ 6۔ ایمان کے ساتھ خواہش پرستی کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوریوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ 7۔ جب ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں تو مومن کا زاہد راہ ایمان ہوتا ہے۔ 8۔ جب سارے سہارے ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ کا سہارا انسان کو قوت دیتا ہے۔

سوال 11: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں احادیث لکھیں؟

جواب: 1۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: جو شخص تم میں سے کسی برائی کو (ہوتے) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل (روک) دے۔ اگر (ہاتھ سے روکنے کی) طاقت نہیں ہے تو زبان سے (اس کی برائی کو واضح کرے۔) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم: 177)

2۔ سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے اتم ضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور برائی سے روکو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔ (ترمذی: 2169)

3۔ ابولہب کی بیٹی سیدنا درہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ اس وقت منبر پر تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔ (مسند احمد)

4۔ سیدنا ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(دین میں) سب سے پہلی کوتاہی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ آدمی دوسرے آدمی سے ملتا اور اس سے کہتا: اے شخص! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کام تو کرتا ہے اسے چھوڑ دے اس لیے کہ وہ تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ پھر جب کل کو (دوبارہ) اس سے ملتا جب کہ وہ اسی حال پر ہوتا تو اس کا یہ (گناہ پر اصرار) اسے اس کا ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہم مجلس بننے سے نہ روکتا (جبکہ گناہ پر اصرار کا تقاضا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور ہم نشینی سے گریز کرتا) پس جب انہوں نے ایسا کیا (یعنی یہ کوتاہی عام ہو گئی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا۔“ پھر نبی ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: بنی اسرائیل کے کافروں پر سیدنا داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی زبانی لعنت کی گئی۔ یہ اس سبب سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جس کا ارتکاب وہ کرتے، یقیناً برا ہے جو وہ کرتے تھے۔ تو ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھے گا کہ یہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں البتہ برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجا۔“ فاستقون تک پھر فرمایا: ”ہرگز نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو اور ضرور ظالم کے ہاتھ کو پکڑو اور ان کو زبردستی (خوب کوشش کر کے) حق کی طرف موڑو اور ان کو حق پر مجبور کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا۔ پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر لعنت کی۔“ (سنن ابی داؤد: 4336) 5۔ سیدنا ابن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس کے اس کی امت میں سے حواری اور (مخلص) ساتھی ہوتے جو اس کی سنت پر عمل اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جو وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ پس جو شخص ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو شخص ان سے دل سے جہاد کرے

گا وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا (درجہ) نہیں۔“ (صحیح مسلم: 179) 6۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو!“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لیے ان مجلسوں کے بغیر چارہ نہیں۔ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم نے وہاں ضرور بیٹھنا ہی ہے تو تم راستے کو اس کا حق دو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نگاہوں کو پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹانا (یا خود تکلیف پہنچانے سے باز رہنا) سلام کا جواب دینا، نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔“ (صحیح بخاری: 2465)

سوال 12: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

جواب: 1۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ علماء کی ذمہ داری ہے کیونکہ وہ معروف و منکر کا شرعی علم رکھتے ہیں۔ 2۔ اس کی ذمہ داری سے کوئی شخص عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے اپنے دائرے میں وہ نیکی کو رواج دینے اور برائی کے خاتمے کے لئے کوشش نہ کرے 3۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں“ (البقرہ: 71) 4۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (بخاری: 3461) ”مجھ سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔“ اس لحاظ سے ہر شخص بھی ذمہ دار ہے اگرچہ علماء کا فریضہ بڑا ہے۔

سوال 13: وَلَوْ أَصْنَأْهُلُ الْكِتَابِ لَكَانَ حَيْرًا لَّنَّهُمْ ”اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا“ یعنی:

1۔ انہیں دنیا میں تفرقے بازی سے نجات مل جاتی۔ 2۔ ان کا عقیدہ درست ہو جاتا۔ 3۔ ان کا اجتماعی نظام درست ہو جاتا۔ 4۔ آخرت میں بھی یہ ایمان ان کے حق میں مفید ثابت ہوتا اور وہ رُے انجام سے بچ جاتے۔

سوال 14: وَهَيْبَةُ الْمُؤْمِنُونَ ”ان میں سے کچھ مومن ہیں“ اہل کتاب کے ایمان والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: اس سے مراد مومن ہیں جو اپنے عقائد اور اعمال میں مخلص ہیں جیسے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یہودیوں میں سے، نجاشی اور اس کے قبیلے کے لوگ عیسائیوں میں سے ہیں۔ (تفسیر المرائی: 26/2)

سوال 15: وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ” اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔“ اس آیت میں اہل کتاب کو فاسق کیوں قرار دیا گیا ہے؟
جواب: ”اور ان کے اکثر نافرمان ہیں“ 1۔ سعید بن جبیر نے کہا فاسقون سے مراد کافر، عاصی ہیں۔ (ابن ابی عاتم: 734/3)
2۔ اہل کتاب کو فاسق قرار دینے کا سبب نیکی کا حکم دینے سے رُکنا اور رُرائی سے روکنے سے بچنا ہے۔ یہ دو کام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے باہر لے جاتے ہیں اس لئے اہل کتاب کو فاسق قرار دیا گیا ہے۔

لَنْ يَصْرُوْكُمْ اِلَّا اَذٰى طُوٰرًا يُقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمْ الْاَدْبٰرًا ثُمَّ لَا يُنصِرُوْنَ (111)

وہ تمہیں معمولی تکلیف کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم سے پٹھیں پھیر جائیں گے، پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے۔ (111)

سوال 1: لَنْ يَصْرُوْكُمْ ” وہ تمہیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد شکست ہے کہ میدان جنگ میں یہودی اور عیسائی تمہیں شکست نہیں دے سکیں گے اور تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا۔
1۔ مدینہ سے یہودیوں کو نکلنا پڑا۔ 2۔ خیبر فتح ہو گیا۔ 3۔ شام کے علاقوں میں عیسائیوں نے شکست کھائی۔ 4۔ صلیبی جنگوں میں اگرچہ عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا مگر 90 سال کے بعد صلاح الدین ایوبی نے یہ علاقہ فتح کر لیا۔ 5۔ مسلمان اب انتہائی ذلت اور مغلوبیت کے دور سے گزر رہے ہیں لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عیسائیت کا خاتمہ یقینی ہے اور اسلام ضرور غالب آئے گا۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (ابن کثیر) 6۔ یہاں اذی سے مراد زبانی بہتان تراشی ہے جس سے دل کو تکلیف پہنچتی ہے مگر یہ تکلیف وقتی ہوتی ہے۔ 7۔ قنادہ نے کہا کہ تم ان سے اذیت والی باتیں سنو گے۔ (تفسیر جامع البیان: 50/4) 8۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے حفاظتی نظام کو activate کیا ہے۔ جو لوگ بھی اس کام کے لیے اُٹھیں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ ان کے مخالف معمولی تکلیفوں کے سوا انہیں کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ 9۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت کی تشکیل پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اس دعوت کو زمین سے ختم نہیں کر سکتے۔ 10۔ عارضی دکھ اور اذیتیں دے سکتے ہیں جن کے اثرات وقت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال 2: وَإِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمْ الْاَدْبٰرًا ” اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو تم سے پٹھیں پھیر جائیں گے“ پشت پھیر کر

بھاگنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: پشت پھیر کر بھاگنے سے مراد شکست کھانا ہے۔

سوال 3: ﴿لَمْ يَلْمِ وَلَا يَتَّخِذُونَ﴾ پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے، رب العزت نے فرمایا کہ یہودی مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھائیں گے ان کی مدد نہیں کی جائے گی اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ”پھر وہ نہیں مدد کیے جائیں گے“ 1۔ ان کی قسمت میں مسلمانوں کے خلاف کوئی مدد نہیں ہے کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت کی مار پڑی ہے اور ان کا برا انجام لکھ دیا گیا۔ 2۔ قرآن حکیم علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ کفر ہمیشہ مغلوب رہے گا اور ایمان کی ہمیشہ فتح ہوگی۔ اس لئے حق و باطل کی آمیزش میں حق کا پلہ قطعی بھاری رہتا ہے اور باطل کے پاؤں نہیں ہوتے مگر یہ اس وقت ہے جب مقابلہ صحیح مومن اور کافر کے درمیان ہو۔ (تفسیر سراج البیان: 1/151)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا شِئْتُمْ ۖ أَلَّا يَحْبِلَ مِنَ اللَّهِ ذَلِيلٌ ۚ وَاللَّيْسُ مِنَ النَّاسِ وَبَاءَ وَعُوبُ يَعْصِبُ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ۚ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (112)

یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ذلت ان پر مسلط کر دی گئی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد و سہ گزر جاتے تھے۔ (112)

سوال 1: ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا شِئْتُمْ ۖ﴾ ذلت ان پر مسلط کر دی گئی یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں، یہودیوں پر ذلت اور مسکنت کیوں مسلط کی گئی؟

جواب: ”ذلت ان پر مسلط کر دی گئی یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں“ 1۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ذلت اور مسکنت مسلط کی گئی۔ اس کے چار اسباب قرآن حکیم میں بتائے گئے ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر۔ 2۔ انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل۔ 3۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ 4۔ زیادتی۔ 5۔ ان پر ذلت

اور رسوائی لازم کر دی گئی ہے ہر درو میں، ہر مقام میں جہاں کہیں وہ پائیں جائیں گے۔ 6۔ یہودیوں پر ایسی ذلت ڈال دی گئی ہے جو ان کے گلے کا طوق بن گئی ہے اب یہ ان سے چپٹی رہے گی یہ ایمان والے نہیں

سوال 2: اِنَّ الَّذِي يَنْهَىٰ عَنِ اللّٰهِ وَيَحْتَبِئِ التّٰسِ ”سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوں اور لوگوں کی پناہ میں ہوں“ 1۔ قناد نے کہا سوائے اللہ تعالیٰ کے عہد کے یا لوگوں کے معاہدوں کے۔ 2۔ مسلمان انہیں امن دے دیں یا صلح کا معاہدہ ہو جائے یا پناہ دے دی جائے۔ 3۔ حبل سے مراد عہد اور ذمہ ہے۔

سوال 3: لوگوں کی پناہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب: 1۔ لوگوں کی پناہ سے مراد ہے کہ یہ اسلامی حکومت کی بجائے عام مسلمانوں کی پناہ لے لیں۔ وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں ہیں: i۔ اسلامی حکومت میں ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ ii۔ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے۔

2۔ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پناہ لے لیں جیسا کہ اسرائیل بڑی طاقتوں، امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کی وجہ سے قائم ہے۔
سوال 4: آج تکست اور ذلت و خواری مسلمانوں کا مقدر کیوں بن چکی ہے؟

جواب: آج مسلمانوں میں ایسے اسباب پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے ذلت و خواری مقدر ہو جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حد سے نکل جانا مسلمانوں کی بگڑی ہوئی نسل میں پایا جاتا ہے:

1۔ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے۔ 2۔ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانیاں کی ہیں۔ 3۔ مسلمانوں نے صراطِ مستقیم چھوڑ کر ظلم کا راستہ اپنایا ہے۔

سوال 5: کسی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلبے کی ضمانت کیا ہے؟

جواب: کسی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلبے کی ضمانت دین کی سچی نمائندگی ہے۔

سوال 6: دنیا میں کسی قوم کے مغلوب ہو جانے کا سبب کیا ہوتا ہے؟

جواب: دنیا میں کسی قوم کے مغلوب ہو جانے کا سبب دین کی سچی نمائندگی سے ہٹ جانا ہے۔

سوال 7: کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے دین کی نمائندگی سے ہٹ کر اگر کوئی اختیار پالیتی ہے یا اسے اقتدار مل جاتا ہے تو یہ کس اصول

الہی کے مطابق ہے؟

جواب: 1- ایسی قوم کبھی ذاتی غلبہ حاصل نہیں کر سکتی۔ 2- ایسی قوم کو جو اختیار ملے گا وہ کسی اور کے بل بوتے پر ہوگا۔ 3- یا تو کسی خدائی حکومت کی طرف سے امان ملے گی۔ 4- یا کوئی غیر حکومت انہیں اپنی حمایت اور سرپرستی میں لے لے گی۔

سوال 8: وَيَا عَدُوِّ بَعْضٍ مِنْ اللَّهِ ”اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے اس کی ناراضگی ان پر واجب ہو گئی۔ (تفسیر مراغی: 271/2) 2- انہوں نے اپنے بڑے کرتوتوں سے اپنے اوپر ذلت و خواری اور اللہ تعالیٰ کا قہر واجب کر لیا اور اس کا سبب ان کا تکبر اور حسد ہے۔

سوال 9: وَيَا عَدُوِّ بَعْضٍ مِنْ اللَّهِ ”اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے“ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی کیا صورتیں ہیں؟
جواب: ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی صورت تو یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں یعنی اسلام قبول کر لیں۔

سوال 10: يَا قَوْمِ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ”وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے تھے“ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟
جواب: 1- اپنی زندگیوں میں انہیں نافذ نہ کرنا۔ 2- ان کے مطابق اپنی عدالتوں میں فیصلے نہ کرنا۔

سوال 11: وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ”ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی“ 1- محتاجی نے انہیں گھیر لیا ہے۔ وہ غیروں کے تابع رہتے ہیں وہ مال میں سے جو کچھ ان پر عائد کر دیں یہ ادا کرتے ہیں اور رہے ہیں۔ (تفسیر مراغی: 271/2) 2- ابو العالیہ کا قول ہے کہ مسکنت فاقہ ہے۔ 3- ضحاک نے کہا مسکنت جز یہ ہے۔ (ابن ابی عاتم: 736/3)

سوال 12: وَيَقْتُلُونَ الْاَكْيَابَ بَعْضِهِمْ حَقٌّ ”اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور وہ پیغمبروں کو کسی حق کے بغیر قتل کرتے تھے“ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو بیویوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: 455/1)

سوال 13: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاكٰنُوْا يٰعْتٰدُوْنَ ”یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے“ امام رازی نے لکھا ہے: جو شخص

ترک آداب کرے گا اس سے ترک سنن کا ارتکاب ہوگا اور ترک سنن کا نتیجہ ترک فرائض کی صورت میں ظاہر ہوگا اور ترک فرائض سے شریعت کی اہانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اہانت شریعت سے انسان کفر کے گڑھے میں گر جاتا ہے (کبیر) (تفسیر اشرف الحواشی: 78/1)

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَّبِعُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَ الْكَلِيلُ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (113)

وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے، جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ (113)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس وقت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، ثعلبہ بن سعید رضی اللہ عنہ، اسید بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ یہودیوں میں سے اور حضرات مشرف باسلام ہو گئے اور انہوں نے سچائی کے ساتھ ایمان قبول کیا اور اسلام میں جوش اور رغبت پیدا کی تو یہود کے علماء اور کافر بولے کہ ہم میں جو برے ہیں وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے ہیں اور جو ہم میں پسندیدہ ہیں انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا اور نہ دوسرے دین کو اختیار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اہل کتاب میں سے یہ سب برابر نہیں۔

(باب العقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی) (تفسیر ابن عباس: 210/1)

سوال 2: لَيْسُوا سَوَاءً ”وہ سب برابر نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”وہ سب برابر نہیں ہیں“ ابن مسعود فرماتے ہیں: اہل کتاب اور امت محمدیہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (مسند احمد - تفسیر ابن کثیر)

سوال 3: مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ ”اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام کرنے والی ہے“ 1- أُمَّةٌ قَائِمَةٌ قَادَةٌ کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر اور اس کے فرائض اور اس کی حدود پر قائم ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 56/4) 2- ابن عباس کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں۔ وہ اس کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے اور نہ اسے چھوڑتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے ضائع کر دیا۔ (ابن ابی حاتم: 738/3) 3- اس سے مراد ایسا گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور نبی ﷺ کی پیروی پر قائم

رہنے والا ہے۔

سوال 4: يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَتَاءَ اللَّيْلِ ”جورات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”جورات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں“ وہ رات کی گھڑیوں میں عشاء اور قیام الیل میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ (امیر التفسیر: 198)

سوال 5: يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَتَاءَ اللَّيْلِ ”جورات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں“ رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے کے مؤمن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
جواب: ”جورات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں“ رات کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے سے 1۔ مؤمن کا دل پگھلتا ہے۔ 2۔ مؤمن رب کے قریب ہوتا ہے۔ 3۔ مؤمن رب کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

سوال 6: وَهُمْ يَسْجُدُونَ ”اور وہ سجدے کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اور وہ سجدے کرتے ہیں“ 1۔ سجدہ ارکان صلوٰۃ میں سے خشوع خضوع کے کمال کے لیے خاص ہے۔ (تیسیر المرآئ: 2/30)
2۔ سجدے انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اس کے مزاج میں تواضع پیدا کرتے ہیں۔ 3۔ یہ سجدہ کرنے پر ان کی تعریف ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع کا عظیم مظہر ہیں۔ (امیر التفسیر: 198)

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (114)

وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔ (114)

سوال 1: يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ”وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”وہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں“ سعید بن جبیر کا قول ہے: يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق ہے۔ 2۔ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وہ غیب کی تصدیق کرتے ہیں جس میں اعمال کی جزا ہے۔ (القرآن العظیم: ابن ابی حاتم: 3/739)

سوال 2: اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کی وجہ سے انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے؟
جواب: 1- انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ساری ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے۔ 2- انسان ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ 3- انسان بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

سوال 3: ”يَا مُؤْمِنُونَ بِاللَّعْنَةِ وَالنَّارِ وَالسَّعِيرِ الَّذِينَ هُمْ فِيهَا يَدُومُونَ“ اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں“ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں اور محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو انکے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا ہے (تفسیر جامع البیان: 59\4)

سوال 4: ”وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ“ اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں“ بھلائیوں یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں دوڑ دوڑ کر کون حصہ لیتا ہے؟

جواب: ”اور خیر کے کاموں میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں“ 1 بھلائیوں میں دوڑ دوڑ کر حصہ وہ لیتا ہے جس کے لیے زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو جائے۔ 2- یہ ان کی عالی ہمتی ہے کہ نیکی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب بھی ہو سکے فوراً نیکی کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکی کی شدید رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور اس کے فوائد و ثمرات سے خوب واقف ہیں۔ (تفسیر سجدی) 3- نیک کاموں میں اُڑ کر وہ پہنچتے ہیں جو اپنی زندگی، صحت، مال، فرصت اور جوانی کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں۔

سوال 5: ”وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ“ اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں“ صالحین میں کون لوگ شامل ہیں؟
جواب: صالحین میں وہ لوگ شامل ہیں جن میں ایمان اور تقویٰ والی خوبیاں موجود ہیں۔

سوال 6: ایمان اور تقویٰ والی خوبیاں کون سی ہیں؟

جواب: 1- راتوں کی گھڑیوں میں کلام اللہ کی تلاوت کرنا۔

2- راتوں کو سجدے کرنا۔ 3- نیکی کا حکم دینا۔ 4- برائی سے روکنا۔ 5- بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا۔

سوال 7: یہودیوں میں اچھے لوگ کون تھے؟

جواب: عبد اللہ بن سلام، اسد بن عبدیہ، ثعلبہ بن سعیدہ اور اسید بن سعیدہ بنی النبیہم وغیرہ۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (115)

اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (115)

سوال 1: ”وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا“ اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور بھلائی میں سے جو بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی“ 1- قنادہ نے کہا کہ تم سے ہرگز گم نہیں ہوں گے۔ (تفسیر جامع البیان: 60/4) 2- بھلائی کے کام کرتے ہوئے شیطان انسان کے ذہن میں وسوسے ڈالتا ہے کہ یہ کام قبول نہیں ہوگا۔ جب انسان یہ تسلیم کر لیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ایسے بے مقصد کرنے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہن سازی کی ہے کہ وہ قدر دان ہے، بھلائیوں کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال 2: ”وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ“ اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے“ سے کس طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے“ 1- اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون اسکے تقویٰ کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ان پر ثبات اختیار کرتا ہے (تفسیر جامع البیان: 60/4) 2- نیک کاموں کی بنیاد تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف پر ہے۔ آپ اگر بھلائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ دل کے خوف کو جانتا ہے یعنی کس نے کس نیت سے کام کیا اس سے ڈھکا چھپا نہیں۔ 3- اللہ تعالیٰ کی جانب سے بشارت ہے کیونکہ تقویٰ خیر اور حسن عمل کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہی کامیاب ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ (تفسیر البیضاوی: 81/2)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُعْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (116)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (116)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور دیگر کئی محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید، اسد بن عبید اور کچھ دوسرے یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا تو علمائے یہود کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) پر برے لوگ ایمان لائے ہیں، اگر وہ اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑتے اور ان مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگوں نے اپنا دین بدل کر خسارہ اٹھایا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا، ان اہل کتاب کی مانند نہیں ہیں جو اپنے کفر پر قائم رہے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 2: إِنَّ الَّذِينَ يَبْغِي كُفْرًا يُقِينُوا جَن لُّوْغُوْنَ لَمْ يَكْفُرُوا كَيْفًا، یہاں کفر کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ”يُقِينُوا جَن لُّوْغُوْنَ لَمْ يَكْفُرُوا كَيْفًا“ 1۔ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد اہل کتاب اور مشرکین مکہ ہیں جو نبی ﷺ اور ان کی اتباع کرنے والوں کو فقیری کی عار دلایا کرتے تھے اور کہتے تھے اگر محمد ﷺ حق پر ہے تو اس کا رب اسے اتنی شدت کی فقیری کی حالت میں نہ رکھتا اور وہ اپنے کثرت اموال و اولاد پر فخر کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: تَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَوَمَنْ حُنَّ يُعَدُّ بَيْنَهُمْ مَالٌ أَوْ أَوْلَادٌ زِيَادَةٌ هُمْ هَرَّكَزْ عَذَابٍ دِيءٌ لَمْ يَكْفُرُوا كَيْفًا (تیسیر مرآئ: 33/2)

2۔ کفر کرنے والوں سے مراد عام طور پر وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کو قبول نہیں کرتے یعنی ایمان نہیں لاتے۔ 3۔ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد ایمان والے کاموں کے مقابلے میں ان کاموں کا انکار کرنے والے ہیں یعنی: i۔ امر بالمعروف و النہی عن المنکر کرنے والے۔ ii۔ نبی عن المنکر کا انکار کرنے والے۔ iii۔ بھلائی اور نیکی کے کاموں کا انکار کرنے والے۔

سوال 3: انسان کفر کا رویہ کیوں اختیار کرتا ہے؟

جواب: 1۔ مال اور اولاد کی محبت انسان کو سچے اور قربانی والے دین سے روک لیتی ہے۔ 2۔ انسان چند نمائشی قسم کے اعمال کا مظاہرہ کر کے سمجھتا ہے کہ وہ سچے دین پر قائم ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جاننے کی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ 3۔ ایسے شخص کو جب دعوت دی جاتی ہے تو وہ انکار کر دیتا ہے۔ 4۔ انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر آ کر میری دنیا چھن جائے گی اس لیے وہ دین قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

سوال 4: کفر کا رویہ اختیار کرنے والوں کو کیا تنبیہ کی گئی ہے؟

جواب: 1۔ مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بلکہ کام نہیں آئیں گے۔ 2۔ دنیا میں جو مال خرچ کر کے اپنے آپ کو نیک سمجھتے

رہے وہ ضائع جائے گا۔

سوال 5: لَنْ تُعْبَىٰ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ” ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے“ کافروں کے اعمال ان کے کام کیوں نہیں آئیں گے؟

جواب: ”ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے“ کافروں کے اعمال اس لئے ان کے کام نہیں آئیں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ آخرت کی جزا و سزا کا شعور نہیں رکھتے۔ ایمان کے بغیر کسی قسم کے کاموں کا کوئی صلہ نہیں ملے گا خواہ دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے۔ جیسے رفاہی کاموں پر کئے جانے والے خرچ سے شہرت ملتی ہے لیکن عملاً ان کا کوئی صلہ نہ ملے گا بلکہ جہنم کا دائمی عذاب ہوگا جو کافروں کا مقدر رہے۔

سوال 6: وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ” اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور یہی لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“ 1۔ کافر اور مشرک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ 2۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جہنم کی آگ سے کبھی نکل نہیں پائیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی روجوں پر ظلم کیا، اپنے عقائد خراب کیے اور اپنے اعمال کو بگاڑ لیا وہ ہمیشہ کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ (تفسیر مراغی: 2/33)

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ (117)

اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ (117)

سوال 1: مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۗ ” اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا“ دنیا کی زندگی کی مثال کو واضح کریں؟

جواب: ”اس کی مثال جو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا“ 1۔ دنیا میں کافر کے خرچ کی مثال ہے۔ (تفسیر الدر المنثور: 2/117) 2۔ دنیا کی زندگی میں کافروں کے اچھے مقاصد کے لیے خرچ کی مثال ایک ایسے کھیت کی طرح ہے جو ہرا بھرا ہے کٹائی کے لیے تیار ہے لیکن اچانک برفانی ہوا چلتی ہے اور کھیت کو برباد کر دیتی ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ ماننے والوں کا اچھا مقاصد پر کیا گیا خرچ برباد ہونے والا ہے۔ 3۔ اس آیت میں کافر کے صدقہ و خیرات اور وفاہی کاموں کو آخرت میں بے فائدہ اور ضائع ہونے کے اعتبار سے ظاہر کی اس کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر اشرف الحواشی: 78/1)

سوال 2: كَسْبُ رِيحٍ فِيهَا جُذْرٌ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلِكْنَاهُ ”اس ہوا کی مثال کی طرح ہے جس میں شدید سردی ہو، جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا“ کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال کیا سمجھانے کے لئے دی گئی ہے؟

جواب: 1۔ کفر کرنے یعنی انکار کرنے والوں کے خرچ کی مثال یہ سمجھانے کے لئے دی گئی ہے کہ ان کی سرگرمیاں اہل ایمان کے مقابلے میں مختلف ہوتی ہیں۔

2۔ کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ ایمانی کاموں کا انکار کرنے والے اپنے مال بظاہر بھلائی کے اور رفاہی کاموں پر خرچ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خرچ کام آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ہر طرح کا خرچ کرنا بے کار جائے گا چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو، آخرت میں اس کا بدلہ نہیں ملے گا۔ بدلے میں جہنم کی آگ ہی ملے گی۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرنے والوں کے مال کیسے اِکارت چلے جاتے ہیں؟

جواب: کافروں کے اعمال اس لئے ان کے کام نہیں آئیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ آخرت کی جزا و سزا کا شعور نہیں رکھتے۔ ایمان کے بغیر کسی قسم کے کاموں کا کوئی صلہ نہیں ملے گا خواہ دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے جیسے رفاہی کاموں پر کئے جانے والے خرچ سے شہرت ملتی ہے لیکن عملاً ان کا کوئی صلہ نہ ملے گا بلکہ جہنم کا دائمی عذاب ہوگا جو کافروں کا مقدر ہے۔ کافروں کے دنیاوی خرچ کا ثواب دنیا میں ہی مٹا دیا جاتا ہے جیسے فصل کو مالک کی بدبختی اور گناہ جلا ڈالتے ہیں اسی طرح کافروں کے عمل بے بنیاد ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 251/1)

1۔ وہ گمراہی اور نادانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کی حفاظت سے منہ موڑتے ہیں تو ان کے اعمال ضائع

ہو جاتے ہیں۔ 3۔ کوئی خرچ خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو جب تک ایمانی خواہش کی بنیاد پر نہ ہو، قبول نہیں کیا جاتا بلکہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔

سوال 4: انسان کا خرچ کیا ہو مال کیسے اس کے کام آسکتا ہے؟

جواب: انسان کا خرچ کیا ہو مال تب اس کے کام آسکتا ہے جب وہ: 1۔ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے خرچ کرے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرے۔ 3۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت، اُن کے طریقے کے مطابق خرچ کرے یعنی ہر طرح کی بھلائی کے کاموں میں، رفاہی کاموں میں بھی اور اُحیائے دین کے کاموں میں بھی خرچ کرے۔

سوال 5: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ” اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں“ وضاحت کریں؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں“ 1۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں جیسے شرک اور نافرمانی کے کاموں سے وہ خود کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ 2۔ جب لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر خرچ کرتے ہیں تو اُن کا خرچ کیا ہو اُن کے اپنے کام بھی نہیں آتا۔ چونکہ بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنا ایسا عمل ہے جس پر اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر اجر عطا کرتے ہیں جبکہ کافروں کا خرچ رایگاں جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اپنے اعمال کو ضائع کر کے تم خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم پر ظلم نہیں ہے۔ 3۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن پر کسی بھی نیکی کے سلسلے میں کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ دنیا میں بھی اسے اس نیکی کا بدلہ دیا جائے گا اور آخرت میں بھی اسے اس نیکی کا بدلہ دیا جائے گا۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کی ہوں گی اس کا بدلہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔“ (مسلم: 7089) 4۔ امام سعدی کہتے ہیں کہ کافر مال خرچ کر کے اللہ کے نور کو بھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں تو یہ کوششیں ناکام رہیں گی جیسے کوئی شخص فصل بوئے، اسے اس کا نتیجہ ملنے اور اس سے پیداوار حاصل ہونے کی امید ہو، اچانک کھیتی پر ایک ٹھنڈی ہوا چلے جس سے کھیتی تباہ ہو جائے۔ کافروں کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيُبْسِلُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَسَيَبْقَوْنَ فِيهَا كَمَصَّةٍ تَحْتِ لِسَانِهِمْ لَا يَنْقُرُونَ بِهَا شَيْئًا وَتَتَّبِعُونَهَا كَلَاهِجٍ مُّسْتَمِرِّينَ ﴿۱۰۰﴾

کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ چنانچہ ابھی وہ اور خرچ کرتے رہیں گے۔ پھر وہ ان پر حسرت بن جائے گا پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے۔ (الانفال: 36)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً قَوْمًا وَلَا بَنِيكُمْ حِبَالًا ۗ وَذُؤَامًا عَن تَمِيمٍ ۗ قَدْ بَدَأَتِ الْبَعْضَ آخِرُ مَن آفُوا هِيَمٌ ۗ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (118)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے، وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے، ان کا بغض ان کے مومنوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے۔ یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو۔ (118)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر اور ابن اسحاق نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جاہلیت کی دوستی کی بنا پر مسلمانوں میں سے کچھ حضرات یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ فرمایا اور فتنہ کی بنا پر ان سے تعلقات رکھنے کی ممانعت فرمادی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ اپنے علاوہ کسی کو صاحب خصوصیت نہ بناؤ۔ (باب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال 2: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً قَوْمًا وَلَا بَنِيكُمْ ” اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ“ بَطَانَةٌ کسے کہتے ہیں؟

جواب: 1- بَطَانَةٌ دلی دوست اور رازدار کو کہتے ہیں۔ 2- یعنی بَطَانَةُ الرَّجُلِ کسی شخص کے ولی اور رازدار دوست اور اس کے معاملات میں دخل کو کہا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے معاملات میں مشورہ لے، (تفسیر معارف القرآن: 2/157)

سوال 3: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً ” اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ” اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ“ مسلمانوں کو اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بنانے سے روکا گیا تو انہیں اے ایمان والو کہہ کر پکارا گیا۔ اس سے مراد ہے کہ اے لوگو! جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر ایمان رکھتے ہو اور اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر ایمان رکھتے ہو۔

سوال 4: کافروں اور مشرکوں کے ساتھ دلی دوستی رکھنے کو کیوں ناجائز قرار دیا گیا ہے؟

جواب: کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں دل میں جو دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں کی ان سے دوستی کو ناجائز قرار دیا گیا۔

1- یہ مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں کینہ رکھتے ہیں۔ 2- یہ مسلمانوں کے خلاف رات دن سازشیں کرتے ہیں۔ 3- جس چیز سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے وہ ان کو محبوب ہوتی ہے۔ 4- مسلمانوں کا بھلا ہوتا ہے تو انہیں برا لگتا ہے۔ 5- ان کے پوشیدہ جذبات میں ہر وقت اُبال آتا رہتا ہے۔

سوال 5: مسلمانوں کو دشمنوں کی دوستی سے روکا گیا تو دراصل کن کاموں سے روکا گیا؟

جواب: 1- ان پر اعتماد نہ کریں۔ 2- انہیں راز دان نہ بنائیں۔ 3- ان سے مشورہ نہ لیں۔ 4- آیت کا مقصد عام معاشی و مجلسی تعلقات سے روکنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کفر پر کئی اعتماد نہ کیا جائے اور کبھی غیر مسلموں کو اپنا سچا خیر خواہ نہ سمجھا جائے۔ (تفسیر سراج البیان: 153/1) 5- بخاری وغیرہ میں حدیث ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کے لئے دو بطنہ مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دلانے والا اور دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے (تفسیر ابن کثیر: 457/1) 6- سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو انہوں نے آ کر حسن بصری سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دار اپنے سوا دوسروں کو ہمزاد نہ بناؤ۔ (ابولیبی) (تفسیر ابن کثیر: 457/1) 7- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ غیر مسلموں کو مسلم ممالک کے آفسوں میں ایسی ذمہ داریاں نہیں دینی چاہئیں جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کے راز حاصل کریں اور دشمنوں کو ان کی اطلاع دیں۔ مفسر الکلیتاء الہرّ اسی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر کسی ذمی (غیر مسلم جو مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہے) سے مسلمانوں کے کسی معاملے میں مدد لینا جائز نہیں۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 6: يَا لَئِن لَّمْ يَهِتَابُوا أَنَّهُم بِمَشْرِئِهِمْ مُعْتَبَرُونَ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”وہ تمہیں کسی طرح برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے“ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں دل میں جو دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں کی ان سے دوستی کو ناجائز قرار دیا گیا۔ (قرآن عجباً)

سوال 7: وَذُوَ اَمَّا عَيْنُكُمْ ” وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”وہ پسند کرتے ہیں ایسی چیز کو جو تمہیں مصیبت میں ڈال دے“ وہ تمہارے دین میں شدید نقصان کی تمار کھتے ہیں۔
(تفسیر المرائی: 37/2)

سوال 8: کیا اسلامی حکومت میں کافروں اور مشرکوں کو کلیدی مناصب پر فائز کیا جاسکتا ہے؟
جواب: اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک بار کہا گیا کہ حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظے والا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر مومن کو بظاہر نہ بنا لوں گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال 9: قَدْ بَدَتِ الْبَعْضَاءُ مِنْهُنَّ اَقْوَاهِمُ ” ان کا بغض اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”ان کا بغض اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے“ اور آپ کے نبی کی تکذیب اور کتاب اللہ کی تکذیب ظاہر ہو چکی۔
(تفسیر المرائی: 37/2)

سوال 10: وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ ” اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں زیادہ بڑا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ریح نے کہا: جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے اس سے جو ان کی زبانیں کہتی ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 67/4)
سوال 11: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ” یقیناً ہم نے تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکامات و نواہی اور اس کی نصیحتوں کو سمجھتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے واضح دلائل دیے ہیں جس سے تم اپنے دشمن کو پہچان کر اس کی دوستی سے بچ سکتے ہو۔

سوال 12: انسان کے عقل سے کام لینے کا ثبوت کیا ہے؟

جواب: عقل سے کام لینے والا انسان غیروں پر بھروسہ نہیں کرتا۔

هَآءِئْتُمْ اَوْ لَآءِ تَجِبُوْهُمْ وَاَلَا يُجِبُوْنَكُمْ وَتُوْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِ ؕ وَاِذْ لَقَوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا ؕ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلٰىكُمْ
الْاَنَامِلَ مِنَ الْعِظٰطِ ؕ قُلْ مُؤْمِنُوْا بِعَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ (119)

دیکھو! تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے اُنگلیاں چباتے ہیں، آپ کہہ دیں اپنے غصے ہی سے تم مر جاؤ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (119)

سوال 1: لَهَا تَنْتُمْ وَلَا تَشْبُوهُمْ ” دیکھو! تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”دیکھو! تم لوگ ہی ان سے محبت کرتے ہو“ 1- تم ان کے لیے اسلام چاہتے ہو اور وہ بہترین چیز ہے اور وہ سب تمہارے لیے کفر چاہتے ہیں اور وہ ہلاکت ہے۔ (تفسیر الوسيط: 483/1) 2- ابن جرین نے کہا: مومن منافق کے لیے بہتر ہے بہ نسبت منافق کے جو مومن کے لیے بہتر نہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 68/4)

سوال 2: کسی کے لئے دل میں محبت کا ہونا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: انسانوں کے لیے دل میں محبت کا ہونا ثابت کرتا ہے کہ 1- انسان حق پرست ہے۔ 2- انسان اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں پالینے والا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سزا پارحم ہے تو اس کے بندے کا دل بھی مخلوق کے لئے کھلا ہوتا ہے۔

سوال 3: مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے کھل جاتا ہے اس کے رویے میں کیا تبدیلی آ جاتی ہے؟

جواب: مومن کے لئے تمام انسان یکساں ہیں وہ ہر ایک کے لئے وہی کچھ چاہنے لگتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

سوال 4: وَلَا يُحِبُّوكُمْ ” اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے“ جو لوگ دوسروں سے محبت نہیں رکھتے ان کا یہ مزاج کیسے بنتا ہے؟

جواب: 1- جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑے ہوئے نہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنوں میں نہیں پاتے۔ 2- اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی کی وجہ سے ایسے لوگ ذات کی سطح پر جیتے ہیں۔ 3- ایسے لوگوں کی زندگی کا سرمایہ اپنے فائدے اور اپنے گروہی تعصبات ہوتے ہیں۔

سوال 5: وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ” حالانکہ تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- بِالْكِتَابِ كُلِّهِ سے مراد ساری کتابیں ہیں۔ (ایسر التفاسیر: 200) 2- تم ساری آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسلیم کرتے ہو۔

سوال 6: جو لوگ گروہی تعصبات میں مبتلا ہوتے ہیں ان کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟

جواب: 1- گروہی تعصبات رکھنے والے اپنے مفاد کے خلاف نظر آنے والے ہر شخص کے دشمن بن جاتے ہیں۔ 2- گروہی تعصبات رکھنے والے اپنے گروہ کے علاوہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ 3- گروہی تعصبات رکھنے والے دوسرے افراد سے ملاقات کے وقت اگر ناہل رہ بھی لیں تو تنہائی میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ 4- گروہی تعصبات رکھنے والے دوسرے گروہ کے افراد پر غصہ کرتے ہیں اور بسا اوقات انتقامی کارروائیاں کرتے ہیں مثال کے طور پر پروپیگنڈا وغیرہ۔ 5- گروہی تعصبات رکھنے والے افراد باقاعدہ دوسرے گروہوں کے خلاف عملی کارروائیاں کرتے ہیں۔

سوال 7: وَإِذْ أَلَقُوا قَوْلَهُمْ قَالُوا آمَنَّا ” اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ” اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں“ قنادہ نے کہا جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو اپنے خون اور مالوں کے ڈر سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ (تفسیر جامع البیان: 69/4)

سوال 8: وَإِذْ أَخَذُوا عَهْدَ عِظْمَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ ” اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ” اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں“ قنادہ نے کہا: جو کچھ وہ اپنے دلوں میں غصہ اور کراہت پاتے ہیں اس کی وجہ سے تم پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں۔

سوال 9: قُلْ مُؤْتُوا عَيْتَكُمْ ” آپ کہہ دیں اپنے غصے ہی سے تم مر جاؤ“ اہل کتاب کو یہ کیوں کہا گیا کہ اپنے غصے میں مر جاؤ؟
جواب: 1- اہل کتاب کے غصے سے انگلیاں چبانے پر انہیں یہ بات کہی گئی تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ دل کے حالات کو جانتا ہے اور یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہے نبوت کے لئے منتخب کرے۔ اس کے فیصلوں پر کسی کا طرز عمل اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ 2- اس میں مومنوں کے لیے خوشخبری ہے کہ یہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ وہ اپنے غصے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہیں۔ وہ مرتے دم تک دنیا کا یہ عذاب سہتے رہیں گے اور مرنے کے بعد دنیا کے دنیا کے عذاب سے آخرت کے عذاب کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ (تفسیر سہدی)

سوال 10: إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ” بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے“ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ” اللہ تعالیٰ سینوں کے راز جانتا ہے“ کے الفاظ سے انسان محتاط ہوتا ہے اور اسے یوں لگتا ہے جیسے چوری پکڑی گئی۔ یہ

احساس سے ایک لمحے کے لیے ایمان کی روشنی میں ضرور لے آتا ہے۔ اگر انسان کے اندر تھوڑی سی حق پرستی بھی ہو تو انسان سینے کے بغض کے بارے میں شرمندہ ہو جاتا ہے اور اس سے نجات پانے کے لیے سوچتا ضرور ہے۔

سوال 11: اللہ تعالیٰ نے اپنے عَلِيٍّ بِذَاتِ الصُّدُورِ ”دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے“ ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے دلوں کے حال سے اپنے عَلِيٍّ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو جب کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ محبت کا معاملہ دل کا ہے جس سے وہی واقف ہو سکتا ہے جو دلوں کے بھید جانتا ہو۔ 2- اللہ تعالیٰ نے کافروں کے غصے اور دل کی جلن سے اپنے عَلِيٍّ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اگرچہ وہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن دلوں کے راز جاننے والے سے دل کی جلن اور غصے کی آگ چھپا نہیں سکتے۔ 3- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھلائی پہنچنے پر کافروں کے دل کی ناخوشی اور مومنوں کو برائی پہنچنے پر کافروں کی خوشی سے اپنے عَلِيٍّ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلایا ہے کہ یقیناً وہ خفیہ باتوں کا علم رکھتا ہے۔

إِنْ تَسْتَسْئَلُوا حَسَنَةً سَأَلْتُمْ سَاءَ مَا يَكْفُرُونَ بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (120)

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (120)

سوال 1: إِنْ تَسْتَسْئَلُوا حَسَنَةً سَأَلْتُمْ سَاءَ مَا يَكْفُرُونَ بِهَا ”اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بُری لگتی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بُری لگتی ہے“ عقائل نے کہا اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے یعنی قتل، شکست اور مصائب (تفسیر الدر المنثور: 119/2)

سوال 2: وَإِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يُفْرَحُوا بِهَا ”اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں“ 1- جب وہ اہل اسلام کو فرتوں میں بٹا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ 2- جب فتح و نصرت مسلمانوں کے قدم چومتی ہے تو منافقوں کے دلوں پر سانپ لوٹے لگتے ہیں

مسلمانوں کی عزت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ (ابن کثیر: 253/1)
سوال 3: کسی کی دشمنی کو اس کے کس طرز عمل سے پہچانا جاسکتا ہے؟

جواب: 1- اس کو دوسرے کی بھلائی بری لگے۔ 2- اس کو دوسرے کا نقصان اور مصیبت خوش کر دے۔

سوال 4: **إِنْ تَسْتَسْخِمُوا حَسَنَةً تَسْؤُهُمْ وَإِنْ تُضِلُّوهُمْ سَبِيلَهُمْ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً** ”اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی“ مصیبت کے مواقع پر ہم اپنے دشمنوں سے خود کو کیسے بچائیں؟ قرآن کیا طریقہ کار بتاتا ہے؟

جواب: ”اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی“ 1- دشمن کی کاروائیوں پر خود کو منفی رد عمل سے بچائیں۔ 2- صبر اور تقویٰ پر قائم رہیں۔

سوال 5: صبر اور تقویٰ سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: 1- صبر سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر حال میں حق کا پابند رکھا جائے۔ 2- تقویٰ یہ ہے کہ فیصلہ کن طاقت صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے۔

سوال 6: **لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً** ”ان کی خفیہ تدبیر تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی“ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی چالوں کے مقابلے میں مومنوں کو صبر اور تقویٰ کا حکم کیوں دیا ہے؟

جواب: 1- کافروں کی چالوں سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہی صبر اور تقویٰ ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید کے حصول کا ذریعہ صبر اور تقویٰ ہے۔ 3- مسلمانوں کو پستی اور زوال سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں یہی صبر کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کیونکہ یہی خوف انسان کو دنیا کی ہر قوت کے خوف سے آزاد کر دیتا ہے۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کے لئے کون سی نفسیاتی رکاوٹ دور کی ہے؟

جواب: انسان جب کسی کے منفی رویے پر صبر کرتا ہے تو اسے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ فریق مخالف کی چالیں اور مضبوط ہو جائیں

گی اور اس طرح اسے اور زیادہ بُرائی کرنے کے مواقع ملیں گے اور صبر کر کے انسان زیادہ کمزوری کا مظاہرہ کرے گا تو دوسروں کو شہمہ ملے گی۔ یہ چیز انسان کے صبر کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نفسیاتی رکاوٹ کو دور کیا ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو ان کی چالیں تمہیں نقصان نہ دیں گی اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے۔

سوال 8: اِنَّ اللّٰهَ بِاٰیٰمَاتِكُمْ مُّحِیْطٌ ” جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا احاطہ کرنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے اعمال کو جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ کس کے دل میں کیا ہے؟ کون کیا بنا رہا ہے؟ کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان گھلا رہا ہے اور کون دین سے نکل رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے دلوں پر اپنے کثرتوں سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے حالات کے علم سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بھلائی سے ناخوش ہونے اور برائی پہنچنے پر خوش ہونے سے اپنے محیط ہونے کا شعور دلایا ہے۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لئے دلایا ہے کہ انسان اپنے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کو محسوس کر کے اس کے آگے جھک جائیں۔ 2- اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لئے دلایا ہے تاکہ لوگ سرکشی سے باز آجائیں۔ 3- اللہ تعالیٰ نے یہ شعور اس لئے بھی دلایا ہے تاکہ لوگ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں، اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں، تقویٰ اختیار کریں اور صبر کریں۔ 4- اللہ تعالیٰ نے اپنے محیط ہونے کا شعور اس لئے دلایا ہے تاکہ مومن اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اسے کافی سمجھیں۔

رکوع نمبر 4

وَ اِذْ عَدُوَّتْ مِنْ اٰهْلِ تَبُوِّ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَبِيْهُمۡ عَلِيْمٌ (121)

اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکل کر مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ سب

کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (121)

سوال 1: وَإِذْ عَدُوَّتُ مِنَ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ”اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکل کر مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے؛“ اس آیت میں کس جنگ کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں؟
جواب: اس آیت میں غزوہٴ اُحد کی تیاریوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ صبح سویرے سیدنا عائشہؓ کے گھر سے اُحد کے لیے نکلے جس جگہ کے لیے مشاورت تھی اور طے ہو گیا تھا کہ جنگ مدینہ سے باہر لڑی جائے گی۔ گھر سے نکل کر یہاں مسلمانوں کی صف بندی کی جا رہی ہے۔ تیر اندازوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ پشت کی جانب پہاڑی پر مورچے سنبھالیں۔ اس منظر میں اہم ترین چیز ہے کہ اللہ تبارکی باتیں سنتا ہے اور نہایت باخبر ہے۔

سوال 2: تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ”مومنوں کو جنگ کے مورچوں پر متعین کر رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- تُبَوِّئُ یعنی تو لشکر کے مقامات پر پڑاؤ تجویز کرتا تھا، مورچے بنانا مراد ہیں۔ (بخاری: کتاب الشیر)

2- سیدنا براہ بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ بیان کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ اُحد کے موقع پر (تیر اندازوں کے) پچاس آدمیوں کا افسر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ آپ نے انہیں تاکید کر دی تھی کہ اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ پرندے ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ پھر بھی اپنی اس جگہ سے مت ہٹنا، جب تک میں تم لوگوں کو کہلا نہ بھیجوں اسی طرح اگر تم یہ دیکھو کہ کفار کو ہم نے شکست دے دی ہے اور انہیں پامال کر دیا ہے پھر بھی اپنی اس جگہ سے مت ہٹنا جب تک میں تم لوگوں کو کہلا نہ بھیجوں۔ اسی طرح اگر تم یہ دیکھو کہ کفار کو ہم نے شکست دے دی ہے اور انہیں پامال کر دیا ہے پھر بھی یہاں سے نہ ہٹنا، جب تک میں تمہیں خود بلا نہ بھیجوں۔ (صحیح بخاری: 3039)

سوال 3: غزوہٴ اُحد کے مختصر حالات بتائیں؟

جواب: غزوہٴ اُحد شوال 3 ہجری میں پیش آیا تھا جس میں مشرکین کی تعداد تین ہزار اور مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ غزوہٴ بدر میں مشرکین مکہ نے شکست کھائی، جوش انتقام انہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس لیے ایک اور جنگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ یہ اُحد کے مقام پر لڑی جائے گی۔ اس جنگ کے لیے ایک ہزار اونٹ اور 50 ہزار دینار کی رقم جمع کی گئی۔ اس جنگ کے لیے دو شعلہ بیان شعراء کی خدمات حاصل کی گئیں جو بدوی قبائل کو بھڑکاتے تھے۔ جنگ میں کافروں کی تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمان مقابلے کے لیے نکلے تو راستے میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گیا۔ اس

واقعے سے کچھ انصاری مسلمانوں کی ہمت پست ہوگئی مگر رسول اللہ ﷺ نے یاد دلایا کہ ہم اپنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکلے ہیں۔ لڑائی کے آغاز میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لیکن ان کی ایک کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دشمن ان پر غالب آگئے۔ اسی دوران یہ افواہ اڑی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے۔ اس خبر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوش و حواس گم کر دیئے بعد میں پتہ چلا کہ نبی ﷺ زندہ ہیں۔ دشمن کے لیے موقع تھا کہ مسلمانوں کو پوری طرح کچل ڈالے مگر اس کی فوج میدان جنگ چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی کہ دشمن فوج نے مدینہ کی بجائے مکہ کا رخ کیا اور جو مغلوب ہوئے یعنی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے دشمن فوج کا پیچھا کیا۔

سوال 4: وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ” اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے سمیع اور علیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی جنگی سرگرمیوں سے اپنے سمیع اور علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ جنگ سے پہلے آپ ﷺ مورچوں پر جس طرح متعین کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کا کہنا اور کرنا دونوں ہی اللہ سمیع و علیم کے نوٹس میں تھا۔
2- ابوسلمہان دمشقی نے کہا: وہ خروج کے بارے میں تمہارے مشوروں کا سننے والا سمیع ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس نیت اور کس کیفیت سے نکل رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون شہادت کی محبت کو چھپائے ہوئے ہے؟

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے تقویٰ کے لئے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور دلایا ہے۔
2- کسی کے سننے اور جاننے کا احساس انسان کو محتاط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان صفات کے توسط سے اپنے تعلق کی گہرائی کا احساس دلایا ہے تاکہ مومن اس تعلق کی گہمی چھاؤں میں اپنے آپ کو مطمئن کر لیں۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَيْنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْتَسِلَاۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَاۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَايْتُوۡا كَلِّ الْمُوْمِنُوْنَ (122)

جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کر چکی تھیں کہ ہمت ہار جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں۔ (122)

سوال 1: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَيْنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْتَسِلَاۗ ” جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کر چکی تھیں کہ ہمت ہار جائیں، غر وہ احد کی

ابتداء میں کون سی دو جماعتوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کر لیا تھا؟

جواب: 1- جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب ہم میں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا۔ سفیان نے بیان کیا کہ ہم دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے۔ حالانکہ کہ اس آیت میں ہمارے بودے پن کا ذکر ہے مگر ہم کو یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نہ اترتی کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ اللہ ان دونوں کو مددگار ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر: 4558)

سوال 2: اَنْ تَفْشَلَا ”یہ کہ ہمت ہار جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”یہ کہ ہمت ہار جائیں“ یعنی کمزور پڑ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں (المیر القاسم: 202)
2- یعنی بزدلی اور کمزوری دکھائیں اور وہ عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی تھے جنہوں نے کمزوری دکھائی۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر مزیر: 387/2)

سوال 3: ان دو قبیلوں نے بزدلی کیوں دکھائی؟

جواب: یہ دونوں قبائل عبد اللہ بن ابی کی دھوکہ دہی سے متاثر ہو گئے کیونکہ وہ اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر الگ ہو گیا تھا۔

سوال 4: وَاللّٰهُ وَاٰلِهٖمۡا اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- وَاللّٰهُ وَاٰلِهٖمۡا اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا“: یعنی ان کے معاملات کا سرپرست اور ان کا مددگار تھا۔ اسی لیے اس نے معرکے سے بھاگنے سے بچالیا۔ (المیر القاسم: 202)

2- اللہ تعالیٰ نے ان کی کمزوری دور کر دی اور ان کی ہمت بندھائی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔

سوال 5: وَعَلَىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ”پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- محمد بن اسحاق نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَعَلَىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ یعنی جو مومنوں میں سے کمزور ہو یا ہمت ہار بیٹھے تو اسے اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر توکل کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اپنی نیت کے مطابق قوی ہو جائے اور اپنی مراد کو پہنچ جائے (ابن ابی حاتم: 750/3)
2- مومنوں کے مزاج میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہونا چاہیے۔ 3- وہ تعداد یا سامان کی کمی سے نہ گھبرائیں۔ 4- تعداد کم ہو تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو بھیج کر کمی پوری کر دے گا۔ 5- سامان کم ہو تو بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دے گا جو ان کے لیے سامان کی کمی کی تلافی بن جائیں۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر توکل کرنے کی ترغیب کیسے دلائی ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے ہمت ہار جانے کے بعد ان کی کمزوری دور کرنے اور ان کی ہمت بندھانے سے اپنے اوپر توکل کرنے کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ دہشت زدہ گھبرائے ہوئے دلوں کی کمزوری دور کر سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھروسے کے لائق ہے اور اس پر توکل کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔

سوال 7: بندے کا توکل کس کے مطابق ہوتا ہے؟

جواب: بندے کو جتنا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوتا ہے، اسی کے مطابق اس کا توکل ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دوسروں کی نسبت مومن اللہ پر توکل کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بالخصوص سختی اور جہاد کے موقع پر انہیں اللہ پر توکل کرنا، اس سے مدد اور فتح طلب کرنا اور اپنی طاقت پر بالکل بھروسہ نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور حفاظت پر بھروسہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی مصیبتیں اور مشکلات دور فرماتا ہے۔ (تفسیر سعوی: 415/1)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ قَالُوا اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (123)

اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرو۔ (123)

سوال 1: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے، غزوہ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا کیا عالم تھا؟

جواب: 1- غزوہ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی تمام افراد پیدل تھے۔ عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ہم لوگ سوار یوں کی قلت کی وجہ سے ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوتے تھے 2- براء بن العزب نے بیان کیا کہ ہم اصحاب محمد ﷺ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی جتنی اصحاب طالوت کی، جنہوں نے آپ کے ساتھ نہر فلسطین پار کی تھی اور ان کے ساتھ نہر کو پار کرنے والے صرف مومن ہی تھے یعنی تین سو دس پر اور کئی آدمی۔ (صحیح بخاری: 3958) 3- ابولبابہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے۔ اونٹ پر باری باری سواری ہوتی تھی تو جب رسول اللہ ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آئی تو ابولبابہ اور علی بن ابی طالب نے عرض کی آپ

تشریف رکھے ہم آپ کی طرف سے باری باری پیدل چلتے رہیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ باہمت نہیں ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں اجر لے جاؤ اور میں محروم رہ جاؤں۔ (مسند احمد: 1/418:418)

سوال 2:- واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: 1- واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بدر کی فتح مادی اسباب کی نایابی کے باوجود ہوئی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی جب کہ انسانوں کی طرف سے کوئی مددگار نہ تھا۔ 2- اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ مومن یقین رکھیں کہ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لہذا اُسی سے ڈریں۔ 3- اللہ تعالیٰ نے جو انعام کیا اس پر مومنوں کا فرض ہے کہ وہ شکر ادا کریں۔ 4- واقعہ احد کے ساتھ غزوہ بدر کے ذکر کرنے کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ اللہ پر توکل اور صبر و تقویٰ کا پھل فتح و کامرانی ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں یہی ہوا کہ مسلمان ہر طرح سے کمزور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور صبر و ثبات قدمی سے کام لیا تو اللہ نے انہیں کافروں پر غلبہ دیا۔ (تفسیر تیسیر الرحمن: 205)

سوال 3: فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ”چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تا کہ تم شکر کرو“ اللہ تعالیٰ نے شکرگزاری کے لئے کس صفت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؟

جواب: ”چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تا کہ تم شکر کرو“ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ شکرگزاری کی توفیق ہو۔ محمد بن اسحاق نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ یعنی مجھ سے ڈرو کیونکہ وہ میری نعمت کا شکر ہے۔

(جامع البیان: 4/78)

سوال 4: تقویٰ اور شکرگزاری کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

جواب: 1- تقویٰ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والی ایسی حالت ہے جس میں مومن کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ جب شعور بیدار ہوتا ہے تو مومن حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ مومن اپنے مالک کے احسانات کو پہچانتا ہے اور احسان شناسی اس کے دل کو شکرگزاری کے احساسات سے معمور کر دیتی ہے۔

2- چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تا کہ تم شکر کرو، یعنی اللہ کی اطاعت کر کے اپنے رب سے ڈرو اور اس کے حرام کردہ امور سے اجتناب کرو تا کہ تم اپنے نفس کو شکر کے لیے تیار کرو کیونکہ جس کے نفس پر تقویٰ غالب نہیں ہوتا اس پر خواہشات غالب آجاتی ہیں اور وہ شہوات کی پیروی کرتا ہے۔ ایسے شخص سے شکر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ (تفسیر مراغی: 2/46)

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ (124)

جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے؟ (124)

سوال 1: إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ” جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے، نبی ﷺ نے یہ الفاظ کس موقع پر کہے؟

جواب: غزوہٴ اُحد میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن تین ہزار ہیں اور ہم ایک ہزار میں سے بھی 700 رہ گئے تو نبی ﷺ نے ٹوٹے ٹوٹے حوصلوں کو جوڑنے کے لیے یہ الفاظ کہے۔

سوال 2: أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ” کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے (کہ) تمہارا رب تین ہزار نازل کردہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے (کہ) تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے، نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے لیے اور اس سے امید باندھنے کے لیے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

2- أَنْ يُبَدِّلَ كُمْ رَبُّكُمْ یہ کہ تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے، یعنی تمہارا رب تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں جو تم سے تعداد اور اسلحے میں بڑھ کر ہیں تمہاری مدد فرمائے۔

3- أَنْ يُبَدِّلَ كُمْ رَبُّكُمْ یہ تمہیں تقویت دینے اور تمہاری مدد کرنے اور تمہارے دشمنوں کو دور کرنے کے لیے تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے۔ (تفسیر القاسمی: 4/219)

4- الْمَلَائِكَةُ ”فرشتے“ جو اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں، نور سے بنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا (ابن القاسمی: 203)

5- الْمَلَائِكَةُ مُنَزَّلِينَ ” نازل کردہ فرشتے“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں نے یوم بدر کے سوا جنگ نہیں کی۔

بَلَىٰ إِنْ نَصَبُوا وَتَشْفُوا وَإِيَّاكُمْ مِّنْ قَوْمٍ هَذَا أَيْدِيكُمْ رَبُّكُمْ بِحَسَّةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (125)

کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آہنچیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ

فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ (125)

سوال 3: بَلَىٰ إِنَّ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا ” کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ کی مدد (کامیابی) کا وعدہ کن شرائط سے مشروط ہے؟

جواب 1: اللہ تعالیٰ کی مدد (کامیابی) کا وعدہ تین شرائط سے مشروط ہے۔ صبر: یہ حملے کے صدمات پر کیا جاتا ہے، تقویٰ: جو انسانوں کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم کر دیتا ہے چاہے فتح ہو یا شکست، دشمن کا اپنے سخت جوش میں آ پہنچنا۔

2- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: صبر، تقویٰ اور مشرکین کا فوری جوش و جذبے کے ساتھ آنالینکن فتح اور دشمنوں کے منصوبوں کی ناکامی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلی دو شرطیں مقرر فرمائی ہیں (تفسیر سعدی)

سوال 4: إِنَّ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا ” اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: - إِنَّ تَصْبِرُوا ” اگر تم صبر کرو، یعنی اگر تم دشمن سے ملاقات کے موقع پر صبر کرو۔

2- وَتَتَّقُوا ” اور ڈرو، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو (تفسیر منیر: 387/2)

سوال 5: وَيَأْتُوكُمْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمِهِمْ هَذَا ” اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ” اور دشمن تم پر اپنے سخت جوش میں آ پہنچیں، ” عکرمہ نے کہا: ”قَوْمٌ مِّنْ قَوْمِهِمْ“ کا معنی بدر کے دن غصے اور جوش سے۔

(بخاری کتاب التفسیر) 2- مجاہد اور عکرمہ نے کہا: اپنے غضب سے (ابن ابی حاتم: 753/3)

سوال 6: يُبَدِّدُكُمْ رَبُّكُمْ بِحَمْسَةِ الْفِئَةِ مِنَ الْبَلَدِكُمْ مُّسَوِّمِينَ ” تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ” تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، ” فرشتوں کی پہچان کے لئے مخصوص علامت مقرر کی گئی تھی مُّسَوِّمِينَ: نشان زدہ کو کہتے ہیں۔

2- مُّسَوِّمِينَ: مُّسَوِّمٍ اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی نشانی ہو مثلاً پشم یا اور کوئی نشانی (بخاری: کتاب التفسیر)

3- مُّسَوِّمِينَ کا ترجمہ ”نشان لگے ہوئے“ سے کیا گیا ہے ان فرشتوں کے کیا نشان تھے اس کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن کے شملے کمروں پر

ڈالے ہوئے تھے اور غزوہ حنین میں ان کے عمائے سرخ تھے (تفسیر انوار البیان: 546/1)

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَكُمْ وَلِيَنْظُرِينَ فُلُوبِكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (126)

اور اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محض خوشخبری بنایا ہے اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (126)

سوال 1: وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَكُمْ وَلِيَنْظُرِينَ فُلُوبِكُمْ بِهِ ” اور اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محض خوشخبری بنایا ہے اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، فرشتوں کے نزول کا سبب کیا تھا؟

جواب 1: فرشتوں کو اس لئے نازل کیا گیا تاکہ مسلمان خوش ہو جائیں، ان کے دلوں کو اطمینان ہو، ان کے دل سکون میں آئیں، ان کا خوف دور ہو اور ان کا قلق جاتا رہے۔ (ایرالتفاسیر: 203)

2- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں نے یوم بدر کے سوا نہ انہوں نے دشمن پر ضرب لگائی نہ جنگ کی، وہ مدد اور تعداد میں اضافے کے لیے آئے تھے۔ (تفسیر جامع البیان: 88/4)

3- مجاہد نے کہا: فرشتوں نے بدر کے سوا، نہ اس سے پہلے نہ اس سے بعد میں، کبھی جنگ نہیں کی (تفسیر مراغی: 47/2)

سوال 2: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ” اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ” اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ العزیز وہ قوی ہے جس کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ الحکیم وہ ہے جو معاملات کی بہترین طریقے اور قوی وسائل سے تدبیر کرتا ہے۔ وہ نصرت کے ظاہری اور باطنی اسباب کی طرف جس کی چاہتا ہے راہ نمائی کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ (تفسیر مراغی: 48/2)

2- وہ اپنی نصرت کو جس جگہ چاہتا ہے رکھتا ہے، وہ اہل بصیرت اور اہل تقویٰ کو ہی نوازتا ہے جو اس کے مستحق ہیں۔

(ایرالتفاسیر: 204)

سوال 3: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ” اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد (فتح) کے بارے میں قرآنی مؤقف کو واضح کریں؟

جواب: 1- ”اور مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے“ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بارے میں قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ مدد اور فتح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے۔ 2- کسی رسول اور اس کے ساتھیوں کو فتح سے کوئی ذاتی مفاد نہیں ملتا، نہ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض ہوتی ہے۔ 3- فتح حاصل کرنے میں نہ رسول کا دخل ہوتا ہے نہ اس کے ساتھیوں کا وہ تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو مٹا رہ کر تپتی ہے۔

سوال 4: الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ”غالب، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم، غالب اور کمال حکمت والا ہے“ تمام کام اس کی مرضی سے ہوتے ہیں، اُس کا ارادہ ہی کسی کام کو عملی شکل دیتا ہے، مادی اسباب بھی اس کی مدد کے بغیر مؤثر نہیں ہوتے۔

2- فتح اسی کی جانب سے ہوتی ہے جو غالب اور کمال حکمت والا ہے، قوی اور دانا و پینا ہے۔

3- اس کی طرف سے فتح عطا کرنے میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے یقیناً وہ عزیز و حکیم ہے۔

سوال 5: الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ”سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے عزیز اور حکیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول سے اپنے عزیز یعنی غالب ہونے کا شعور دلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان اور خوشی کے لئے فرشتوں کے نزول کا طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح اُس نے اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے کہ یقیناً وہ اپنی مخلوق کے معاملات کو حکمت کے ساتھ انجام دینے والا ہے۔

سوال 6: ”اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے“ اس کے مومن کے دل پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مومن کے دل میں ایک خاص رابطہ ہو جاتا ہے۔

2- بندہ عزیز و حکیم سے امید باندھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان براہ راست تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ (127)

تا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں۔ (127)

سوال 1: لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ ”تا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کر دے“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی کیا صورتیں ہیں؟

1- ”تا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کر دے“ کافروں کی جماعت کو کاٹ لے یعنی وہ قتل

ہو جائیں یا قید ہو جائیں یا ان کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے یا مال غنیمت حاصل ہو، اس طرح مومنوں کو قوت حاصل ہو اور کافر ذلیل ہو جائیں۔ 2۔ اسلام کا مقابلہ کرنے اور اسلام سے جنگ کرنے کی قوت انہیں یا افراد سے حاصل ہوتی ہے یا ہتھیاروں سے یا مال سے یا زمین سے۔ ان میں سے کسی بھی چیز کا ختم ہو جانا یا مسلمانوں کے قبضے میں آنا، ان کی قوت میں کمی کا باعث ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: لِيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ”تا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: 1۔ طَرَفًا سے مراد طائفہ یعنی ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ دشمن کے ایک حصے کو ہلاک کر دے۔ i۔ وہ قتل ہوں۔ ii۔ ان کی افرادی قوت کم ہو۔ iii۔ ان کی زمین ان کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ iv۔ ان کی ظالمانہ حکومت کا دائرہ تنگ ہو جائے۔ v۔ ان کی دولت مال غنیمت کی کمی کی وجہ سے کم ہو جائے۔ vi۔ شکست کے نتیجے میں ان کی سرگرمیوں میں کمی آجائے۔
 2۔ ”لِيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا“ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دیا، ہتھیاروں کو ہلاک کر دیا۔ (ابن القاسم: 203)
 3۔ قادمہ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دیا، ان کے بڑے بڑے رؤساء اور ان کے برائی کے قائد مارے گئے۔ (تفسیر جامع البیان: 4/88)

سوال 3: أَوْ يَكْبِتُنَّهٖمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ”یا ان کو ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں“ سے کیا مراد ہے؟
 جواب: ”یا ان کو ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد واپس لوٹ جائیں“ غزوہٴ اُحد میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا مقصد یہ تھا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل کیا جائے اور یہ بھی کہ سارے کے سارے کافر نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ 1۔ یعنی وہ ذلیل و رسوا ہوں اور شکست کھائیں۔ 2۔ اپنے مقصد میں ناکام لوٹیں جبکہ وہ دے ہوئے ہوں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاٰمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يَعَذَّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ لَطٰٓئِرٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ (128)

آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب دے، بلاشبہ وہی ظالم ہیں۔ (128)

سوال 1: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاٰمْرِ شَيْءٌ ”آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں“ محمد ﷺ کا فیصلے کے اختیارات میں کوئی حصہ نہیں، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں کیونکہ غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے دانت شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم کو کیسے فلاح نصیب ہوگی جس نے اپنے نبی ﷺ کو زخمی کر دیا؟ اس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کی ہدایت کے معاملے سے ناامیدی کا اظہار کیا تھا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے وضاحت کر دی کہ آپ ﷺ کا اختیار نہیں کہ کسی کو ہدایت دینے کا یا نہ دینے کا فیصلہ کر لیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 462/1) 2- رسول اللہ ﷺ نے بعض قبیلوں کے لئے قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا تھا جس میں ان کے لئے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ نے بددعا کا سلسلہ بند کر دیا۔ (بخاری: 4560, 4559) سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فجر کی دوسری رکعت میں حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، اور صفوان بن امیہ پر لعنت بھیجتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: 4070) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا چاہتے یا کسی کے لیے دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد کرتے (سمع اللہ لمن حمدہ اللہم ربنا لک الحمد) کے بعد بعض اوقات آپ نے یہ دعا بھی کی۔ ”اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! مضر والوں کو سختی کے ساتھ پکڑ لے اور ان میں ایسی قحط سالی لا، جیسی یوسف کے زمانے میں ہوتی تھی“ آپ ﷺ بلند آواز سے یہ دعا کرتے اور آپ نماز فجر کی بعض رکعت میں یہ دعا کرتے۔ ”اے اللہ! فلاں فلاں اور فلاں کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔“ عرب کے چند خاص قبائل کے حق میں آپ (یہ بددعا کرتے تھے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی کہ ”آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں۔“ (صحیح بخاری کتاب التفسیر: 4560)

سوال 2: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ”آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں“ اس بات کے ایمان والوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- اہل ایمان یہ جان لیتے ہیں کہ ان کی ذات فتح کا سبب نہیں بن سکتی۔

2- اہل ایمان تکبر، احساسِ برتری، سخت گیری اور غرور سے محفوظ ہو جاتے ہیں جس میں عام طور پر فاتحین مبتلا ہو جاتے ہیں۔

3- اہل ایمان کی روح اور طرز عمل متوازن ہو جاتے ہیں۔

سوال 3: أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ”خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے“ اس سے کیا مراد ہے اور یہ معافی کیسے ممکن ہوتی ہے؟

جواب: 1- ”خواہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے“ محمد بن اسحاق کا قول ہے اس سے مراد ہے کہ وہ اپنی رحمت سے جس کی چاہے توبہ قبول کر لے۔ (ابن ابی حاتم: 757/3) 2- یہ معافی ایسے ممکن ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی فتح کی صورت میں کافر سبق

لیتے ہیں اور اسلام قبول کر لیتے ہیں یوں اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ 3۔ جن مشرکوں کے حق میں آپ ﷺ نے یہ بددعا کی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قدموں پر لا ڈالا اور اسلام کے جاننا سچا ہی بنا دیا۔ (تفسیر تیسیر القرآن 302/1)

سوال 4: اَوْ يُعَذِّبَهُمْ ”یا ان کو عذاب دے“ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”یا ان کو عذاب دے“ اس سے مراد ہے 1۔ عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ 2۔ عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ دنیا میں اہل اسلام اُن پر غالب آجاتے ہیں۔ 3۔ دنیا میں قید ہونے کی صورت میں عذاب پاتے ہیں۔ 4۔ خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور آخر کار جہنم کے مستحق بن جاتے ہیں۔

سوال 5: وَمَا لَهُمْ لِيَلْمُوْنَ ”بلاشبہ وہی ظالم ہیں“ کہہ کر کس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: 1۔ ”بلاشبہ وہی ظالم ہیں“ ظالم اسے کہتے ہیں جو حق دار کو اس کا حق نہ دے۔ ایک انسان جب اپنے خالق کو نہیں پہچانتا، اپنی حیثیت نہیں پہچانتا، اپنی زندگی کے مقصد کو نہیں پہچانتا، زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو نہیں مانتا تو دراصل وہ حقائق کا انکار کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھولی گئی حقیقتوں کو ماننے والا مومن ہے تو انکار کرنے والا کافر ہے۔ انکار کر کے ایک انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا لیتا ہے۔ 2۔ یہ ایک ہملہ معترضہ ہے جس سے مقصود نبی کریم ﷺ کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ آپ کی ذات بھی کچھ موثر ہے اور آپ کے عقیدہ توحید میں کچھ فرق آجائے۔ آپ تو ایک انسان ہیں۔ آپ کا کام اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ڈرانا ہے، ان کی بخشش یا عذاب کا معاملہ تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ (تیسیر الرحمن)

وَاللّٰهُ صَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (129)

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جوز مین میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (129)

سوال 1: وَاللّٰهُ صَافِي السَّمَوَاتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ”اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جوز مین میں ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ ”اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جوز مین میں ہے“، یعنی ملکیت بھی اس کی، تخلیق بھی اسی کی، بندے بھی اسی کے، وہ جیسے چاہے تصرف کرے اور جیسے چاہے فیصلہ کرے (ایسر التفسیر: 204)

2۔ یعنی فرشتے، انسان، حیوان، جن، جمادات، افلاک وغیرہ۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، تمام اشیاء اللہ کی ملک اور اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی تدبیر کے تابع ہیں۔ وہ ان میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔ اس حکومت میں ان کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ (تفسیر سعدی: 4191)

سوال 2: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف کیسے کروایا ہے؟

جواب 1: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے معاملات میں جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے، وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، وہ حکمت اور عدل سے فیصلے کرتا ہے۔ 3۔ اس کی رحمت کے دروازے بندوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے

سوال 3: یَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ” وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے“ کسی بندے کو، چاہے وہ نبی مرسل ہو یا ولی مکرّم، یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کی قسمت کا فیصلہ کرے، اور کسی کو جنت میں بھیج دے اور کسی کو جہنم میں۔ (تیسیر الرطن)

2۔ جب صورت حال یہ ہے تو وہ سب اس کی مغفرت اور اس کے عذاب کے درمیان ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کی مغفرت اس طرح فرماتا ہے کہ ہدایت دے کر اسلام میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا شرک معاف کر دیتا ہے۔ اور اس پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اسے گناہ ترک کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس طرح اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 4191)

سوال 4: وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ” اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب 1: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنے اختیارات کی وسعت کا شعور دلایا ہے کہ وہ چاہے تو معاف کر دے، چاہے تو رحمت کر دے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے مالکِ کُلِّ ہونے کی وجہ سے یہ شعور دلایا ہے کہ مغفرت اور عذاب دونوں ہی اس کے اختیار میں ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات سے اپنی مغفرت اور مغفرت سے اپنی رحمت کا شعور دلایا ہے وہ عذاب دے سکتا ہے پھر بھی اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے یقیناً وہ غفور ہے، رحیم ہے۔

رکوع نمبر 5

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (130)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کا میاب ہو جاؤ۔ (130)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول بیان کریں؟

جواب: فریابی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ لوگ وقت مقرر پر ادھار چیزوں کو فروخت کیا کرتے تھے یہ مدت پوری ہونے

کے بعد قرض میں اضافہ کر دیتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ابن ابی حاتم: 759/3)

سوال 2: جنگ احد میں فتح کس وجہ سے شکست میں بدل گئی؟

جواب: 1- اُحد کی شکست کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان مال کی حرص میں مبتلا ہوئے۔ اپنے فرض کی ادائیگی کی بجائے مال

غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے مال کی محبت کی بنیاد پر ضرب لگائی ہے اور حکم دیا ہے کہ سود خوری

سے باز آ جاؤ۔ لالچ اور دولت پرستی کی سب سے گھناؤنی صورت ”سود“ ہے۔ سود خور اپنے نفع کا دن رات حساب کتاب کرتا ہے اور

اس رویے کی وجہ سے اس کے اندر روپے کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ 2- سود خوری سے قوم میں وہن اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

خود غرضی اور نجل کا جذبہ فروغ پا جاتا ہے اور سود خور قوم جہاد کے قابل نہیں رہتی اور پھر انصار کے یہود کے ساتھ سودی لین دین

کے تعلقات تھے اور احد میں منافقین یہود کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا گویا اس کو حرام قرار دے کر ان تعلقات کو ختم کر دیا۔

سوال 3: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۚ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے

ہوں، اس مقام پر خاص طور پر سود کھانے سے روکنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: 1- غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی مال غنیمت کے لالچ کی وجہ سے ہوئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی

طبع کی سب سے زیادہ خوفناک شکل سود سے منع کیا ہے۔ 2- جہاد میں ”فشل“ نامردی کا ذکر ہوا ہے اور سود خوری سے قوم میں

وہن اور بزدلی پیدا ہوتی ہے، خود غرضی اور نجل کا جذبہ فروغ پا جاتا ہے اور سود خور قوم جہاد کے قابل نہیں رہتی اور پھر انصار کے

یہود کے ساتھ سودی لین دین کے تعلقات تھے اور احد میں منافقین اور یہود کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا گویا اس کو حرام قرار دے

کر ان تعلقات کو ختم کر دیا۔ (تفسیر اشرف الجواہر: 80/1) 3- سود خوری نسل انسانی کو بے کار بنا دیتی ہے اور ایک ایسا گروہ پیدا

کردیتی ہے جو جماعت کے لیے نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ عوام میں جس قدر برائیاں پھیلتی ہیں وہ اُمراء کے گروہ کی بدولت پھیلتی ہیں۔ ان کی آسائشوں بھری زندگی عوام کے اخلاق کے لیے مستقل خطرہ ہے۔ اسلام جو اخلاق و اصلاح کا علمبردار ہے کیسے سود کی اجازت دے سکتا ہے! (تفسیر سراج البیان: 157/1)

سوال 4: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ اللَّيْلَةَ أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کئی گنا سود نہ کھاؤ جو دگنے کیے ہوئے ہوں، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اے ایمان والو! کس بات پر دلالت کرتا ہے؟

جواب 1: جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں آتا ہے ”اے ایمان والو! فلاں کام چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان ہی وہ سبب ہے جو اس حکم کی اطاعت کا داعی اور موجب ہے اور اس نہی سے اجتناب کا باعث ہے۔ کیونکہ ایمان ان تمام امور کی تصدیق کامل کا نام ہے جن کی تصدیق واجب ہے اور اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہے۔ (تفسیر سعدی: 421/1)

2۔ آیت میں لفظ ”ایمان“ کے ساتھ خطاب اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا سود کو چھوڑ دینا ہے۔ (تیسیر الرٹن)

سوال 5: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ اللَّيْلَةَ اے سود نہ کھاؤ، اس کی وضاحت کریں؟

جواب 1: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ اللَّيْلَةَ ”سود نہ کھاؤ“ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ صرف کھاؤ نہیں بلکہ سود سے ہر طرح کا تصرف حرام ہے خواہ کھانا پینا ہو یا لباس ہر چیز اس میں شامل ہے۔ 2۔ ”الَّذِينَ آمَنُوا“ لغت میں اضافے کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس کی دو قسمیں ہیں ربا فضل اور ربانیہ۔ 3۔ ربا الفضل: سونے، چاندی گندم، جو، کھجور وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اسی جنس سے بیع حرام ہے۔ یہ فضل یا زیادتی ہے 4۔ اور دوسرا ربانیہ: یہ ہے کہ کسی آدمی پر مدت مقررہ کے ساتھ قرض ہو تو مدت مقرر کرنا حلال ہے جب کہ اس قرض میں اضافہ نہ ہو اور اگر مہلت کے ساتھ قرض میں اضافہ ہو تو یہ ربانیہ ہے۔ (ایبر التفسیر: 204,205)

سوال 6: أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ”کئی گنا جو دگنے کیے ہوئے ہوں“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب 1: أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ”کئی گنا جو دگنے کیے ہوئے ہوں“ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ لوگ قرض کے لیے مہلت دیتے تو جتنی مہلت دیتے اتنا ہی قرض بڑھا دیتے، اس طرح قرض میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ (ایبر التفسیر: 204,205)

2۔ ”أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً“ کے الفاظ سے بعض لوگوں نے سود مرکب کو حرام اور سود مفرد کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہاں اس زمانے کے سود خوروں کی سنگدلی بیان ہو رہی ہے جو آج بھی موجود ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بہت سے لوگ دوسروں کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ جب قرضے کی میعاد ختم ہو جاتی تو مقروض سے کہتے کہ قرض ادا کرو ورنہ سود میں اضافہ

کرو۔ قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں میعاد کی توسیع کر دی جاتی اور سود کی مقدار میں اضافہ کر دیا جاتا، اس طرح کچھ عرصہ کے بعد سود کی مقدار اصل زر سے بھی کئی گنا زیادہ ہو جاتی۔ سودی کاروبار کی اس بھیانک صورت حال کی طرف قرآن نے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ مرکب سود حرام ہے اور مفرد جائز ہے۔ اسلام میں ہر قسم کا سود حرام ہے۔

سوال 7: وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“۔ سعید بن جبیر کا قول ہے وَاتَّقُوا اللَّهَ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو“ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سود نہ کھاؤ۔ (ابن ابی حاتم: 759/3) 2: تَفْلِحُونَ ”تم کامیاب ہو جاؤ“ تم عذاب سے نجات پاؤ اور جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو پا کر کامیاب ہو جاؤ۔ (ابن القاسم: 204,205)

سوال 8: وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ“۔ سود کھانے سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس کی حکمت واضح کریں؟
جواب: 1- سود سے متعلق آیتوں میں تین بار لفظ ’تقویٰ‘ کو دوہرایا گیا ہے، گویا سود نہ لینا تقویٰ کی اہم صفت ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اس کا خوف ہی وہ بنیاد ہے جو مومن کو اس کی اطاعت کے لئے تیار کرتی ہے۔ 3- تقویٰ کی وجہ سے مومن حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے، حق کو اپناتا ہے اور باطل کو رد کرتا ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو کامیابی کا باعث قرار دیا ہے یعنی تقویٰ اختیار کرنے پر ہی تم کامیاب ہو سکتے ہو۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (131)

اور اُس آگ سے ڈر جاؤ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (131)

سوال 1: کن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ کبیرہ گناہ تو کفر کے خصائل ہیں جن کے حاملین کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (تفسیر سعدی) 2- سعید بن جبیر اللہ تعالیٰ کے قول ”وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ“ کے بارے میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے سود کھانے والوں کو آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کے

لیے تیار کی گئی ہے۔ (ابن ابی حاتم: 760/3) 3۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ قرآن کریم میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اگر مسلمانوں نے تقویٰ کی راہ اختیار نہ کی تو اس آگ کا سامنا کرنا پڑے گا جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 2/878)

سوال 2: **وَإِنَّقُلُوبَنَا لَمَّا رَأَىٰ آسَ آگ سے ڈر جاؤ، سو دا اور آگ کا کیا تعلق ہے؟**

جواب: 1۔ ایمان اور سودی نظام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ 2۔ سو دا اور آگ کا تعلق ہے کیونکہ وہ معاشرہ جہاں سودی نظام قائم ہو گا دین سے خارج تصور ہو گا اور اس کا انجام آگ ہے جسے کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ 3۔ اس مقام پر شدید تنبیہ کی گئی ہے جو چھپی ہوئی نہیں ہے۔ مومنوں کو مخاطب کر کے نافرمانیوں سے بچنے کا حکم دیا گیا جب کہ اس نے علم دیا ہے کہ تقویٰ سے جدا ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ بات تمام نافرمانیوں سے دور رکھتی ہے اور جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعید دی ہے مومنوں کو اس آگ کی جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب نہیں کریں گے۔ (تفسیر المرآئی: 2/56)

سوال 3: **اللہ تعالیٰ نے سو دکھانے سے روکتے ہوئے دو دفعہ تقویٰ کا حکم دیا۔ ایک باریہ فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ” تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ“ اور دوسری بار آگ سے ڈرایا گیا۔ حکمت واضح کریں؟**

جواب: 1۔ ایک طرف تو امید دلائی گئی ہے کہ اگر سودی کاروبار چھوڑ دیں گے تو امید رکھ سکتے ہیں کہ کامیاب ہو جائیں۔ اس لیے کہ کامیابی تقویٰ کی صورت مل سکتی ہے۔ 2۔ دوسری طرف خوف دلایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، عذاب جہنم کا خوف ہو، وہ ہرگز سو نہیں کھا سکتا۔ 3۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کے اندر امید کو ابھار کر اور خوف کو جگا کر اس کے ایمان کو بیدار کیا ہے۔ ایمان کو قوی کیا ہے تاکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو کافرانہ اعمال سے بچالے کیونکہ ایمان صرف زبانی دعوے کا نام نہیں، اس کا تقاضا ہے کہ اپنی زندگی کو ایمان کے رنگ میں رنگا جائے۔

سوال 4: **اللہ تعالیٰ نے اپنی آگ کا خوف کیوں دلایا ہے، حکمت واضح کریں؟**

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی آگ کا خوف دلانے سے پہلے اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی صحیح پہچان نہیں رکھتے ان کے لئے آگ خوف کا باعث بن سکتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کا خوف دلایا ہے تاکہ لوگ سو دکھانے سے بچ سکیں۔

سوال 5: اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ” کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ اس آیت میں کافر کے قرار دیا گیا ہے؟
جواب: 1- اس آیت میں کافر اسے قرار دیا گیا ہے جو حرام فعل یعنی سود خوری کا ارتکاب کرتا ہے۔
2- سود خوری کبھی آدمی کو کفر تک لے جاسکتی ہے۔ (تیسیر الرحمن)

وَاطِيعُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (132)

اور اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (132)

سوال 1: اُطِيعُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ” اور اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو“ اس آیت کا پس منظر بیان کریں؟
جواب: ” اور اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو“ ابن اسحاق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کہتے ہیں: اس آیت میں ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس دن کے لیے بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ (جامع البیان: 94/4)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لئے کس چیز کی شرط عائد کی ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لئے اطاعت کی شرط عائد کی ہے کہ میری اور میرے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ 2- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی اطاعت کرو تا کہ تم نیک مؤمن ہو جاؤ جن تک اللہ و عزوجل کی رحمت پہنچتی ہے۔ (تفسیر واضح الہیہ: 148,149)

سوال 3: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ” تا کہ تم پر رحم کیا جائے“
اطاعت کے ساتھ رحمت کے تعلق میں حکمت کی وضاحت کریں؟

جواب: ایک مسلمان نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تو ہر حال میں کرنی ہے لیکن سودی کاروبار سے روکنے کے بعد اس رحمت کے ذکر میں حکمت ہے۔

1- کسی ایسے معاشرے میں جہاں سودی کاروبار ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ممکن نہیں رہتی۔ 2- سود کھانے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ہی باقی نہیں رہتا۔ 3- سودی کاروبار سے روکنے کے لیے یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کر سکتا ہے اگر تم اطاعت کے طریقے پر آ جاؤ۔ 4- اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی صورت میں ہی انسان پر رحم کیا جاسکتا ہے۔

وَسَايِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (133)

اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (133)

سوال 1: وَسَايِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو، اللہ تعالیٰ نے جنت اور مغفرت کے لئے جلدی کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے ہلاکت اور بربادی سے بچانے کے لئے جنت اور مغفرت کے لئے جلدی کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسان مال و دولت کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے، لپکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھاگ دوڑ کا رخ جنت اور مغفرت کی طرف کیا ہے تاکہ مال و دولت کے پیچھے لگ کر انسان اپنی آخرت برباد کرنے سے بچ جائے۔ 2- سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے قول ”وَسَايِعُوا“ کے بارے میں کہا کہ اس سے مراد ہے کہ نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 761/3) 3- اس چیز کی طرف جلدی کرو جو مغفرت کا مستحق بنا دے جیسے اسلام، توبہ اور اخلاص ہے۔ (تفسیر البیضاوی: 92/2) 4- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تاریک رات کے نکلنے کی طرح قنتوں کے واقع ہونے سے پہلے تم نیک اعمال کی جلدی کرو۔ صبح کو آدمی ایماندار ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو ایمان دار ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا لوگ دین کو دنیا کے سامان کی خاطر فروخت کر دیں گے“ (جامع ترمذی: 2195) 5- ابوسرور رضی اللہ عنہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے مدینے میں عصر کی نماز پڑھی، پس آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور نہایت تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھیلا گئے ہوئے اپنی بیویوں میں سے کسی کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔ لوگ آپ ﷺ کی اس تیز رفتاری سے گھبرا گئے (تھوڑی دیر کے بعد) آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی اس تیز رفتاری پر تعجب کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس (گھر میں سونے یا چاندی کی) ڈلی کا کچھ حصہ ہے، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ یہ (ڈلی) مجھے (اللہ تعالیٰ کی یاد سے) روک دے، اس لیے (میں جلدی جلدی جا کر) اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔“ (صحیح بخاری: 851) 6- جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے

نبی ﷺ سے غزوہ اُحد کے موقع پر پوچھا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میں کہاں جاؤں گا؟“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت میں“ انھوں نے کھجور پھینک دی جو انکے ہاتھ میں تھی اور لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (صحیح بخاری: 4046) 7۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ اُحد کے دن ایک تلوار لے کر فرمایا: ”مجھ سے یہ تلوار کون لے گا؟“ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھوں کو یہ کہتے ہوئے دراز کیا: میں، میں، میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پہ کون لیتا ہے؟“ (یہ سنتے ہی) لوگ پیچھے ہٹ گئے تو سیدنا سماک بن خرشہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”میں اسے اس کا حق ادا کرنے کی شرط پہ لیتا ہوں۔“ پس انھوں نے یہ تلوار لے لی اور اسکے ساتھ مشرکین کی کھوپڑیاں پھوڑ دیں۔“ (صحیح مسلم: 6353)

سوال 2: وَسَاہِرَعَوًا اور دوڑو، اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی بجائے جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے وضاحت کریں؟
 جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی بجائے جلدی کرنے کا حکم دے کر یہ یقین دلایا ہے کہ تم اکیلے اس راستے کے مسافر نہیں ہو کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس انعامی مقابلے میں شریک ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: 2۔ فَاسْتَيْقُوا الْخَيْرَاتِ سُو نَبِیُّوْنَ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو (البقرہ: 148) 3۔ اسی طرح فرمایا: وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں (المطففين: 26) 4۔ اللہ تعالیٰ نے مسابقت کا جذبہ بیدار کیا ہے کہ اتنے زبردست انعام کے لیے جلدی کر دو تا کہ انعام کے حقدار بن جاؤ۔ 5۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جنت یونہی نہیں مل جائے گی۔ اس کے لیے محنت مشقت اور بھاگ دوڑ ناگزیر ہے۔ 6۔ رب کی مغفرت اور جنت کی طرف استغفار، توبہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ دوڑو۔ (تفسیر القاسمی: 4/228)

سوال 3: عَزَّضَهَا السَّلٰوٰتُ وَالْاَمْرٰضُ ”جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے“ اس کی وضاحت کریں؟
 جواب: 1۔ ابن کثیر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہا گیا ہے عَزَّضَهَا السَّلٰوٰتُ وَالْاَمْرٰضُ ”جنت بے حد فراخ ہے جب اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو لمبائی کیا ہوگی؟“ (مختصر ابن کثیر: 2/1572) رب العزت کا فرمان ہے: سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرٰتِيْ مِن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ وَعَرْضُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے۔“ (الحديد: 21) 3۔ مسند احمد میں ہے کہ ہر قتل نے حضور ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے تو یہ

فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ (تفسیر ابن کثیر: 463/1)

سوال 4: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ”جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”تیار کی گئی ہے“ یعنی اس وقت موجود ہے۔ اس آیت کے توسط سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جنت اور دوزخ تیار کی جا چکی ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس بات کے قائل نہیں۔ (تیسیر القرآن: 307/1) 2: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے“ متقی وہ ہے جو نہ جب کو ترک کر کے اور نہ حرام کام انجام دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اور اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ (ایسر التفایر: 206) 3: یقیناً جنت متقیوں ہی کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

سوال 5: جنت کا راستہ، مغفرت اور خطا بخشش کا راستہ ہے، اس کے لیے مومن کو کس یقین کی ضرورت ہے؟

جواب 1: اس کے لیے مومن کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کی ضرورت ہے۔ 2: اس کے لیے مومن کو جنت کے یقین کی ضرورت ہے۔ 3: اللہ تعالیٰ کی آگ پر یقین کی ضرورت ہے۔ 4: اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کی ضرورت ہے۔ 5: اس یقین کے ساتھ انسان جنت کے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے۔

سوال 6: مومن کے اندر اس یقین کی وجہ سے کون سے رویے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: اس یقین کی وجہ سے مومن کے اندر جو رویے پیدا ہوتے ہیں ان کا تذکرہ اگلی آیت 134 میں کیا گیا:

1- اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر حال میں مال خرچ کرنا خواہ بدحالی ہو یا خوشحالی۔ 2- اپنے غصے کو پی جانا۔ 3- دوسروں کے قصور معاف کر دینا۔ 4- اگر فحش کام سرزد ہو جائے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو فوراً ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ 5- اپنے گناہوں پر استغفار کرنا۔ 6- جان بوجھ کر گناہ پر اصرار نہ کرنا۔

سوال 7: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ جنت کی

قیمت ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا حقیقی ڈر نفس کی وہ کیفیت ہے جس کے پیدا ہونے کی وجہ سے انسان ماڈی دنیا اور خواہشات میں گھرے رہنے کے باوجود اپنی آخرت کی فکر میں رہتا ہے، آخرت کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تقویٰ نہ ہو تو انسان اس دنیا سے آگے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس اعتبار سے تقویٰ ہی وہ قیمت ہے جس کو ادا کر کے انسان جنت کے

راستوں پر چل سکتا ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وَالْكُلُوبِ وَالْغَابِغِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (134)

وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکو کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (134)

سوال 1: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ ”وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں“ خوشی میں خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- ”وہ لوگ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں“ خوشی میں مال خرچ کرنے والے کے اندر مال کی وہ حرص نہیں ہوتی جو سود خور کے اندر ہوتی ہے۔ 2- خوشی میں مال خرچ کرنے والے کا مال کے بارے میں نقطہ نظر درست ہو جاتا ہے۔ انہیں کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی جگہ مال خرچ کرنے سے نہیں روکتا۔ وہ ہر قسم کی نیکیوں پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ 3- خوشی میں مال خرچ کرنے والا تکبر میں مبتلا ہو کر غافل نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں خوش ہوں یا مغموم، صحت مند ہوں یا بیمار، مال دار ہوں یا نادار اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ 4- خوشی میں مال خرچ کرنے والے کو خوشی ان کا مقصد زندگی نہیں بھلاتی اور تکلیف میں مال خرچ کرنے والا مقصد زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ 5- خوشی اور تکلیف میں مال خرچ کرنے والوں کو ہر حال میں اپنی ذمہ داریوں کا شعور رہتا ہے۔ سخاوت ایک مزاج ہے جس کا تعلق مال داری سے نہیں جسے سخاوت کا مزاج نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں خرچ کرتا ہے۔

سوال 2: انسان اپنے آپ کو مال کی محبت اور حرص سے کیسے آزاد کروا سکتا ہے؟

جواب: انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے بخیل ہے۔ اس کے اندر دولت کی طبعی محبت موجود ہوتی ہے۔ اسے صدقات کے طریقے پر عمل پیرا ہونے اور قائم رہنے کے لیے ہر وقت ایک مضبوط جذبے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مضبوط جذبہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا سب کچھ لگا دینے کا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا سب کچھ بھی قربان کر سکتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہو اور اس کی ناراضگی کا شدید خوف ہو۔ محبت اور خوف ہی ایسی قوتیں ہیں جن سے انسان اپنے آپ کو مال کی محبت اور حرص سے آزاد کروا سکتا ہے۔ یہ دراصل تہدیلی ہے۔ مال کی محبت کی جگہ اللہ تعالیٰ کی محبت لے لیتی ہے۔ مال کی حرص کی جگہ

اللہ تعالیٰ کی رضا کی حرص جگہ بناتی ہے۔ یہ کام خود سے خود نہیں ہوتا۔ اس کے لیے شعوری کوشش کرنی پڑتی ہے مثلاً محبت اور خوف کے لیے اللہ تعالیٰ کی پہچان کی ضرورت ہے اور اس پہچان کے لیے غور و فکر کی۔ ایک غور و فکر کرنے والے کے لیے دنیا کی ہر چیز ایمانی رزق بن جاتی ہے۔ جو انسان شعوری طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محسوس کرتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہے۔ جتنا یہ تعلق بنتا جاتا ہے، پہلے سے موجود تعلقات میں اتنی ہی کمی آتی جاتی ہے اسی وجہ سے مال سے اس کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔

سوال 3: دو محبتیں (اللہ تعالیٰ کی محبت اور مال کی محبت) ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ہر محبت انسان کی زندگی کا رخ متعین کرتی ہے۔ انسان کی ساری سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں اور رویوں میں واضح فرق آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا	مال کی محبت میں گرفتار انسان
1- رات دن اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگاتا ہے۔	1- رات دن اس فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس کا مال دوگنا چوگنا ہو جائے۔
2- آخرت میں کامیاب ہونے کے لیے اپنے دنیا کے مال کو گھٹاتا ہے۔	2- دنیا میں کامیاب ہونے کے لیے مال بڑھاتا ہے۔
3- اس کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔	3- اس کا اصل سرمایہ مال کی محبت ہے۔
4- اسے آخرت کے نفع کا شوق ہے۔	4- اسے دنیا کے نفع کا شوق ہے۔
5- اسے آخرت کے نقصان کا ڈر لگتا ہے۔	5- اسے دنیا کے نقصان کا ڈر لگتا ہے۔
6- دنیا میں پابند زندگی گزارتا ہے۔	6- دنیا میں بے قید (آزاد) زندگی گزارتا ہے۔
7- اللہ تعالیٰ کے دین کی ضرورت کو اپنی ضرورت بنا لیتا ہے۔	7- اپنی ضروریات کی طرف پوری توجہ دیتی رہتی ہے۔
8- ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔	8- ہر کام دنیا کے لوگوں کی خوشی اور اپنی خوشی کے لیے کرتا ہے۔

9- دنیا کی نظروں میں پسندیدہ بننا چاہتا ہے۔	9- اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ سے زیادہ پسندیدہ بننا چاہتے ہیں۔
10- غصہ آجائے تو پھٹ پڑتا ہے۔	10- غصہ آجائے تو برداشت کرتا ہے۔
11- کسی سے شکایت ہو تو بدلہ لیتا ہے۔	11- کسی سے شکایت ہو تو معاف کر دیتا ہے۔
12- غلطی ہو جائے تو احساس ہی نہیں ہوتا، اللہ کبھی یاد ہی نہیں آتا۔	12- غلطی ہو تو چونک پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے۔
13- اپنی غلطیوں اور گناہوں کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔	13- اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہے کہ وہ معاف کر دے، اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے۔
14- مال دنیا میں ہی رہ جاتا ہے اور جب اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا۔ اس وقت اسے پتہ لگتا ہے: مَا أَعْنِي عَنِّي مَالِيَهُ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ آج میرا مال میرے کام نہ آیا۔ میری سب جت بازی مجھ سے ختم ہوگئی۔ (الحاقہ: 28، 29)	14- اللہ تعالیٰ ایسی جنتیں عطا کرتا ہے جن کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے۔

سوال 4: وَالْكٰفِرِيْنَ الْعٰقِبِيْنَ ”اور غصے کو پینے والے“ غصہ کیا ہے؟

جواب: غصہ ایک ردِ عمل ہے۔ اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ انسان کے خون میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کے افعال اس کے قابو میں نہیں رہتے۔ چہرے پر اس کے آثار نظر آتے ہیں، آنکھیں چڑھنے لگتی ہیں، نتھنے پھولنے لگتے ہیں، سانس پھولنے لگتا ہے اور انسان کی زبان بلا روک ٹوک بولنے لگتی ہے۔ غصہ بڑھ جانے کی صورت میں انسان توڑ پھوڑ بھی کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ ایسی حالت میں بعض اوقات لوگ دوسروں کو قتل تک کر ڈالتے ہیں۔ کئی شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔ کچھ لوگ بیوی بچوں کی پٹائی کر ڈالتے ہیں۔ غرض انسان غصے میں انسان نہیں رہتا۔

سوال 5: غصے کو پینے کی کون سی صورتیں ہیں؟

جواب: 1- انسان دوسرے سے انتقام لینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ظاہری طور پر غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن اندر حسد بن کر چھپ

جاتا ہے اور دل کے اندر گہری دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ 2۔ غصے کو دل میں چھپانے سے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ دل کے اندر کینے کی آگ شلگنے لگتی ہے۔ 3۔ انسان دوسروں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہو لیکن دل و جان سے معاف کر دیتا ہے، درگزر کرتا ہے تو دل پر غصے کی وجہ سے جو پردہ پڑتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے۔ انسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے، ضمیر پرسکون ہو جاتا ہے اور روح ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔

سوال 6: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ”اور غصے کو پینے والے“ غصے کو پینے کی کون سی صورت افضل ہے؟

جواب 1: غصے کو پینے کی افضل صورت یہ ہے کہ غصہ آئے تو معاف کر دیں، درگزر کریں اور دل میں کینہ نہ رکھیں۔

2۔ غصے کو پینے والے لوگوں کی برائیوں اور زیادتیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ غصے میں آپے سے باہر ہونا تو درکنار غصے کو ظاہر بھی نہیں ہونے دیتے۔

سوال 7: مومن غصے کو کنٹرول کیسے کر سکتا ہے؟

جواب 1: غصہ پینے پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید باندھنے والا باذن اللہ غصے کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان غصہ میں مجھے یاد کر لیا کرو جب مجھے غصہ آئے گا تو تم مجھے بھی یاد آ جاؤ گیا ورنہ میں ہلاک کرنے والوں کے ساتھ میں تجھے ہلاک نہیں کروں گا۔ (ابن ابی حاتم) 3۔ جب غصہ دلا یا جا رہا ہو تو انسان اپنے شعور کے دروازے کھلے رکھے۔ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اس لیے کہ غصہ شیطانی فعل ہے، جب غصہ آ جائے تو: i۔ پانی پی لے، یہ غصے کی آگ کو بجھاتا ہے۔ ii۔ اپنی حالت بدل لے یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح غصہ چلا جائے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (مشکوٰۃ: 434) iii۔ جگہ بدل لے یعنی اس جگہ سے اٹھ جائے یا چلا جائے چاہے تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو۔ iv۔ وضو کر لے، یہ طریقہ انتہائی مفید ہے۔ اس میں حالت بھی بدلتی ہے، جگہ بھی بدلتی ہے اور سوچ بھی بدلتی ہے۔ انسان اپنے منہ میں اور ناک میں اور مختلف اعضاء پر پانی ڈالتا ہے جس کی وجہ سے سکون ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو کیفیت بدل جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ غصہ شیطان سے ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے سو تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وضو کرے۔ (سنن ابوداؤد) 4۔ غصہ آنے کے بعد جب کنٹرول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ i۔ جس پر غصہ آیا ہو اس کو معاف کر دے۔

سوال 8: غصے کے بارے میں نبی ﷺ کی احادیث بیان کریں؟

جواب: 1- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پہلوان وہ نہیں جو کشتی لڑنے میں غالب آجائے بلکہ اصلی پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پالے۔“ (بخاری: 6114) 2- کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے۔ (مسند احمد: 373/5) 3- سیدنا سہیل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی ضبط کر لے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی حور عین میں سے جسے چاہے منتخب کر لے۔ جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کی وجہ سے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا عہلہ قیامت کے دن پہنائے گا۔ جو کسی کا سر چھپائے اللہ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا۔“ (ابوداؤد: 4777) 4- جس نے قدرت کے باوجود غصہ پی لیا اللہ تعالیٰ اس کا سینہ نورا اور ایمان سے بھر دیں گے۔

سوال 9: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ”اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں“ دوسروں کے قصور معاف کرنا کب آسان ہوتا ہے؟

جواب: 1- دوسروں کے قصور معاف کرنا تب آسان ہوتا ہے جب مومن اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید باندھتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، یہ غلطی مجھ سے ہو جاتی تو مجھے دوسرے سے کیا توقع ہوتی۔ 2- جب مومن یہ سوچتا ہے کہ میں دن رات خطائیں کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہوں تو اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے۔ 3- جب مومن یہ سوچتا ہے کہ معاف کر دینے کا اجر بہت بڑا ہے۔ 4- جب مومن یہ سوچتا ہے کہ معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

سوال 10: عَفْوٌ وَرُغْرٌ رَكَعَ بَارِعَ فِي تِنِّ احاديث لکھیں؟

جواب: 1- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ مال میں کسی نہیں کرتا اور بندے کے معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتا ہے۔“ (مسلم: 6592) 2- سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم مہربان ہو جاؤ تمہارے اوپر مہربانی کی جائے گی۔ تم معاف کرو تمہیں بخش دیا جائے گا۔“ (مسند احمد: 6541)

3۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم خادم کو کس قدر معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے پھر سوال کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر جب تیسری بار پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ہر روز ستر بار معاف کرو۔ (ابوداؤد: 5164)

سوال 11: وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ”اور اللہ تعالیٰ نیک کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“ اس کا مومن پر کیا اثر ہوتا ہے؟
جواب: 1۔ اس اعلانِ محبت کی وجہ سے مومن کے دل سے نیکی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ 2۔ مومن کے دل میں نیکی کے لیے جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے لیے عنف و درگزر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ 3۔ اس خوشی میں مومن کے دل میں اپنے بھائی کے لیے حسد اور کینہ نہیں رہتا۔ 5۔ اس کی وجہ سے ایمان کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے، آپس میں اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ 6۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اس سے ایک جماعتی زندگی کا احساس بیدار ہوتا ہے جس میں عنف و درگزر عام ہوتا ہے۔
سوال 12: محسن سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1۔ محسن سے مراد ہے احسان کرنے والا ہے۔ 2۔ جو معاملات کو خوبی کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔ 3۔ محسن سے مراد مخلص ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے ہر عمل کو خالص کرتے ہیں۔ 4۔ احسان کی دو قسمیں ہیں: 1۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں احسان۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ احسان

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا أَفْجَسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ ذُنُوبَهُ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى
لَمْ يَصِرْ ذَا عِلْمٍ مَّا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (135)

وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔ (135)

سوال 1: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا أَفْجَسَةً ”وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں“ اس سے کیا مراد ہے؟
جواب: ہر برے اور بے شرمی کے کام کو فحش کہتے ہیں۔ فحش گوئی، فحش بینی، فحش سننا، میل ملاقات میں اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال نہ رکھنا، لباس میں حیاء کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، اراداً فحش گونینا مثلاً مسخرہ پن وغیرہ۔

سوال 2: فحش کے بارے میں نبی ﷺ کی تین احادیث لکھیں؟

جواب: 1- سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں بے ہودگی ہوگی اسے عیب دار کر دے گی اور جس چیز میں حیا ہوگی اسے وہ خوبصورت بنا دے گی۔ (ترمذی: 1974) 2- سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن نہ طعن و تشیع کرتا ہے، نہ لعنت اور نہ فحش کلامی کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بد زبان۔ (ترمذی: 1977)

سوال 3: انسان سے فحش کام کب سرزد ہوتے ہیں؟

جواب: 1- جب انسان کو موت اور آخرت کی زندگی یعنی اپنا حساب کتاب یاد نہ رہے۔

2- جب انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو۔ 3- محفل میں بیٹھے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا جا رہا ہو۔ 4- جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پھیکا پڑ جائے۔ 5- جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا شعوری احساس نہ رہے۔

سوال 4: اَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ”اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں“ اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں“؛ واجب کو چھوڑ کر یا حرام کام کر لیا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔ (ایبیر القاسم: 206)

سوال 5: ذِكْرُوا اللَّهَ ”وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے“ انسان اپنے اوپر ظلم کرنے سے کیسے رُک سکتا ہے؟

جواب: 1- اپنی موت کو یاد کر کے۔ 2- اپنے انجام کو یاد کر کے۔ 3- اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھ کے۔

4- اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچ کے۔

سوال 6: ذِكْرُوا اللَّهَ ”تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں“ اس کے وعدوں اور وعیدوں، اور اس کے امر و نہی، اور اس کی عظمت و جلال کو یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر المیز: 407/2)

سوال 7: فَاسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ تَابُوا مِنْكُمْ ”پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں“ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کون مانگ سکتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی وہ مانگ سکتا ہے جس سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اور فوراً اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ 2- اکثر محمد شین نے کہا ہے کہ اس سے مراد محض زبان سے استغفار نہیں ہے استغفار

تو خالص توبہ ہے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی وہ مانگ سکتا ہے جس کے اندر تکبر نہ ہو۔ 4۔ جو اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہو۔ 5۔ جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف کر سکتا ہے۔

سوال 8: وَمَنْ يَفْعُرْ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ”اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اے اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (مسند احمد) ”اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے“ 2۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہیں سے جو شخص کامل وضو کر کے اشہد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے 3۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آنسیدنا ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے (بخاری مسلم) 4۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ ابلیس نے اپنے رب سے کہا تیری عزت و جلال کی قسم! میں بنی آدم کو جب تک ان کی سانس چلتی رہے گی گمراہ کرتا رہوں گا تو اللہ نے کہا میرے عزت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت چاہتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔ (مسند احمد) 5۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا آپ نے فرمایا توبہ کر لے اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا فرمایا پھر توبہ کر لے اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا فرمایا استغفار کر اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہو فرمایا استغفار کئے جا یہاں تک کہ شیطان تھک جائے پھر فرمایا گناہ کو بخشا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ 6۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد ﷺ کی طرف توبہ نہیں کرتا ”یعنی اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں“ آپ نے فرمایا اس نے حق دار کو پہنچایا۔ (مسند بزار) 7۔ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا: لوگو تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا لوگو تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا باتیں بنانے والوں کی ہلاکت ہے گناہ پر رحم جانے والوں کی ہلاکت ہے۔ (مسند احمد)

سوال 9: وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ وَلَا تَحْزَنْهُمْ حَبًّا وَلَا نَبَاتًا ”اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے“ اپنے گناہ

پر اصرار کون کرتا ہے؟

جواب: 1- اصرار کے معنی ہیں گناہ پر توبہ نہ کرنا بلکہ اڑ جانا، بے نیازی سے گناہ کرتے جانا اور ان پر پشیمانی کا اظہار کر کے توبہ نہ کرنا، دل کی سچائی سے توبہ کرنے کے بعد گناہ ہو جائے تو اسے اصرار نہیں کہتے۔ 2- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں بے باکی کے ساتھ غرق ہو جانے والا اصرار کرتا ہے۔ 3- سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ سے مغفرت مانگ لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا چاہے وہ دن میں سو بار اس کا ارتکاب کرے۔ (جامع ترمذی: 3559)

سوال 10: وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَّعْتَبُوْنَ” اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- ”اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے“ قنادہ نے کہا اصرار سے بچو، ماضی میں اصرار کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف اس حرام سے نہیں روکتا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا، اور وہ گناہ پر توبہ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں موت آجاتی تھی۔ (تفسیر جامع البیان: 101/4)

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا فَعَلُوا مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتْ نَجْرِي مِّن مَّتَابِهَا إِلَّا لَهَا رُحُلٌ لِّبَيْنِ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِ بَيْنَ (136)

یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا! (136)

سوال 1: أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا فَعَلُوا مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتْ ”یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور جنتیں ہیں“ اللہ تعالیٰ ایک خطا کار انسان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ انسان کی شخصی کمزوریوں سے واقف ہے کہ اس سے غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ وہ اس کی کمزوریوں کا لحاظ کرتا ہے تاکہ اس کے اندر مایوسی پیدا نہ ہو اور امید کا دیار روشن رہے۔ 2- اللہ تعالیٰ انسان کے میلانات سے واقف ہے۔ اگر اس کے اندر حیوانی میلانات ہیں تو دوسری طرف اس کے اندر رب کی طرف جھکنے کا رجحان بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ گندگی میں مبتلا ہونے پر اس کو اوپر اٹھاتا ہے، اُس کے پھسلنے پر اُسے تھکی دیتا ہے، گرنے پر اُسے اٹھاتا ہے اور اس شرط پر کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور جان بوجھ کر اپنی غلطی پر نہ اڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ 3-

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تھوڑا عمل کیا مگر ان کو بہت زیادہ اجر عطا ہوا۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: توبہ کا دروازہ کھول کر اللہ تعالیٰ نے خطا کاری کا دروازہ کیسے بند کیا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول کر شرمندہ ہونے والے انسان کی حوصلہ افزائی کی ہے، گناہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ 2- اللہ تعالیٰ توبہ کے لیے آمادہ کرتا ہے لیکن گناہوں کے سلسلے میں لاپرواہی کی اجازت نہیں دیتا۔ 3- اللہ تعالیٰ مسلسل خطا کاری کو شکار بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ 4- یہ دین اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے توبہ کا دروازہ کھولتا ہے۔ کمزور مخلوق وقتی طور پر برائیوں اور گمراہیوں کے گڑھے میں کیوں نہ جا کرے، خطاؤں میں، گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان کو یہ دین بے آسرا نہیں چھوڑتا، اپنے انجام کے بارے میں مایوس بھی نہیں چھوڑتا۔ اسے ہر وقت مغفرت کی امید دلائی جاتی ہے۔ اس کی راہ نمائی کی جاتی ہے۔ اس کو سہارا دیا جاتا ہے۔ اس کو گناہ گارانہ زندگی چھوڑنے کے لیے امید دلائی جاتی ہے اور اس طرح اُسے راستہ مل جاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے باہر آنے کے لیے استغفار اور امید کا دامن تھام لیتا ہے اور یوں گناہوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

سوال 3: غزوہ اُحد کے واقعات کے درمیان مسلمانوں کی نفسیاتی خصوصیات پر بات کی گئی۔ ان نفسیاتی خصوصیات کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس مقام پر ان کا تذکرہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ان صفات کا غزوہ اُحد یعنی اسلام اور کفر کی جنگ سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے درمیان خاص مناسبت ہے۔ جیسے سود خوری کی وجہ سے میدان جنگ میں مسلمانوں نے شکست کھائی تھی یعنی مالِ غنیمت کی حرص کی وجہ سے تیر اندازوں نے دڑھ چھوڑ دیا تھا اور فتحِ شکست میں بدل گئی تھی، اسی طرح دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات پر فتح حاصل کرنا ضروری ہے۔ اپنی ذات پر فتح پانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے:

کوشش (Struggle)	نتیجہ (End Result)
1- ہر حال میں مال خرچ کرنا (خوش حالی اور تنگ دستی میں)	1- کنبجوسی پر فتح یاب ہونا۔
2- غصے پر قابو پا کر لوگوں کو معاف کر دینا۔	2- غصے پر فتح پالینا۔
3- بے حیائی یا گناہ کا کام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یاد آ جانا۔	3- نفس پر فتح پانا۔

4- گناہ کرنے کی بجائے کنٹرول کر لینا۔	4- Alarming system کا activate ہونا جس کی وجہ سے گناہوں کا بروقت احساس ہوتا ہے۔ اس شدید احساس سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔
5- خواہش پر فتح پانا۔	5- خواہشاتِ خطاؤں کی طرف لے جانے لگیں تو پلٹ آنا۔
6- اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔	6- خطاؤں اور گناہوں پر اصرار کی بجائے شرمندہ ہونا، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا، گناہوں کی طرف لپکنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا۔
7- تکبر پر فتح پانا۔	7- اپنی ذات کی بے بسی کی طرف توجہ کرنا اور عاجزی کی روش اختیار کرنا۔
8- اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہونا۔	8- دنیا طلبی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہونا۔
9- نفس کی رضا پر فتح پالینا۔	9- خواہشاتِ نفس پر کنٹرول پا کر، اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کی کوشش کرنا، اس کی قدرتوں کو شعوری طور پر محسوس کر کے اور اپنے آپ کو ہر وقت اس کی گرفت میں سمجھتے ہوئے۔
10- اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہونا۔	10- اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کو ہی اپنے لیے سب سے زیادہ ضروری خیال کرنا۔

یہ جنگِ مومن کے اندر جاری رہتی ہے۔ وہ اپنے اوپر فتح یاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر بھی فتح حاصل کر لیتا ہے۔ سوال: 4: اسلام دشمنی کے بنیادی اسباب کیا تھے جن کی بناء پر غزوہ احد میں قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے؟

جواب: اسلام اور کفر کے درمیان بنیادی فرق عقائد اور رویوں کا تھا جو ان کے ماننے والوں کے درمیان تھا۔ اس فرق کا ہم

موازنہ کر سکتے ہیں:

(مسلمان)	(کافر)
1- خدا پرست۔ اپنی خواہشات کو کنٹرول کرنے والے۔	1- خواہش پرست
2- اپنی ذات اور اپنی زندگی کے نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات، اس کی شریعت اور اس کے پسندیدہ نظام زندگی کے پیروکار تھے۔	2- اپنی ذات اور اپنی زندگی کے نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات، اس کی شریعت اور اس کے پسندیدہ نظام زندگی کے پیروکار نہیں تھے۔
3- اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار۔	3- اللہ تعالیٰ کے نافرمان۔
4- اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے۔	4- اللہ کے رسول ﷺ کے دشمن۔

5- گناہ کرنے کے مقابلے میں ضبط کرنے والے۔	5- خطا کار، گناہ گار۔
6- بے حیائی کے کاموں سے رکنے والے۔	6- بے حیا۔
7- غصے پر قابو پا کر لوگوں کو معاف کر دینے والے۔	7- غصے کے بعد انتقام میں اندھے ہو جانے والے۔
8- اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے۔	8- اپنی خواہشات کی طرف رجوع کرنے والے۔
9- اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کو نصب العین بنانے والے۔	9- اپنی اور اپنے جیسے انسانوں کی رضا کو نصب العین بنانے والے۔
10- کجوسی پر فتح یاب ہونے والے۔	10- بخل کی نمائندگی کرنے والے۔

مسلمانوں اور کافروں میں دشمنی کی یہی بنیادی وجوہات ہیں اور یہی وجوہات تھیں جن کی بناء پر معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ رہتی دنیا تک اسلام اور کفر کے درمیان انہی بنیادوں پر جنگ جاری رہے گی۔

سوال 5: تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدِينَ فِيهَا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- تو بہ کرنے والوں کے لیے مغفرت اور جنت ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ 2- جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی، جہاں کوئی دکھ، کوئی غم، کوئی حسرت، کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ 3- جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، کبھی دلیس نکالائیں دیا جائے گا۔ 4- جہاں کی نعمتوں کو کبھی زوال نہیں آئے گا، جہاں کسی کی خوشیوں کو غم نہیں ڈسیں گے، جہاں کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، جہاں کسی کی جوانی کو کبھی بڑھا پائیں آئے گا، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سوال 6: وَيُنْعِمُ أَجْرًا الْعَمِلِينَ” اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اور کیسا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا!“، مقاتل بن حیان کا قول ہے: اجر العالین: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کا بدلہ جنت ہے۔ (فتح القدر: 1/486) 2- أَجْرُ الْعَمِلِينَ: ”عمل کرنے والوں کا بدلہ“ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تھوڑا عمل کیا مگر ان کو بہت زیادہ اجر عطا ہوا۔ مشقت برداشت کرنے کے بعد ہی راحت کی امید ہوتی ہے اور جزا کے وقت ہی عمل کرنے والوں کو اپنے عمل کا پورا اور وافر بدلہ عطا ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی)

قَدْ حَكَّمْتُ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَّتٌ فَمَسِيرُوهَا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ (137)

تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں، سو تم زمین میں چل کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (137)

سوال 1: قَدْ حَكَّمْتُ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَّتٌ” تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

1- ”سُنَّتٌ“ سنت کی جمع ہے وہ سیرت اور طریقہ ہے جس پر فرد اور جماعت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنن سے مراد اپنی مخلوق کے بارے میں اس کے طریقے اور اس کا قانون جو ماضی میں مخلوق کے بارے میں جاری رہا۔ (ایسر النفاہ: 208) 2- یہاں پہلے لوگوں کے طریقے سے مراد رسولوں کو جھٹلانا، ان کے احکامات کی نافرمانی کرنا ہے۔ 3- مجاہد کا قول ہے: قَدْ حَكَّمْتُ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَّتٌ سے مراد کافروں اور مومنوں اور خیر و شر کے طریقے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 4/104)

سوال 2: اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت کیا ہے؟

جواب: 1- دنیا میں لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ 2- اس دنیا میں لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ ان کی روح خالص ہو جائے۔ 3- ان کے صبر کو آزمایا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے ان پر مصیبتوں اور آزمائشوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ 4- جو صبر سے کام لیتے ہیں انہیں فتح نصیب ہوتی ہے۔ 5- اور جو لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں اور کفر کا رویہ اختیار

کرتے ہیں انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

سوال 3: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ”تم سے پہلے بھی بہت سے طریقے گزر چکے ہیں“ مسلمانوں کو یہ بات کیوں کہی گئی؟
جواب: مسلمانوں نے غزوہٴ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم خلاف ورزی کی تھی۔ آپ ﷺ نے جن تیر اندازوں کو غزوہٴ اُحد میں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا تھا اس مقصد کے لئے کہ جو گھڑ سوار ادھر سے آئیں انہیں پیچھے دھکیل دیں اور فتح ہو یا شکست اپنی جگہ سے نہ ٹھیں۔ پھر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو اس دستے کے افراد میں اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے ایک گروہ کا یہ خیال تھا کہ اب جنگ ختم ہو گئی ہے لہذا یہاں رہنا ضروری نہیں۔ وہ درڑے سے ہٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے دس افراد باقی رہ گئے۔ اس موقع سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے نئی بات نہیں، اس سے پہلے بھی لوگ رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔

سوال 4: قَسِيْرًا فِي الْاَمْرٰی ”سو تم زمین میں چل کر دیکھو“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”سو تم زمین میں چل کر دیکھو“ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ ہلاک ہونے والوں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔

سوال 5: فَانظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْفِرِيْنَ ”سو تم زمین میں چل کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔“ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کے انجام کی طرف توجہ کیوں مبذول کروائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کا انجام اس لئے سامنے رکھا ہے تاکہ لوگ رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے سے بچ جائیں۔

سوال 6: گزشتہ اقوام کا انجام دیکھنے کا ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

جواب: 1- زمین پر انسانی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس زمین پر واقعات کے فیصلے کس بنیاد پر ہوتے ہیں۔ 2- انسان کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام کس قدر پختہ ہے جس کے تحت یہ واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ 3- یہ پتہ چلتا ہے کہ ان واقعات کی روانی میں آئندہ کے لیے کیا لائن ہے۔ 4- اب اللہ تعالیٰ کی ہدایات آجانے کے بعد مسلمانوں کی جانب سے ایسے واقعات ہونے چاہئیں کہ انہیں کامیابی حاصل ہو اور مسلمانوں کی طرف سے پہلا کام اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ 5- یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا جو انجام کل ہوا تھا وہی انجام آج بھی ملے ہے تاکہ اُمت کے افراد اپنے انجام کے بارے میں مطمئن اور یک سو ہو جائیں اور جھٹلانے والوں کے ساتھ پھسل نہ جائیں۔

6- کوئی قوم ایسی نہیں جہاں اللہ کا پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ وَإِنْ قَبْلُ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ایک خبردار کرنے والا گزرا ہے۔ (فاطر: 24) 7- جب تک کوئی قوم اپنے پیغمبر کی تعلیمات پر عمل پیرا رہتی ہے تو یہ اس کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے اور جب یہی قوم عیش و عشرت اور فحاشی و بے حیائی اور معصیت کے کاموں میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کا نام ان کی زبان میں تہذیب ہوتا ہے تو اس پر تدریجاً زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن 310/1)

هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (138)

لوگوں کے لیے یہ بیان ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (138)

سوال 1: هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ”لوگوں کے لیے یہ بیان ہے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”لوگوں کے لیے یہ بیان ہے“ اس سے مراد یہ ہے کہ تاریخی واقعات جو قرآن حکیم میں بیان ہو رہے ہیں، عام لوگ جن کے پاس کوئی علمی ذخیرہ نہیں ہے ان کے لیے تو علمی بیان ہے۔ یہ قرآن انسانیت کے لیے ایک دور رس انقلاب ہے اور جب تک یہ قرآن بیان نہ کیا جائے یہ انقلاب نہیں آسکتا۔

سوال 2: وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ”اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے“ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب 1: ”اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے“ اس لیے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے دل ہدایت کے لیے کھلے ہوتے ہیں، وہی ہدایت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ 3- سچائی اور حق کو قبول کرنے کے لیے ہدایت اس صورت میں مل سکتی ہے جب دل ایمان اور یقین سے بھر جائے۔ 4- ایمان اور تقویٰ ہی سے انسان حق کے راستے کی تکلیفیں برداشت کر سکتا ہے۔

سوال 3: قرآن حکیم متقیوں کے لیے کیسے ہدایت اور نصیحت ہے؟

جواب 1: متقیوں کے لئے قرآن مجید ہدایت اور نصیحت ہے۔ اس میں پچھلے لوگوں کے حالات سے ہدایت دی گئی اور ان جیسے طرز عمل سے بچنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ 2- ”لوگوں کے لیے یہ بیان ہے“ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو جنگ کرنے کے لیے آئے تھے اور عام مکذبین بھی۔ (تفسیر انوار البیان: 553/1) 3- موعظہ مومن کی ایسی نصیحت ہے جس کی وجہ سے دوسرا مومن کامیابی کے نجات کے راستے پر چلتا ہے۔ 4- موعظہ: جس کی وجہ سے دلوں کو نرم کیا جاتا ہے اور اطاعت کرنے کی

دعوت دی جاتی ہے۔ (تفسیر المیز: 421/2)

وَلَا تَهْتَبُوا وَلَا يَحْزَنُوا وَلَا أَنْتُمْ إِلَّا عُلُونَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (139)

اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ (139)

سوال 1: وَلَا تَهْتَبُوا وَلَا يَحْزَنُوا وَلَا أَنْتُمْ إِلَّا عُلُونَ ” اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- الوهن: رائے، عمل اور امور کے انجام دینے میں کمزور پڑنا۔ (تفسیر المیز: 421/2) 2- وَلَا تَهْتَبُوا: کفار سے جنگ کرنے میں کمزور نہ پڑو۔ 3- وَلَا تَهْتَبُوا: تم کمزور نہ پڑو اور نہ جہاد سے ہی بیٹھ جاؤ گے (ایسر التفاسیر: 209) 4- وَلَا يَحْزَنُوا: اور نہ غم کرو جو تمہارے مرد میں سے چلے گئے (ایسر التفاسیر: 209) 5- وَأَنْتُمْ إِلَّا عُلُونَ ” اور تم ہی غالب رہو گے“ قنادہ کا قول ہے: یعنی اصحاب محمد ﷺ انہیں اپنے دشمن سے جنگ کی ترغیب دلائی ہے اور انہیں عاجز اور کمزور پڑنے سے روکا ہے۔ (تفسیر جامع البیان: 106/4) 6- إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ” اگر تم مومن ہو“ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے ایک کلیہ بیان فرما دیا کہ اگر تم فی الواقع مومن ہو اور مست اور غمزہ ہونے کی بجائے اللہ پر توکل اور صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہیں غلبہ عطا کرے گا اور اگر تم مغلوب و مقہور ہو تو وہ وجہ تلاش کرو جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 310/1)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے الْوَهْنُ کے بارے میں کیا وضاحت فرمائی ہے؟

جواب: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ” آدمی اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔“ اسی مسند احمد میں مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ” ڈر ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گی۔ جس طرح کے بھوکے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہاری کثرت ہوگی، لیکن تمہاری حالت اس وقت سیلاب کے خس و خاشاک جیسی ہوگی تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا۔ اور تمہارے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔“ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بزدلی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حُبُّ الْحَيَاتِ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ ” زندگی سے محبت اور موت کا ڈر۔“ (مسند احمد: 278/5 سنن ابی داؤد: 4297)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا راز کس کو فرمایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا راز ایمان کو قرار دیا ہے کہ اگر ایمانی قوت موجود ہے تو غلبہ تمہارا ہے۔

سوال 4: غزوة احد میں شکست کے بعد دل شکستگی اور مایوسی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا ہدایات دیں؟
جواب: غزوة احد میں شکست کے بعد دل شکستگی اور مایوسی سے بچانے کے لئے فرمایا گیا جو مصائب پیش آرہے ہیں اور جو مفادات تم سے چھوٹ گئے ہیں ان پر غم نہ کرو، ان پر ہمت نہ بارو، تم غالب ہو اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھکتے۔ تمہارا نظام حیات افضل ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ تمہارا کردار اعلیٰ ہے اس لیے کہ تم پوری انسانیت کے لیے راہ نما ہو۔ اس زمین پر تمہارا مقام بلند ہے اس لیے کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد باندھ رکھا ہے اور دوسرے لوگوں کا کوئی عہد نہیں۔ اگر تم سچے مؤمن بنو تو تم دنیا میں سر بلند رہو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار ہے کہ کبھی تم پر مصیبت آئے گی اور کبھی تم کامیاب رہو گے تاکہ کھوٹے اور کھرے کے درمیان فرق ہو جانے کے بعد تمہارا انجام اچھا ہو۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے سُست پڑنے اور غم کھانے سے روکا ہے۔ ان دو کیفیات کا خاص طور پر یہاں کیوں ذکر کیا گیا؟
جواب: یہاں ان دو کیفیات کا اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ شکست کے بعد اس کا غم لاحق ہو جاتا ہے اور غم سست کر دیتا ہے۔ یہ میدان جنگ میں شکست کے بعد دلوں کی شکست ہے۔ شکست خوردگی جو انسان کے نفس کو لاحق ہو جاتی ہے انسان کو اٹھنے نہیں دیتی، بے عمل کر دیتی ہے جبکہ ایمان عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کیفیات سے باہر نکالا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب رہو گے لہذا نہ سست پڑو نہ غم کھاؤ۔

سوال 6: اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ”اگر تم مومن ہو“ اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا اصل راز کسے قرار دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے غلبے اور قوت کا اصل راز ایمان کو قرار دیا ہے کہ اگر ایمانی قوت موجود ہے تو غلبہ تمہارا ہے۔

اِنْ يَسْأَلْكُمْ فَرِحْ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ فَرِحٌ مِّثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْآيَاتُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ اَلَّذِينَ
اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (140)

اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو انہیں بھی یقیناً اس جیسی چوٹ لگ چکی ہے اور یہ دن ہیں جنہیں ہم انہیں لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہید بنا لے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (140)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے مکر سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ جب عورتوں پر اُحد کے دن (غلط بات مشہور ہونے کے بعد) صورت حال کی تحقیق میں دیر ہوئی تو وہ معلومات کرنے کے لیے نکلیں دیکھا کہ دو آدمی اونٹ پر آرہے ہیں تو ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کیا اطلاع ہے ان سواروں نے کہا کہ آپ زندہ ہیں تو وہ عورت بولی اگر رسول اکرم ﷺ سلامت ہیں تو اب کسی بات کا فکر نہیں اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے اپنے بندوں کو شہید کر دے تو اسی عورت کے الفاظ کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیت وَیَسْجُدْ وَنُكَلِّمُ شَاهِدًا آء نازل ہو گئی۔ (ابن ابی حاتم: 774/3)

سوال 2: ایمان والوں کو کس چیز سے جانچا جاتا ہے؟

جواب: ایمان والوں کو صبر و استقامت سے جانچا جاتا ہے کیونکہ صبر اور استقامت ایمان کا تقاضا ہے۔

سوال 3: اِنْ یَسْئَلْکُمْ فَرِّجْ "اگر تمہیں چوٹ لگی ہے، یہاں کون سی چوٹ کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: یہ وہ چوٹ ہے جو اہل اسلام کو اُحد کے میدان میں لگی تھی۔

سوال 4: فَفَقَدَ مَسَّ الْقَوْمَ زَرْحٌ مِّثْلَهُ "تو انہیں بھی یقیناً اس جیسی چوٹ لگ چکی ہے" اللہ تعالیٰ نے زخم خوردہ لوگوں کے دلوں پر کیسے مرہم رکھا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زخم خوردہ لوگوں کے دلوں پر دبیل کا مرہم رکھا ہے کہ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف بھی زخمی ہو چکے ہیں۔ کافر قوم کو لگنے والی چوٹ سے مراد غزوة بدر ہے جس میں مسلمان صحیح سلامت رہے جبکہ 70 کافر قتل ہوئے اور 70 ہی قید ہوئے۔

سوال 5: وَتِلْكَ الْآيَاتُ نُنَادُوا لَهَا بَيْنَ النَّاسِ "یہ دن ہیں جنہیں ہم انہیں لوگوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں" اللہ تعالیٰ دنوں کو لوگوں کے درمیان باری باری بدلتا کیوں رہتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ دنوں کو لوگوں کے درمیان اپنی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے باری باری بدلتا ہے۔ 1- انسان جب سختی اور کشادگی کی مختلف کیفیات سے گزرتا ہے تو اس کے اندر کی چھپی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔ 2- لوگوں کے مزاج کا پتہ چل جاتا ہے۔ 3- یہ پتہ چل جاتا ہے کہ: کون خالص ہو چکا ہے اور کس کے اندر میل کچیل موجود ہے؟ ii- کون جلد باز ہے اور کون ثابت قدم؟ iii- کون اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور کون مایوس ہو جاتا ہے؟ iv- کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو

جاتا ہے اور کون ہے جو سرکشی اور خود سری کا رویہ اختیار کرتا ہے؟ 4۔ اس طرح انسانوں کے اندر کی کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ 5۔ زندگی کے نشیب و فراز ایسی کسوٹی ہیں جس کا نتیجہ غلط نہیں ہوتا۔

سوال 6: اُحد کی شکست میں مستقبل کے لئے کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں؟

جواب: اُحد کی شکست اگرچہ مسلمانوں کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی لیکن اس میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ یہ شکست اس لئے تھی: 1۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے۔ 2۔ تاکہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ شہادت کے درجے پر فائز کرے۔ 3۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو الگ کر دے۔ 4۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹا دے۔

سوال 7: وَيَسْتَخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ”اور تم میں سے بعض کو شہید بنالے“ شہید کسے کہتے ہیں؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جانے والا۔ عبد اللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ حنظلہ بن ابی عامر لڑتے ہوئے ابوسفیان کے پاس جا پہنچے وہ اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شہاد بن اسود نے حنظلہ پر تلوار کا وارک کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ”تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس کی بیوی سے (اس کی وجہ) پوچھو۔ بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ جب حنظلہ نے معرکہ آرائی کا سنا تو اس پر غسل واجب تھا لیکن وہ اللہ کے راستے میں اسی حالت میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی وجہ سے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔ (متدرک حاکم: 4917) 2۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد جب (غزوہ احد) میں شہید ہوئے تو میں بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا تھا اور روتا تھا تو لوگ مجھے منع کرتے تھے مگر نبی ﷺ مجھے منع نہ فرماتے تھے۔ پھر میری پھوپھی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم روؤ یا نہ روؤ، فرشتے براہِ ان پر اپنے پروں سے سایہ کیے رہے، یہاں تک کہ تم نے انہیں (میدان جنگ سے) اٹھایا۔“ (صحیح بخاری: 1244)

سوال 8: وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ”اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میدان جنگ میں اگر ان کی طرف سے تمہیں زخم پہنچے تو یہ تو اس وجہ سے کہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہو جائے اور تم میں سے کچھ لوگ شہادت کے درجے پر فائز ہو جائیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں سے محبت نہیں رکھتا۔ 2۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد

منافق ہیں جو اپنی زبانوں سے اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور دل ان کے نافرمانی پر اصرار کرتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 4/111)

وَلِيْبِيْصَ اللّٰهُ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَسَّخِرَ الْكٰفِرِيْنَ (141)

اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کر لے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔ (141)

سوال 1: وَلِيْبِيْصَ اللّٰهُ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خالص کر لے جو ایمان لائے۔ تمحیص سے کیا مراد ہے؟
جواب 1: تمحیص سے مراد اختیار کرنا، چن لینا، تطہیر اور خالص کرنا ہے۔ 2- تطہیر اور خالص کرنے سے مراد گناہوں سے پاک اور صاف کرنا ہے۔ (فتح القدیر) 3- اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو منافقین سے پاک کرتا ہے اور وہ منافقین سے الگ ہو جاتے ہیں اور وہ منافق اور مومن کو پہچان لیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: وَيَسَّخِرَ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کو مٹا دے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو کیسے مٹاتا ہے؟

جواب: کافروں کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ وقتی فتح سے انہیں تکبر اور سرکشی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہی چیز ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ وَيَسَّخِرُ: اور (کافروں) کو مٹا دیا، اللہ تعالیٰ کفر اور کافروں کے آثار مٹا دیتا ہے (ایسر التفاسیر: 208)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَكَمْ يٰعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الصّٰدِقِيْنَ (142)

یا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تاکہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو۔ (142)

سوال 1: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ ”یا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے“ اس سے کس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: یعنی یہ نہ سمجھ لینا اور نہ تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تم کسی مشقت اور اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لیے کوئی تکلیف اٹھائے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے اس لیے کہ جنت بلند ترین منزل مقصود اور سب سے افضل مقام ہے جس کے حصول کے لیے مسابقت کی جاتی ہے۔ مطلوب مقصود جتنا زیادہ بڑا ہوگا وہاں تک پہنچانے والا وسیلہ اور عمل بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ پس ایک راحت کو چھوڑ کر ہی دوسری راحت تک پہنچا جاسکتا ہے اور نعمت کو ترک کر کے ہی دوسری نعمت حاصل کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: جنت انسان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب: 1- جنت میں داخلہ ایسی چیز نہیں جو محض خیال اور خواہش کی بنیاد پر ہو جائے اس کے لیے کوشش شرط ہے۔ 2- جنت میں داخلے کی کم از کم شرائط جہاد اور صبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاد اور صبر کے مواقع دے کر ایک انسان کی خواہش کی حقیقت کو دیکھتے ہیں۔ 3- جنت انسان کو صبر اور جہاد کے بدلے میں نصیب ہو سکتی ہے۔

سوال 3: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ ” حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تاکہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزمائش لازم ہے اور اس آزمائش میں اللہ رب العزت کو یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ صبر کرنے والے کون ہیں جیسا کہ فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتَّخَلَّوْا بِالْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَيَا تُعْلَمُ الَّذِينَ خَلَّوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مُسْتَهْزِئِينَ وَاللَّهُ آءُؤُذُنٌ لِدَاحِيٍّ يُفْقَرُ النَّوْصُورُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصَرَ اللَّهُ لَأَن تَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ يَأْتُمُ نَ الْغَمَانِ كَرُكْرَكِهِ تَمَّ جَنَّتْ مِثْلِ دَاخِلٍ هُوَ جَاؤُكَ هَ الْهَالِكَةُ اِبْهِي تَمَّ پَرَانِ لُوْغُوں جِيسَ هَالَاتِ نَبِيں آءُ جَمَّ سَ سِہْلَ كَرُكْرَكِهِ اُنْ كُوَسْتَنَكْ دَسْتِ اُوْر تَكْلِيْفِ بِيْجَنِي اُوْر وَهْ بَرِي طَرَحِ هَلَاؤُ كَيْ سَيِهَانِ تَكْ كَهْ رَسُوْلُ بِيْ اُوْر وَهْ لُوْكَ جُوْاسْ كَهْ سَاتِھَا اِيْمَانِ لَاؤُ تَحَّ كَهْ اُحْطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كِي مَدْ كَبْهُوْ كِي؟ سَنَ لُوْ قِيْنِيْنَا اللّٰهُ تَعَالٰى كِي مَدْ قَرِيْبِ هِيْ هَ۔ (البقرہ: 214) 2- اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف جہاد کر لینا کافی نہیں بلکہ مشکلات پر صبر ضروری ہے۔ أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكَوْا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ كِيَا لُوْغُوں نَ يِہْ گَمَانِ كِيَا هَ كَهْ وَهْرُ چھوڑ دِیئے جَانِئِے گَ كَهْ وَهْ كَهْمَ دِیئے كَهْ اِيْمَانِ لَاؤُ ہِيں اُوْر اُنْہِيں آ ز مَایَا نَبِيں جَانِے كَا؟ (العنكبوت: 2) 3- یہ صبر میدان جنگ میں بھی ہوتا ہے اور روزمرہ زندگی میں بھی۔ كِي دُوْر مِثْلِ مَسْلَمَانُوں پَر قَرِيْشِ مَكْ كِي طَرَفِ سَ بَہْ پَنَاہِ مَظَالِمِ اُوْر مَصَابِيْہِ ڈُھَاؤُ جَارِہَ تَحَّ سَيِدِنَا خَبَابِ بِنِ اَرْتِ رَضِيْ اللّٰہِ اِنْ مَصَابِيْہِ سَ كَچھ گھبرا سَ گئے اُوْر چَاہَا كَهْ جَا كَر رَسُوْلِ ﷺ سَ دَرِيَا فِتْنِے فر مَانِئِے كَهْ جَسْ وَفْتِ كِي اَبْ بَشَارَتِ سَنَاتِے ہِيں وَهْ كَبْ آءُ كَا؟ چِنَا نِچَہْ وَهْ خُوْد رَاوِي ہِيں كَهْ ”مِثْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ كَهْ پَاسِ آيَا، اِسْ وَفْتِ اَبْ كَعْبِ كَهْ سَاؤُ مِثْلِ اِيْكَ اُوْر پَر تَكْلِيْدِ لُكَاؤُ مِثْلِ تَحَّ۔ اِسْ زَمَانِے مِثْلِ ہِمَّ مَشْرِكْ لُوْغُوں سَ سَخْتِ تَكْلِيْفِئِے اُٹھا رَہَے تَحَّ۔ مِثْلِ نَ اَبْ ﷺ عَرْضِ كِيَا اَبْ اللّٰهُ تَعَالٰى سَ اِنْ مَشْرِكُوں كَهْ لَؤُ بَدْعَا كِيُوں نَبِيں كَرْتِے؟ يِہْ سَنَتِے ہِيْ اَبْ (تَكْلِيْدِ چھوڑ كَر) سَيِدِے ہِيٹھ گئے اُوْر اَبْ ﷺ كَا چہرہ (غصے سَ) سَرخِ ہو گِيَا اُوْر فر مَایَا: ”تَمَّ سَ سِہْلَ اِيْسَ لُوْكَ كَرُزِ كَچھ ہِيں جَنِّے كَهْ گوشتِ اُوْر پُٹھُوں مِثْلِ ہڈِيُوں تَكْ لُوْہَ كِي كَنگھِيَاں چَلَاؤِي تَحَّ مِثْلِ مَگروہ اِپنَے سَچَ دِیْنِ سَ نَبِيں پُھرتَے تَحَّ اُوْر

آرا ان کے سر کے درمیان رکھ کر چلا دیا جاتا تھا اور ان کے دو کپڑے کر دیئے جاتے تھے۔ مگر وہ اپنے سچے دین سے نہیں پھرتے تھے اور اللہ ایک دن اس کام کو ضرور پورا کرے گا“ (بخاری) 4۔ روزمرہ زندگی میں ایمان پر جمے رہنا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہنا صبر ہے۔ ا۔ آرام طلبی کی تمنا کے مقابلے میں کام کرنا صبر ہے۔ ii۔ وسوسوں اور نفس کی اُکساہٹوں کے مقابلے میں ایمان پر جمے رہنا صبر ہے۔ 6۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون روزمرہ زندگی میں ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے، کون اپنی آرام طلبی کو ترک کرتا ہے اور کون وسوسوں اور نفس کی اُکساہٹوں کے مقابلے میں ایمان پر جما رہتا ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْا فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (143)

اور بلاشبہ یقیناً تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے، تو یقیناً تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔ (143)

سوال 1: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْا اور بلاشبہ یقیناً تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تم ملو، کون لوگ شہادت کی تمنا اور آرزو کر رہے تھے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ لوگ جو غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہادت کی تمنا اور آرزو رکھتے تھے اسی لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکل کر جہاد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کہتے تھے کاش ہم کفار کو پھر اس طرح قتل کریں جیسا کہ بدر کے دن قتل کیا تھا اور کاش بدر جیسا دن پھر پیش آئے اور اس میں ہم کفار کو تہ تیغ کریں اور بہت زیادہ ثواب کمائیں یا شہادت اور جنت حاصل کریں یا زندگی اور مال غنیمت حاصل کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن کا مشاہدہ کرا دیا اور اس میں ان حضرات کے سوا جن کو اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا کوئی نہ جم سکا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم تو مرنے (یعنی شہید ہونے) کی تمنا کر رہے تھے۔ (تفسیر ابن عباس: 220/1)

سوال 2: کیا دشمن سے ڈبھیل کی تمنا رکھنی چاہئے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم دشمن سے ڈبھیل کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔ جب دشمن سے لڑنا پڑ جائے پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔“ (بخاری: 2818)

سوال 3: فَقَدَرَأَيْسُوهُوَ أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ”تو یقیناً تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے“ اس سے کیا سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے؟

جواب: غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور 70 افراد شہید ہوئے۔ مسلمان ذہنی صدموں کا شکار تھے۔ تب یہ کہا گیا کہ تمہاری ہی چاہت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے وہ موقع دے دیا اور تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تمہاری چاہت پوری ہوگئی اب پریشانی کس بات کی ہے؟

سوال 4: وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ”تم (آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے“ موت کو سامنے دیکھنے سے کیا مراد ہے؟
جواب: موت کو سامنے دیکھنے کی بات تاکید اور مبالغے کے لئے کی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم نے مجاہدوں کی صف آرائی میں، تلواروں کی یلغار اور تیروں کی بوچھاڑ میں موت کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ (فتح القدیر)

رکوع نمبر 6

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنَ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (144)

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ (144)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: غزوہ احد میں جب تیر اندازوں کے دستے نے درہ چھوڑ دیا تو مشرکین ان پر پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ آپ ﷺ کے چہرے پر زخم آئے۔ خون بہنے لگا۔ مسلمان منتشر ہو گئے۔ کسی کو کسی کا پتہ نہ رہا۔ ان حالات میں کسی نے باوا زبند یہ کہا: ”لوگو! محمد ﷺ قتل ہو گئے!“ اس پکار کا مسلمانوں پر بہت بُرا اثر پڑا۔ بہت سے لوگ مدینہ لوٹ گئے اور میدان جنگ کو چھوڑ گئے۔ چند افراد تھے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس رہ گئے۔ ان حالات میں نبی ﷺ ان چند افراد کے ساتھ جم گئے اور مسلمانوں کو بلانے لگے: اَللّٰهُمَّ عِبَادَ اللّٰهِ ”میری

طرف آوے اللہ کے بندو! لوگ پھر جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ اس واقعے کو موضوع بنا کر اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کے بارے میں اہم وضاحتیں کی ہیں۔

سوال 2: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ” اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول“ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب 1: محمد ﷺ کے رسول ہونے سے مراد ان کی امتیازی خصوصیت یعنی رسالت ہے۔

2۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ بشری خصوصیات نہیں رکھتے اور نعوذ باللہ خدا کی صفات رکھتے ہیں کہ انہیں موت نہیں آئی وغیرہ۔

3۔ وہ رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہیں بلکہ وہ ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ذمہ داری اپنے رب کا پیغام پہنچانا اور اس کے احکام کا نفاذ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہ تھے اور نہ ان کی بقاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے لیے کوئی شرط تھی۔ (تفسیر سعدی)

سوال 3: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ” یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”یقیناً اس سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں“ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا اور وہ وفات پا گئے۔ (ایسر التفسیر: 209,210)

2۔ پہلے رسول آئے اور گزر گئے، ہمیشہ نہیں رہے۔

سوال 4: أَقَابِنَ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ” تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟“ کے پس منظر میں کیا واقعہ ہے؟

جواب 1: ”تو کیا اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟“ اُحد کے میدان میں ایک شخص نے آواز دی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اب مشرکین کے ساتھ جنگ کا کیا فائدہ۔ یہ ذہنی تبدیلی تھی۔ جس طرح اُحد کے معرکے میں مسلمان جسمانی طور پر شکست کھا رہے تھے ایسے ہی وہ ذہنی طور پر بھی پسپا ہو رہے تھے۔ لوگوں نے ہتھیار چھوڑ دیئے اور کچھ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ہر طرف مایوسی نے ڈیرے ڈال دیئے تو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ کیا اگر وہ یعنی محمد ﷺ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے۔

2۔ دعوت دینے والے پیغمبر سے محبت اگرچہ ایمان کے لیے ضروری ہے لیکن پیغمبر کے جانے کے بعد بھی ایمان کی ضرورت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ پیغمبر کے جانے سے ایمان نہیں چھوڑا جاسکتا۔

3- تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے رسول بھی آئے اور چلے گئے لیکن دین زندہ رہا۔

4- اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ایڑیوں کے بل اٹے پھر جائیں۔

5- اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اٰغْقَابِكُمْ تَمَّ اِسْلَامٌ سے کفر کی طرف پلٹ جاؤ۔ (ایسر التفسیر: 210، 209)

سوال 5: وَ مَن يُّنْقَلِبْ عَلٰۤی عَقْبَيْهِ فَلَن يَّصُرَ اللّٰهُ شَيْئًا اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

2- اللہ تعالیٰ کو کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں۔

سوال 6: کیا عام زندگی میں انسان دین سے اٹنا پھر جاتا ہے؟ ایسا کب کب ہوتا ہے؟

جواب: 1- انسان جب اپنی خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو دل کی مرضی پوری کر لیتا ہے۔ یہ تب ممکن ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو چھوڑتا ہے۔ عین اس موقع پر انسان دین سے اٹنا پھر کر خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔

2- معاشرتی دباؤ کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹنا پھر کر معاشرے کے افراد کی پسند کے مطابق کام کرتا ہے تو یہ کام دین سے پھرنے کی قیمت پر ہوتا ہے۔

سوال 7: وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشُّكْرِيْنَ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا، اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزا دیتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، دنیا میں غلبہ عطا فرماتے ہیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جو اٹے پاؤں نہیں پھرتے بلکہ اطاعت پر قائم رہتے ہیں اور انہوں نے اپنے دین کے لیے جنگ کی اور اپنے رسول کی، ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اتباع کی۔ ان کا نام شاکرین رکھا کیونکہ انہوں نے نعمت اسلام پر شکر ادا کیا جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے جو شخص اپنے دین پر یقین رکھتا ہے اور اپنے رب کی طرف سے بصیرت رکھتا ہے وہ رسول کی وفات پر دین سے نہیں پھرتا کیونکہ وہ اپنے رب کے لیے جہاد کرتا ہے رسول کے لیے نہیں جیسے پہلے انبیاء کے ساتھی تھے۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

2- سیدنا عبد اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم معلوم یہ ہوتا تھا کہ لوگ جانتے ہی نہ تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلاوت فرمائی۔ لوگوں نے سیدنا ابو بکر صدیق سے اس آیت کو حاصل کیا اور جس جس نے بھی اس آیت

کونسا تو بے ساختہ اس آیت کی تلاوت شروع کر دی۔ سیدنا سعد بن میثب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کی تلاوت سنی تو کھڑے کا کھڑا رہ گیا میرے پاؤں مجھے اٹھانیں رہے تھے یہاں تک کہ میں گر گیا۔ (صحیح بخاری: 4454)

سوال 8: وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ” اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا، ” شکر گزار کون ہیں؟
جواب: شکر گزار وہ ہیں۔ 1۔ جو اللہ کی نعمتوں کی قدر پہچانتے ہیں۔ 2۔ جو ثابت قدم رہتے ہیں، ثابت قدمی عملی شکر ہے۔
3۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ”اس آیت کریمہ کا جو مضمون ہے اور اس میں جس سزا کا ذکر ہے اس کی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہل کر سامنے آئی کہ بہت سے منافقین اور ضعیف الایمان لوگ ایمان سے مرتد ہو گئے اور جو مخلص لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے اللہ نے انہیں عزت دی اور فتح و نصرت سے نوازا۔ (تیسیر الرحمن)
سوال 9: شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے؟

جواب: شکر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچان کر ادا ہو سکتا ہے۔ شکر ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شعور سے بھر پور ہو اور زبان سے ان کا اعتراف کرے۔ شکر گزاری تب پیدا ہو سکتی ہے جب مومن اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو نعمت سمجھے۔

سوال 10: انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ کیسے بے دار ہوتا ہے؟
جواب: 1۔ انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ تب بے دار ہوتا ہے جب وہ رب کی صفات سے اس کی عظمت کا شعور حاصل کرے۔ 2۔ دنیا کی بجائے آخرت کو سب کچھ سمجھنے سے انسان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَسْمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُؤَجَّلَاتٍ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ
الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَجِزَى الشَّاكِرِينَ (145)

اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مرجائے، مقررہ وقت لکھا ہوا ہے، اور جو کوئی دنیا کا بدلہ ہی چاہتا ہے، ہم اسے دنیا میں ہی دیں گے، اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا اسے ہم آخرت میں دیں گے اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔ (145)

سوال 1: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ” اور کسی جان کے لیے کبھی ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر جائے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1: ”کوئی جان اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں سکتی“۔ انسان کے دل میں موت کا خوف بسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو دور کرنے کے لیے واضح کیا ہے کہ: i۔ ہر شخص کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ii۔ کوئی شخص اس مقررہ وقت تک زندگی گزارنے سے پہلے مر نہیں سکتا۔ 2۔ انسان موت کے ڈر سے ایک پل بھی زندگی کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ 3۔ ثابت قدمی، بہادری اور وفاداری سے عمر کم نہیں ہوتی، نہ بزدلی سے عمر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

سوال 2: كَلْبًا مَّوًّا جَلًّا ” مقرر کیا ہوا وقت لکھا ہوا ہے۔“ یہ بات کیا سمجھانے کے لئے فرمائی گئی ہے؟

جواب: یہ بات بزدل اور کمزور لوگوں کے حوصلے بڑھانے کے لئے کی جا رہی ہے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی لہذا بزدلی دکھانے کا فائدہ نہیں۔

سوال 3: مؤمن پر اس حقیقت کا کیا اثر ہوتا ہے کہ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے؟

جواب: 1۔ مؤمن کے نفس میں تقدیر کی حقیقت بیٹھ جاتی ہے اور وہ موت سے ڈرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسے موت کا خوف نہیں رہ جاتا۔ 2۔ مؤمن کی سوچ، فرض کی ادائیگی اور ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ 3۔ مؤمن خوف، کم ہمتی، بے حوصلگی، اور جزع فزع پر قابو پالیتا ہے۔ 4۔ دنیا کی حرص کی بجائے نیکیوں کی حرص مؤمن کے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ 5۔ مؤمن حق کے راستے کی ساری مشکلات برداشت کر لیتا ہے۔ 6۔ مؤمن سارے فرائض پورے کرنے لگ جاتا ہے۔ 7۔ مؤمن صبر اور توکل علی اللہ کے ذریعے آگے بڑھتا ہے کیونکہ اب وہ ایک بدلا ہوا انسان ہے۔ اس کی سوچ نئی ہے۔ اس نے گھٹی ہوئی سوچ سے نجات پالی ہے۔ اب اسے پتہ لگ گیا ہے کہ موت کا وقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور لکھا ہوا ہے۔ 8۔ اب یہ نئی سوچ اسے نئے جہان میں لے آئی ہے جہاں اسے آنے والے وقت کی فکر ہے۔ اس کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہے۔ اب زندگی، جذبے، صلاحیتیں اور سبھی کچھ اس آنے والے وقت کے لیے لگ رہا ہے۔

سوال 4: وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ” اور جو کوئی دنیا کا بدلہ ہی چاہتا ہے ہم اسے دنیا میں ہی دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا اسے ہم آخرت میں دیں گے، دنیا کے اجر کے ارادے اور آخرت کے اجر کے ارادے سے کام کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اجر و ثواب کا انحصار مومن کی نیت پر ہے 1۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر کسی کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اُس نے نیت کی۔ پھر جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوئی کہ اُسے حاصل کرے، یا عورت سے نکاح کے لیے، پھر اُس کی ہجرت اُسی طرف ہے جس کے لیے اُس نے ہجرت کی“۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوئی: 1) 2۔ یعنی کوئی عمل کرتے وقت انسان کی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اسے بدلہ ملے گا۔ ایک ہی کام ہوتا ہے جو نیت کی تبدیلی سے کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 314/1)

سوال 6: وَسَنَجْزِي الشُّكْرَ بِعَيْنٍ اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور بہت جلد ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے“ 1۔ وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم رہے ان کی جزا نعمت بھری جنتوں کے سوا کچھ نہیں اور یہ ان کی موت کے بعد ہے۔ (ایسر القایم: 210)

2۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جزا کا ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ اس جزا کی کثرت اور عظمت پر دلیل ہو اور یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ یہ جزا قلت و کثرت اور حسن کے اعتبار سے شکر کی مقدار پر منحصر ہے۔ (تفسیر سہدی)

وَكَايِنَ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا آصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (146)

اور کتنے ہی نبی تھے جن کے ساتھ لڑ کر بہت سے ربا والوں نے جنگ کی اور اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچی، انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (146)

سوال 1: وَكَايِنَ مِّنْ نَّبِيٍّ ”اور کتنے ہی نبی تھے“ میں ایک نبی کی نہیں کتنے ہی نبیوں کی بات کی گئی ہے۔ اس کے ذریعے کیا سمجھایا گیا ہے واضح کریں؟

جواب: 1۔ غزوہ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر اور 70 افراد کو شہید کروا کے لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ مسلمان میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کمزوری دکھائی اور دشمن کا دباؤ قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے تابناک ماضی کو سامنے رکھا ہے کہ جب بھی لوگوں کے سامنے حقیقت کھلی وہ

دنیا کی بجائے آخرت کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگے، زندگی ان کے لیے ناپائیدار چیز بن گئی۔

سچے ایمان والے کائنات اور کائناتی واقعات کو رب کے حوالے سے دیکھتے ہیں جو دینے والا بھی ہے اور چھیننے والا بھی ہے۔ یہ ایمان کے راستے کے سچے مسافر ہیں۔ انہیں جان کا خطرہ پست ہمت نہیں کرتا۔

ان کی دنیا برباد ہو جائے تو بھی پیچھے

نہیں ہٹتے۔ ان کا نقصان ہو تو اپنی کوتاہی سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتے ہیں۔ انہیں فتح ہو تو اللہ تعالیٰ کا پیغام سمجھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کی بازی لگ رہی ہو تو بھی ہمت نہیں ہارتے۔ کسی حال میں دشمنوں کے سامنے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

کل بھی تاریخ کے قیمتی لوگ وہی تھے جنہوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور آج تم بھی پست ہمتی چھوڑ کر، کمزوری دکھانی چھوڑ کر، مغلوبیت چھوڑ کر، متحذ ہو کر صبر کے ساتھ حق پر جم کر اللہ والے بن سکتے ہو۔

سوال 2: ”وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ بَرَابِئِيُّونَ كَيْفِيَّةٌ“ اور کتنے ہی نبی تھے جن کے ساتھ مل کر بہت سے رب والوں نے جنگ کی، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ“ اس سے مراد کثیر انبیاء ہیں۔ (ایسر التفسیر: 211) 2۔ ربیون جمع ہے اس کا واحد ربی ہے یعنی اللہ والا۔ (بخاری کتاب التفسیر) 3۔ ربیون سے مراد علماء، صلحاء، متقی اور عبادت گزار ہیں۔ (ایسر التفسیر: 211) 4۔ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَه قتل اور نہ وہ قتل وغارت گری اور نہ وہ زخموں سے شکست خوردہ ہوئے۔ 5۔ وَمَا ضَعُفُوا“ اور نہ وہ کمزور پڑے، وہ جہاد، دشمنوں اور دین سے کمزوری نہیں کرتے۔ (تفسیر القاسمی: 4/246) 6۔ وَمَا اسْتَكَانُوا“ اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی، نہ وہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ وہ ذلیل ہوئے بلکہ انہوں نے قتال پر صبر کیا۔ 7۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر لپیٹے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کے حضور ہمارے لیے دعا کیجئے اور مدد کی درخواست کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر اس کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر کے وسط میں رکھ کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور مصیبت کا یہ پہاڑ بھی اس کو تو حید سے برگشتہ نہ کر سکتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی

ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے مگر اہل توحید پھر بھی دین نہ چھوڑتے۔ (بخاری: 3612) 8۔ نبیوں کے ہمراہ اللہ والوں نے جنگ کی۔ نہ ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی، نہ جدوجہد کا سلسلہ ختم کیا، نہ دشمن کے سامنے بھگے، نہ مشکلات پر پیچھے ہٹے۔
سوال 3: فَصَا وَهَنُوا لِيَآ آصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ” اور اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچی، انہوں نے ہمت نہیں ہاری“ کی وضاحت کریں؟

سوال 4: وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ” اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ” اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“ 1۔ الصَّابِرِينَ سے مراد جہاد پر صبر کرنے والے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: 179/2)
2۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے تسلی ہے اور اس عمل کو دوسروں کے سامنے نمونے کے طور پر رکھ کر اس کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

سوال 5: باطل کے مقابلے میں صبر کرنے والے کیسے ہوتے ہیں؟
جواب: 1۔ اُن کا نفس کمزور نہیں پڑتا۔ 2۔ ان کی قوتیں کم نہیں ہوتیں۔ 3۔ ان کے ارادے نرم نہیں پڑتے۔ 4۔ وہ نہ بھگتتے ہیں نہ حق کو چھوڑ کر باطل پر سمجھوتہ کرتے ہیں۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے صبر و ثبات کے لئے کیسے آمادگی پیدا کی ہے؟
جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رہنے والوں کے صبر و ثبات کی مثالیں دے کر اس کے لئے آمادہ کیا ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو اپنی محبت کی خوشخبری دے کر صبر و ثبات کے لئے آمادہ کیا ہے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی دُعاؤں سے یہ شعور دلا یا ہے کہ صبر کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور اہل ایمان صبر کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ یوں اس شعور سے صبر کرنے کا راستہ مل جاتا ہے۔

سوال 7: وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ” اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“ کا انسان پر کیا اثر پڑتا ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ کی محبت کے احساس سے 1۔ انسان کے اندر کی تلخیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ 2۔ انسان کی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ 3۔ انسان کے زخم بھر جاتے ہیں۔ 4۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے سارے دکھوں کا مرہم ہے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِينَ (147)

اور ان کی دُعا اس کے سوا کچھ نہ تھی: ”اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور آپ ہمیں ثابت قدم رکھیں اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں۔ (147)

سوال 1: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا آمْرِنَا” اور ان کی دُعا اس کے سوا کچھ نہ تھی: ”اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی“ کی وضاحت کریں؟
جواب 1: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی عملی خوبیاں بیان کرنے کے بعد ان کے قول کی خوبی یہاں بیان کی ہے۔

2- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا” اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے“ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 1/491)
3- وَإِسْرَافَنَا آمْرِنَا” اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی“ اسراف کہتے ہیں جو حد سے گزر جائے یہاں اس سے مراد کبیرہ گناہ ہیں۔

4- بعض مرتبہ کسی نیک کام میں لگنے سے جو دوسرے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں اور اس طرح حدود سے آگے بڑھ جانے کی صورت بن جاتی ہے جس کو اسراف سے تعبیر فرمایا استغفار سے اس کو بھی تلافی ہوگی۔ (تفسیر انوار الایمان: 1/563)

5- سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ”اللہم اغفر لی خطیئتی وجہلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی“ (مسلم: 2719)

سوال 2: فتح و کامرانی کی اولین شرط کیا ہے؟

جواب: فتح و کامرانی کی پہلی شرط اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے دعا کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ثابت قدمی اور نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔

سوال 3: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا آمْرِنَا” اور ان کی دُعا اس کے سوا کچھ نہ تھی: ”اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب 1: یہ آیت اہل ایمان کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کر رہی ہے۔ 2- اس آیت میں اہل ایمان کے ”شعوری ایمان“ کا اظہار ہو رہا ہے۔ 3- یہ پتہ چل رہا ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر وقت خود کو حاضر رکھتے ہیں۔ کوئی خوف و خطرہ

اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ 4۔ اہل ایمان عفو و درگزر کی درخواست کرتے ہیں۔ 5۔ وہ فرض ادا کرتے ہوئے بھی اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ 6۔ ان کا سوال دولت کے لیے نہیں، نہ دنیا کے اجر کے لیے ہے۔ وہ تو گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ کفار کے مقابلے میں کامیابی کی دعا کرتے ہیں اور حق کی کامیابی اور کفر کی شکست کی دعا کرتے ہیں۔

سوال 4: کون سی چیز اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق بناتی ہے؟

جواب 1: نازک مواقع پر اہل ایمان کا باہم متحد رہنا۔ 2۔ صبر کے ساتھ حق پر جسے رہنا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے دشمن کب مومنوں پر غالب آجاتے ہیں؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے دشمن غالب آجاتا ہے اور شیطان کو مسلمانوں سے دشمنی کا موقع مل جاتا ہے۔

سوال 6: وَثَبْتَ أَقْدَامَنَا اور آپ ہمیں ثابت قدم رکھیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور آپ ہمیں ثابت قدم رکھیں، ہمارے دلوں کو جہاد کی قوت عطا فرمائیے اور ہمارے دلوں کے دوسے دور فرمادیجیے (تفسیر المیز: 433/2)

سوال 7: وَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیں، کی وضاحت کریں؟

جواب 1: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہے۔ یہ فتح کی دعا بھی ہے اور کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

2۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیے، غنیمت سے کامیاب کیجئے، زمین میں سیادت، کرامت، عزت اور اچھا ذکر عطا فرمائیے۔ ہمیں اطاعت پر اجر نصیب فرمائیے اور اپنے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔ (تفسیر المرائی: 78/2)

فَاللَّهُمَّ اللَّهُ تَوَابِ الدُّنْيَا وَحَسَنَ تَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (148)

تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (148)

سوال 1: فَاللَّهُمَّ اللَّهُ تَوَابِ الدُّنْيَا وَحَسَنَ تَوَابِ الْآخِرَةِ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی

کی وضاحت کریں؟

جواب 1: اللہ تعالیٰ نے انہیں (اس سبب سے) دیا۔

2۔ ثواب الدنیا سے مراد نصرت، نعمت اور عزت ہے۔ (تفسیر فتح القدیر: 491/1)

3۔ ثواب الدنیا سے مراد نصرت، نعمت، دشمنوں پر غلبہ، اچھا تذکرہ، شرح صدر، ایمان کا نور اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ (تفسیر القاسمی: 247/4)

سوال 2: وَحُسْنِ ثَوَابِ الْآخِرَةِ اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی، اس سے مراد آخرت کا اجر ہے اور جو اس میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔ (تفسیر القاسمی: 247/4)

سوال 3: دنیا و آخرت کا بدلہ کس کے لیے اچھا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو لوگ پست ہمت نہیں ہوتے، کمزوری نہیں دکھاتے، مغلوب نہیں ہوتے، انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اچھا بدلہ دیتا ہے اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیتا ہے۔

سوال 4: وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، 1۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی وجہ سے ان پر احسان کیا۔ وہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (تفسیر جامع البیان: 127/4)

2۔ یعنی خالق کی عبادت اور مخلوق کے ساتھ معاملہ میں احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ جہاد کے وقت، ان مومنین کا سا کردار اختیار کرنا بھی احسان ہے۔ (تفسیر سعدی: 432/1)

سوال 5: اس بات کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت رکھتا ہے؟

جواب: 1۔ انسان کے اندر محسن بننے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے۔ 2۔ انسان محسن بننے کا ارادہ کر کے کوشش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کیوں عطا کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو ان کے توحید پر اعتقاد رکھنے، توکل کرنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کی وجہ سے کامیابی عطا کرتے ہیں۔ آخرت میں اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا کریں گے۔

رکوع نمبر 7

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَنُدْخِلَنَّكُمْ فِي تَحْتِ الْأُخْرَىٰ (149)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل

لونا دیں گے پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے۔ (149)

سوال 1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ نُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيْدُوْكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ” اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لونا دیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: الَّذِينَ كَفَرُوا ”جنہوں نے کفر کیا“ یعنی مشرکین عرب ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔ 2- یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہود اور عیسائی ہیں۔ 3- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں جنہوں نے احد کی شکست پر مومنوں سے کہا تھا اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ چلو۔ (تفسیر منیر: 2/446) 4- يِدُوْكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ”وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لونا دیں گے“ یعنی تمہیں تمہارے پہلے کام کی طرف لونا دیں گے اور وہ کفر اور ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے شرک ہے کفر کی دعوت کو قبول کرنا بھی کفر ہے۔ (تفسیر خازن)

سوال 2: غزوہٴ اُحد میں یہودیوں، کافروں اور منافقوں کو پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملا اس کے مقاصد کیا تھے؟
جواب: 1- مسلمانوں کو نبی ﷺ کا ساتھ دینے کے انجام سے ڈرانا۔ 2- اسلامی صفوں کو منتشر کرنا۔ 3- دلوں کو متزلزل کرنا۔ 4- اسلامی قیادت کے خلاف بداعتادی پیدا کرنا۔ 5- اپنے سے بڑی قوت کے ساتھ ٹکرانے کی پالیسی کے فائدوں کو مشکوک بنانا۔ 6- اس پالیسی سے باہر نکلنے کے فوائد کو دکھانا ہر کرنا۔ 7- انفرادی دروغ کو ابھارنا۔ 8- کامیاب ہونے والوں کے ساتھ مصالحت پر آمادہ کرنا۔ 9- مسلمانوں کے گروہ کی بیخ کنی کرنا۔ 10- اہل اسلام کو اپنے سے قوی قوتوں کے سامنے جھکنے پر آمادہ کرنا۔
سوال 3: غزوہٴ اُحد میں وقتی شکست پر مخالفین نے کیا کہنا شروع کیا؟

جواب: 1- اگر واقعی محمد ﷺ نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے؟ 2- پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کا معاملہ خدائی معاملہ نہیں ہے۔ 3- کچھ لوگ اپنے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے جوش کی سزا بھگت رہے ہیں۔
سوال 4: إِنَّ نُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيْدُوْكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ”اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل لونا دیں گے“ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت سے کیسے روکا ہے؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت کرنے کا انجام دکھا کر اس سے روکا ہے کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے تو یہ:
i- تمہیں ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے۔ ii- تمہیں دنیا اور آخرت کے خسارے تک لے جائیں گے۔
2- اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اطاعت کے مقابلے میں اپنے تعلق کے شعور دلا یا ہے کہ:

- i۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔ ii۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ لہذا اپنے مولا و مددگار کی مانو اور کافروں کی نہ مانو۔
سوال 5: مؤمنوں سے کہا گیا کہ ”فَتَنَّقِلْبُؤُاْ اٰخِیْرِیْنَ“ پھر تم خسارہ پانے والے بن کر پلٹو گے، وضاحت کریں؟
جواب: ”فَتَنَّقِلْبُؤُاْ اٰخِیْرِیْنَ“ پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے، پھر تم دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھاؤ گے۔ (واضح المیسر)
سوال 6: عقیدہ تو حیدر رکھنے والا مسلمان جب اللہ کے دین کے مخالفوں کے سامنے جھکتا ہے تو اس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
جواب: 1۔ وہ روحانی طور پر ٹوٹ جاتا ہے۔ 2۔ وہ مخالفین کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہوتا ہے۔
3۔ پھر وہ ان سے ہدایات لینے لگتا ہے۔ 4۔ پھر ان سے مصالحت کر کے ان کی پیروی کرتا ہے۔
5۔ ایسا شخص کسی بھی وقت کفر کی طرف پلٹ سکتا ہے۔

سوال 7: ایمان کے باوجود کفار کی اطاعت کرنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟
جواب: کفار سے حمایت کی امید کی وجہ سے ایمان کے باوجود کفار کی اطاعت ہوتی ہے۔ ایمان سے زیادہ کفر کی جانب دلی جھکاؤ اور دنیا اور اس کی لذتوں کے حصول کی وجہ سے انسان کفار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

سوال 8: غزوہٴ اُحد جیسے واقعات کا پیش آنا کیوں ضروری ہے؟
جواب: دنیا کی زندگی میں ایسے واقعات اس لیے ضروری ہوتے ہیں تاکہ: 1۔ یہ کھل جائے کہ: i۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے والے کون ہیں؟ ii۔ پھسل جانے والے کون ہیں؟ 2۔ لوگوں کی مخالفانہ باتوں سے مؤمن متاثر نہ ہوں۔ 3۔ وقتی تکلیف سے گھبرائیں نہیں۔ 4۔ ہر حال میں ثابت قدم رہیں۔

بَلِ اللّٰهُ هُوَ لَكُمْ وَهُوَ حَكِيْمٌ اَلْبَصِيْرُ (150)

بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے۔ (150)

سوال 1: بَلِ اللّٰهُ هُوَ لَكُمْ ”بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے“ وضاحت کریں؟
جواب: 1۔ ”بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے“ مسلمانوں کا مولا اللہ تعالیٰ ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے ہی حمایت کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ 3۔ جس کا مددگار اللہ تعالیٰ ہو اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ 4۔ ابوسفیان نے میدانِ اُحد میں کہا تھا: اَعْلَىٰ هُبْلَىٰ ”ہبل بت کا بول بالا ہو“۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر بلند آواز میں کہا: اللہ اعلىٰ وَاَجَل

”اللہ تعالیٰ بلند اور جلال و عزت والا ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: لَسَا عُزَّىٰ وَلَا عُزَّىٰ لَكُمْ ”ہمارا عزی بت ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: تم کہو اللہ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ ”اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں“ اللہ تعالیٰ نے اسی پر فرمایا: بِئِنَّ اللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ وَهُوَ خَيْرُ الْمَوْلِيَيْنِ۔ 5۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں مسلمانوں کا مولیٰ اور حامی و ناصر ہے۔ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو اس کا یقین اس وقت نصیب ہوا جب انہیں اُدُكْھِ آئی۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نیند کی حالت میں محفوظ و مامون رہنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ اس حال میں بھی ان کا حامی و ناصر تھا۔

سوال 2: بِئِنَّ اللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ ”بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا سرپرست ہے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ تمہارا ولی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری حمایت کرتا ہے، دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے وعدے کا مسلمانوں پر کیا اثر ہوا؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ان کا یقین بڑھ گیا۔ 2۔ دشمن کا خوف ان کے دل سے نکل گیا۔

سوال 4: وَهُوَ خَيْرُ الْمَوْلِيَيْنِ ”اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے“ 1۔ اگر تم کافروں کی اطاعت کر کے ان سے مدد طلب کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سب مدد کرنے والوں سے بہترین ہے لہذا اس کی اطاعت کر کے اس سے مدد طلب کرو وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔ (ایسر النقایر: 213)

2۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے مدد کا وعدہ کیا ہے اس نے فرمایا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا عَلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ اور اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے، وہ اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے! (انفال: 40)

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے فتح و نصرت کن امور سے خالی نہیں ہوتی؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے فتح و نصرت، دو امور سے خالی نہیں ہوتی: 1۔ اللہ تعالیٰ یا تو کفار کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ 2۔ یا انہیں ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ (عرب ڈال کر انہیں ناکام لوٹا دینا) یہ دوسری قسم ہے۔ (تفسیر السعدی: 433/1)

سَلِّقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَهُمْ لَهَا مِنْ شَيْءٍ

مَثْوَى الظَّالِمِينَ (151)

جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رُعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اُتاری اور اُن کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (151)

سوال 1: سَلِّطِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ ”جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رُعب ڈال دیں گے“ اللہ تعالیٰ نے کس موقع پر کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دیا تھا؟

جواب: ”جلد ہی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رُعب ڈال دیں گے“ 1- یہاں رعب سے مراد وہ خوفِ عظیم ہے جو کفار کو ان کے بہت سے مقاصد سے روک دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی) 2- اُحد کی شکست کے بعد جب کافر مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینا چاہتے تھے، اُس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔ 3- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابو سفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: 472/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کا رعب کافروں پر کب ڈالا جاتا ہے؟

جواب 1: مشکل مواقع پر اگر ایمان والے جبر ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کا رعب کافروں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار کچھ یوں ہوتا ہے کہ اہل باطل کی صفوں میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے پاس اپنے نظریے کے حق میں دلائل نہیں رہ جاتے۔ ان میں بے یقینی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ذہنی طور پر شکست کھا جاتے ہیں۔ یوں مومنوں کی قوت سے اور پھر ان کے دین سے رعب میں آ جاتے ہیں۔ 2- یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب ایمان والوں کے دلوں میں ایمان کی حقیقت موجود ہو انہیں پورا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اس کا لشکر ہی غالب رہنے والا ہے۔

سوال 3: پِنَّا أَشْرِكُ بِاللَّهِ مَا لَهُم بِهِ سُلْطٰنٌ ”اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اُتاری“ کافروں کے دل میں مسلمانوں کا رعب کیوں بیٹھتا ہے؟

جواب 1: کافروں کے مرعوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں جن کے شریک ہونے کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اُتاری جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے دہشت زدہ رہتے ہیں۔

سوال 4: مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِمْ سُلْطٰنًا ” جس کی اس نے کوئی دلیل بھی نہیں اُتاری، سلطان سے کیا مراد ہے؟
جواب: سلطان سے مراد قوت، دلیل اور سند ہے۔

سوال 5: شرک کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کی اُلُوہیت، ربوبیت اور اس کی صفات میں شریک سمجھنا۔

سوال 6: مشرک کے لیے کوئی سلطان نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- مشرک اس شرک کی وجہ سے ذلیل و ناتواں اور کمزور رہیں گے اور مومنوں سے مرعوب رہیں گے۔

2- ان کے مقابلے میں اہل ایمان کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

3- اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو اہل حق اور اہل باطل کے ٹکراؤ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جب بھی مقابلہ ہوتا ہے باطل خوفزدہ اور مرعوب ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے نعرہ تکبیر پر تھر تھرا کانتا ہے۔ مسلمان کافروں پر چھٹیں تو باطل دب جاتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے۔ ان کی صفوں میں اضطراب پھیل جاتا ہے اور اس فرمان کی سچائی ثابت ہو جاتی ہے۔

سوال 7: وَمَا لَهُمُ الْقَائِمُ وَالْمُنْتَهَى الظَّالِمِينَ ” اور اُن کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اور اُن کا ٹھکانہ آگ ہے“ اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کے انجام کو واضح کیا ہے کہ ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔

2- ”اور ظالموں کا بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے“ اللہ تعالیٰ نے ان کے ٹھکانے پر تبصرہ کیا ہے کہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے ظالموں کے لئے یعنی دنیا میں ان کے دل ایمان والوں کے رُعب سے بھرے رہیں اور آخرت میں آگ میں جائیں گے۔ یہ کتنا گھائے کا سودا ہے۔ 3- الظَّالِمِينَ: اس سے مراد مشرک ہیں جنہوں نے غیر اللہ کی اطاعت کی اور غیر اللہ کی عبادت کی۔ (ابیر القایم: 213)

وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوهُم بِأَدْبِهِمْ حَتَّىٰ إِذَا فِشَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّن بَعْدَ مَا
أَلْسَكُمْ مَا نَجَّبُونَ ۗ مِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ لَمْ صَرَّفْكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۗ وَلَقَدْ عَفَا
عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (152)

اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا جب تم اُس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے، یہاں

تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد جو اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے اور بلاشبہ اُس نے یقیناً تمہیں معاف کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بڑے فضل والا ہے۔ (152)

سوال 1: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْتَحْسَبُوا يُبَادُّنَهُمْ وَإِنْ كَانُوا لَيَشْكُرُونَ ﴿١٥٢﴾ اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا جب تم اُس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے، کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- وَعْدًا كَذِبًا یہاں وعدے سے مراد فتح و نصرت کا وعدہ ہے۔

2- وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا ﴿١٥٢﴾ اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا اسے سچا کر دکھایا یعنی وہ اپنے مؤمن بندوں کی مدد کرتا ہے اور کافروں پر انہیں غلبہ دیتا ہے اسی لئے ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی تم ان کو قتل کر رہے تھے۔

3- إِذْتَحْسَبُوا يُبَادُّنَهُمْ ﴿١٥٢﴾ جب تم اُس کے حکم سے انہیں کاٹ کر رہے تھے، ان کو قتل کر کے جڑ پیڑ سے اکھاڑتے ہوئے۔
(بخاری کتاب النبی)

4- اس سے مراد وہ ابتدائی فتح ہے جو مسلمانوں کو غزوہ احد میں حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اطاعت پر قائم رہتے۔ رسول کی اطاعت کرتے تو فتح و نصرت آخر تک برقرار رہتی۔

سوال 2: حَتَّىٰ إِذَا فُشِيتُمْ مِّنْهُ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ ﴿١٥٣﴾ یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا، کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- فُشِيتُمْ سے بزدلی مراد ہے۔

2- فُشِيتُمْ: تم کمزور ہو گئے اور تم نے جنگ میں بزدلی دکھائی۔ (ابیر التفسیر)

سوال 3: وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَلَيْكُمْ مَّا لِيُحِبُّونَ ﴿١٥٣﴾ اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے، کی وضاحت کریں؟
جواب: اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے، فی

الْأَمْوَالِ نَبِيٍّ ﷺ کے حکم میں جھگڑا کیا اور رسول کی نافرمانی کی۔ مسلمانوں کو جب ابتدا میں فتح نصیب ہوئی اور وہ مال غنیمت لوٹنے لگے تو جن تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے گھائی پر متعین فرمایا تھا ان میں اکثر کہنے لگے کہ ہمیں فتح تک گمرانی کا حکم تھا اب ہمیں مال غنیمت لوٹنے کے لیے جانا چاہیے بعض لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں متعین کیا ہے ہمیں اگلے حکم تک یہاں سے نہیں ہٹنا چاہیے۔ اس گھائی پر چند سو ارہ گئے اور باقی مال غنیمت لوٹنے لگ گئے یہی ان کی نافرمانی تھی۔

سوال 4: مسلمانوں کی شکست کے اسباب کیا تھے؟

جواب: 1- مسلمانوں نے ہزدلی دکھائی۔ 2- (پیغمبر ﷺ کے) حکم کے بارے میں آپس میں جھگڑے۔

3- رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔

سوال 5: هَمَّ بَعْضُهُمْ آتَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ” اس کے بعد جو اس نے تمہیں وہ چیز دکھائی جو تم پسند کرتے تھے، مسلمانوں کی پسند کی چیز انہیں دکھادی گئی۔ پسند سے کیا مراد ہے؟

جواب: مسلمانوں کی پسند سے مراد وہ فتح ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

سوال 6: کسی گروہ میں اتحاد کی صورت کیا ہے؟

جواب: رائے کے اختلاف کے باوجود قیادت کی طرف سے فیصلہ ہو جانے کے بعد عمل میں اختلاف نہ کیا جائے۔

سوال 7: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الْآخِرَةَ ” تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: مسلمانوں کے گروہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ نے مال غنیمت کا ارادہ کر لیا اور دوسرے نے ثواب آخرت کو ترجیح دی۔ اس طرح ان کا ہدف ایک نہ رہا، خلوص متاثر ہوا اور یہ جنگ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ رہی۔

سوال 8: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الدُّنْيَا ” تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- دنیا کا ارادہ رکھنے سے مراد مال غنیمت چاہنا ہے۔ 2- جو تیر انداز گھائی سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مال غنیمت لوٹنے لگے وہ دنیا کے طلب گار تھے۔

سوال 9: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الْآخِرَةَ ” اور تم ہی میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: آخرت کا ارادہ رکھنے سے مراد ہے 1۔ آخرت کے نفع کا ارادہ رکھنا۔ یعنی آج کے کام کا صلہ کل آخرت میں پانے کی امید رکھنا۔ شوقِ شہادت میں جنگ کرنا جیسا کہ انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے کی کہ دشمنوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ 2۔ جو لوگ گھائی پر چمے رہے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے وہ آخرت کے طالب تھے۔

سوال 10: آخرت کا ارادہ کرنے والے کون لوگ تھے؟

جواب: 1۔ آخرت کا ارادہ کرنے والے وہ لوگ تھے جو شہادت کا شوق رکھتے تھے۔ 2۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق دڑے پڑے لڑنے کا عزم کر لیا تھا۔ 3۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہ ان کے چچا (انس بن سقر) بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے، پھر انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں غیر حاضر رہا۔ اگر حضور ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی اور لڑائی میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کتنی بے جگری سے لڑتا ہوں۔ پھر غزوہ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پیدا ہوگئی تو انہوں نے کہا، اے اللہ! مسلمانوں نے آج جو کچھ کیا میں تیرے حضور میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں تیرے حضور میں اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرتا ہوں، پھر وہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے۔ راستے میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے کہا، سعد! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو احد پہاڑی کے دامن میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور شہید کر دیئے گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ آخر ان کی بہن نے ایک تل یا ان کی انگلیوں کی پور سے ان کی لاش کو پہچانا ان کو اس (80) پرکٹی ختم بھالے اور تلوار اور تیروں کے لگے تھے۔ (صحیح بخاری: 4048)

سوال 11: لَمْ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ” پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے، اس کی وضاحت کریں؟
جواب: ” پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے،“ 1۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کا پچھچھا کرنے سے روک دیا تھا تاکہ اس واقعے کو مسلمانوں کے لئے امتحان اور آزمائش بنا دیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے مقابلے میں پھیر کر بھگا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائش اور تمہارے امتحان کے طور پر جیت دشمن کے ہاتھ رہی تاکہ مومن اور کافر، فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ (تفسیر سحری)

سوال 12: لِيَبْتَلِيَكُمْ ” تاکہ وہ تمہیں آزمائے،“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیسے آزمایا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست دے کر آزمایا۔

سوال 13: وَلَقَدْ عَفَاكَ عَنْهُمْ ” اور بلاشبہ اُس نے یقیناً تمہیں معاف کر دیا“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کس غلطی کو معاف کر دیا؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ان غلطیوں کو معاف کر دیا:

1- مسلمانوں کے بزدلی دکھانے کو۔ 2- آپس میں اختلاف کرنے کو۔
3- رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے کو۔ 4- اُحد کے میدان سے شکست کھا کر بھاگنے کو۔

سوال 14: وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ” اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والا ہے“ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا فضل تھا؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ کا ان کی کوتاہیوں کے باوجود انہیں معاف فرمادینا اس کا فضل تھا۔ 2- اللہ تعالیٰ نے معافی اور مغفرت کے ذریعے مومنوں پر فضل کیا۔ 3- اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر فضل ہر حال میں ہوتا ہے خواہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ذریعے ہو یا ابتلاء و آزمائش کے ذریعے۔ یقیناً ابتلاء و آزمائش اللہ تعالیٰ کا فضل اور خفیہ لطف و کرم ہے تا کہ مومن مصائب پر صبر کرنے لگیں اور مشکل محاذوں پر ثابت قدم رہیں اور یقین میں کمال حاصل کریں اور ثابت کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے حالات خود نہیں بدل لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا اور اس کی رونقوں کی طرف راغب ہوئے اور نہ وہ حق سے ہٹے۔ ان کی جلد بازی کی سزا انہیں ملی جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے پاک ہو گئے اور وہ شہادت کے مرتبے پر پہنچے۔ (تفسیر القاسمی: 4/253)

سوال 15: کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کے بعد اہل ایمان پر طعن و تشنیع کی گنجائش ہے؟
جواب: اہل ایمان کی کوتاہیوں پر جب معافی مل جاتی ہے تو طعن و تشنیع کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ایک حج کے موقع پر کسی شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کئے کہ وہ غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے اور غزوہ اُحد سے فرار ہو گئے تھے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غزوہ بدر میں اُن کی بیوی بیمار تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں، بیعت رضوان کے موقع پر وہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور غزوہ اُحد کے فرار کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ (بخاری: 3699)

إِذْ تَضَعُونَ وَلَا تَكُونُوا عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَحْسَنِ مَقَامٍ فَأَجَابَكُمْ عَجْبًا لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (153)

جب تم دور چلے جا رہے تھے اور مڑ کر کسی ایک کو بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہاری کچھلی جماعت میں پکار رہا تھا

تو اُس نے بدلے میں تمہیں غم کے ساتھ اور غم دیا تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی اور اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم عمل کرتے ہو۔ (153)

سوال 1: اِذْ تُصْعِدُونَ ”جب تم دوڑ چلے جا رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اُحد کے میدان میں مسلمانوں کی بدحواسی کا پتہ چلتا ہے۔ مسلمان مرعوب ہو گئے، دہشت زدہ ہوئے اور سخت اضطراب میں مبتلا ہوئے۔ کوئی کسی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ کوئی کسی کی پکار کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ نبی ﷺ پکار رہے تھے: ”اَلَيْ عِبَادَ اللّٰهِ“ تاکہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔ ان کے قدم اس لیے لٹکھڑائے تھے کہ کسی نے مشہور کر دیا کہ نبی ﷺ قتل ہو گئے۔

سوال 2: اِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنَهَا اَحْيًا ”جب تم دوڑ چلے جا رہے تھے اور مڑ کر کسی ایک کو بھی نہ دیکھتے تھے“ کا احساس کیوں دلایا؟

جواب: 1- یہ احساس اس لیے دلایا گیا کہ ان کے ذہن پر یہ نقش ہو جائے۔ 2- اور یہ اپنے لیے پریشیانی اور ندامت محسوس کریں۔ 3- اپنے رویے کے اسباب پر غور کریں۔ 4- اپنی کمزوریوں، حکم عدویوں اور باہمی اختلافات پر غور و فکر کریں۔

سوال 3: وَالرَّسُولُ يَدْعُو كَهْفًا اُخْرَبُمْ ”اور رسول تمہیں تمہاری بچھلی جماعت میں پکار رہا تھا“ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو پیچھے سے کیسے پکارتے رہے؟

جواب: 1- رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو پکارتے رہے: اَلَيْ عِبَادَ اللّٰهِ میری طرف لوٹ کر آؤ اللہ کے بندو! 2- یعنی رسول ان لوگوں کو بلا رہے تھے جو پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ کہ ”اے میرے بندو! میرے پاس آؤ“ مگر تم نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا نہ تم ان کے پاس رکے۔ پس میدان جنگ سے فرار فی نفسہ موجب ملامت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا بلانا، جو اس امر کا موجب تھا کہ اپنی جان پر بھی آپ کی پکار کو مقدم رکھا جائے۔ سب سے بڑی ملامت کا مقام ہے، کیونکہ تم لوگ بلانے کے باوجود آپ سے پیچھے رہے۔ (تفسیر السعدی: 1/435) 3- براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا گیا، انہوں نے بیان کیا کہ احد کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ نے (تیر اندازوں کے) پیدل دستے پر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر کیا تھا پھر سے مسلمانوں نے پیٹھ پھیر لی، آیت ”اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے“ میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اس وقت رسول کریم ﷺ کے ساتھ بارہ صحابیوں کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ (صحیح بخاری: 4561)

سوال 4: فَآثَابُهُمْ عَمَّا بِيَعْتُمْ لِيَكِلَآهَ تَحْرُؤُهُمْ اَعْلَىٰ مَا فَآثَابُكُمْ وَلَا مَا آصَابُكُمْ ” تو اُس نے بدلے میں تمہیں غم کے ساتھ اور غم دیا تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی۔“ اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو کون سے غم دیئے؟

جواب: 1- بہت سے مسلمانوں کے قتل ہونے کا غم۔ 2- نبی ﷺ کی شہادت کی انواہ سے بچنے والا غم۔ 3- مسلمانوں کے زخمی ہونے کا غم۔ 4- نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا غم۔ 5- مالِ غنیمت سے محرومی کا غم۔ 6- کفار پر فتح پانے سے محرومی کا غم۔

سوال 5: لِيَكِلَآهَ تَحْرُؤُهُمْ اَعْلَىٰ مَا فَآثَابُكُمْ وَلَا مَا آصَابُكُمْ ” تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غم کیوں دیئے؟

جواب: ” تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی۔“ 1- تاکہ ان کے اندر برداشت کرنے کی قوت اور حوصلہ پیدا ہو جائے۔ اگر یہ عزم پیدا ہو جائے تو جانے والی چیزوں پر ملال نہیں رہتا۔

2- یہ سب اس لیے ہوا تاکہ انہیں مصیبتوں پر صبر کرنے کی عادت پڑے اور ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ فتح و نصرت اور حصول مالِ غنیمت سب اللہ کی جانب سے ہوتا ہے، ان کی قدرت و طاقت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 6: وَاللّٰهُ حَبِيْبٌ يُّبَايِعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ” اور اللہ تعالیٰ پوری خیر رکھنے والا ہے اس کی جو تم عمل کرتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی دل کے حالات اور بدلتے واقعات سب اللہ تعالیٰ کی خبر میں ہیں۔ اس لئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے۔

2- اُحد کے میدان میں مسلمانوں کے اندر جو کمزوری اور بزدلی پیدا ہوئی تھی اور اس کے نتیجے میں جو بھگدڑ مچی اور ایک کے بعد ایک صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماحول میں گزرنے والے مسلمانوں کو اپنی ذات کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر رکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اگر مسلمان میدانِ اُحد میں دل کی گہرائیوں سے اپنے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو خبردار سمجھتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْنَا مِنَ الْعَمَامَةِ نَعَا سَا بَعْشَىٰ طَا بِيْفَةً مِّنْكُمْ وَلَا طَا بِيْفَةً قَدْ اَهْتَمْتُمْ اَنْفُسُهُمْ يَتَذَكَّرْنَ بِاللّٰهِ عَزِيْرًا حَقِيْقًا اَلْحَقُّ حَقُّ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَقَوَّلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنْ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ

مَا كَانُوا يَدُونُ لَكَ يُفْقَهُونَ لَوْ كَانُوا لِنَامِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ
 كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُبَيِّنَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 بِذَاتِ الصُّدُورِ (154)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن نازل فرمایا، ایک اونگھ تھی جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی اور یقیناً
 کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے
 تھے، وہ کہتے تھے: ”کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟“ آپ کہہ دیں: ”بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار
 میں ہے۔“ وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: ”اگر اس
 میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے“ آپ کہہ دیں: ”اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل
 ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لیٹنے کی جگہوں کی طرف نکل آتے۔“ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اسے آزما لے جو تمہارے سینوں میں
 ہے اور تاکہ وہ اسے خالص کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے۔ (154)
 سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اور ابن راہویہ نے مسند میں زہری سے روایت کیا کہ شیطان نے احد کے دن بلند آواز سے چیخ ماری کہ رسول ا
 کرم ﷺ شہید کر دیئے گئے، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے میدان جنگ میں رسول
 اکرم ﷺ کو دور سے پہچانا۔ میں نے آپ کی آنکھوں کو خود کے نیچے سے دیکھا دیکھتے ہی خوشی و مسرت میں بلند آواز کے ساتھ
 میں نے پکارا کہ اے صحابہ کرام! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس: 1/225)

سوال 2: ذُكِرَ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَحْنُ نَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
 فرمایا، ایک اونگھ تھی جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی، میدان احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طاری ہونے والی اونگھ کی کیفیت کیا تھی؟
 جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد اہل یقین پر خاص طور پر کامل امن طاری کر دیا ان کا خوف جاتا رہا یہاں تک کہ ان کے
 ہاتھوں سے تلواریں گرتی جا رہی تھیں۔ 2- سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کی

دن جب ہم صف بندی میدان میں تھے کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلواری جاری تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا وہ گری جارہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ (بخاری: 4562) 3۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوطالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ”میں نے اُحد کے دن اپنا سر اٹھایا اور دیکھنے لگا ہر شخص کا سر ہودج پر جھکا ہوا ہے۔“ (تفسیر مظہری: 261/2)

سوال 3: اونگھ خوفزدہ انسان پر کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟

جواب: 1۔ خوفزدہ اور پریشان حال انسان پر جب اونگھ طاری ہوتی ہے چاہے ایک لمحے کے لیے ہو، جسم پر جادو کے سے اثرات مرتب کرتی ہے۔ اونگھ دور ہوتے ہی تروتازگی محسوس ہوتی ہے، جسم آرام محسوس کرتا ہے اور دلوں پر اطمینان کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ 2۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اونگھ کے کئی فوائد تھے۔ ان میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ دشمنانِ اسلام جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے، ان کا خوف مسلمانوں کے دلوں سے نکل گیا کیونکہ نبند کی حالت میں محفوظ رہنے نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین بڑھا دیا۔ (تیسیر الرحمن: 215) 3۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قتل میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہے۔ (تفسیر الدر المنثور: 156/2)

سوال 4: میدانِ جنگ میں سب سے زیادہ اہمیت کس بات کی ہوتی ہے؟

جواب: 1۔ انسان کا سکون رخصت نہ ہو۔ 2۔ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا منصوبہ بنا سکے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ 4۔ اسے یہ یقین ہو کہ اس کی جان اس کی اپنی نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسی کے لیے لڑنا ہے اور اسی کے لیے حرکت میں آنا ہے۔

سوال 5: یہاں کن دو جماعتوں کا تذکرہ ہے؟

جواب: یہاں مسلمانوں کی دو جماعتوں کا تذکرہ ہے: 1۔ ان میں سے ایک کو اونگھ ڈھانپ رہی تھی۔ 2۔ دوسری وہ تھی جسے اپنی جانوں کی فکر لاحق تھی۔

سوال 6: وَطَلَّيْنَهُمَا قَدْ أَهَمَّتْهُمُ أَنْفُسُهُمْ ”اور یقیناً کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا“ ڈمگاتے ایمان والوں کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: 1۔ سیدنا ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ اٹھایا میں نے سر اپنا اُحد کے دن تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی ان میں سے اس دن ایسا نہیں ہے جو جھکا نہ جاتا ہوا اپنے سر کے نیچے اونگھ کے سبب سے پس بھی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ثم انزل (جامع

ترمذی کتاب تفسیر القرآن: (3007) 2- ”اور یقیناً کچھ لوگ تھے جن کی جانوں نے انہیں فکر میں ڈال رکھا تھا“ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا سرپرست نہیں بناتے، اس پر اعتقاد نہیں کرتے، اپنے آپ کو تقدیر کے سپرد نہیں کرتے۔ 3- دین کی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔ 4- اپنی ذات کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ 5- ان کے دلوں میں ایمان کی حقیقت جاگزیں نہیں ہوتی۔ 6- اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں کرتے ہیں۔ 7- انہیں صرف اپنی فکر لاحق تھی۔ انہیں نہ تو اپنے دین کی فکر تھی، نہ اپنے رسول کی، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، خوف و قلق اور جزع فزع کی وجہ سے انہیں کہاں نیند آسکتی تھی! (تیسیر الرحمن)

سوال 6: يَطْفُونَ بِاللهِ عَيْدًا لِيَحْبِيَ عَنْ الْجَاهِلِيَّةِ ”وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے تھے“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت والے گمان کیا تھے؟

جواب: ”وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کر رہے تھے“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت والے گمان یہ تھے کہ 1- نبی ﷺ کا معاملہ باطل ہے۔ 2- انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں۔ 3- جس دین کی دعوت دیتے ہیں اس کا مستقبل مایوس کن ہے۔

سوال 7: يَفْقَهُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْْرِ مِنْ شَيْءٍ ”وہ کہتے تھے“ کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- یہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی طرف اشارہ ہے۔ جنگ کے لیے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اس نے یہی مشورہ دیا تھا کہ شہر کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے اس لیے جب اسے خبر ملی کہ خزرج کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے تو اس نے مسلمانوں میں بطنی پھیلائے کے لیے کہا ہلّ لَنَا مِنَ الْاَمْْرِ مِنْ شَيْءٍ ”کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہے؟“ (تیسیر الرحمن)

2- منافقین کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس جنگ کے لیے جو منصوبہ بنایا گیا اس میں ہماری ایک نہیں سنی گئی۔ اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ 3- ان کو جواب یہ دیا گیا کہ کہہ دو: یقیناً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

4- قنود اور رزیح نے کہا: جاہلیت کے گمان اہل شرک کے تھے۔ (جامع البیان: 4/148)

سوال 8: قُلْ اِنَّ الْاَمْْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ”آپ کہہ دیں: بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے“ یہ امر کن امور پر مشتمل ہوتا ہے؟

جواب: ”آپ کہہ دیں: بلاشبہ سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے“، پس معلوم ہوا کہ اسباب خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں وہ تب ہی فائدہ دیتے ہیں جب قضا و قدر معارض نہ ہو۔ جب قضا و قدر اسباب کے خلاف ہو تو اسباب کوئی فائدہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کے جو فیصلے لوح محفوظ میں لکھ دیئے ہیں وہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی)

سوال 9: يٰۤاَخْفٰوْنَ فِىۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يَبْدُوْنَ لَكَ” وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”وہ اپنے دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے“ وہ اپنے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کفر، بغض اور دشمنی چھپائے ہوئے تھے جس کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ (ابن القاسم) ان کے دل و سوسوں اور شبہات سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً: 1- قیادت کی غلطی ہے۔ 2- قیادت کے اختیارات میں ہمارا کوئی حصہ ہوتا تو یہاں نہ مارے جاتے۔

سوال 10: يَقُولُوْنَ لَوْ كَانْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَا قَاتَلْنَا هٰٓهٗنَا” وہ کہتے ہیں: ”اگر اس میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا انکار اور اس کی تکذیب ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو بے وقوفی کی طرف منسوب کرنا اور اپنے آپ کو پاک صاف اور صحیح قرار دینا ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 11: انسان کے اندر قیادت کے بارے میں وسوسے کب آتے ہیں؟

جواب: 1- جب انسان نظریے کے لیے خالص اور یک سو نہیں ہوتا۔ 2- جب کسی موقع پر تکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ 3- جب توقع سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ 4- جب ناگوار نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سوال 12: قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِيۤ اٰيۡتِيۡنَا لَكَدَّرَاۤلَّذِيۡنَ كَتَبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ اِلٰی مَصٰحِحِهِمْ” آپ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لٹنے کی جگہوں کی طرف

جواب: ”آپ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کا قتل ہونا لکھا گیا تھا وہ ضرور اپنے لٹنے کی جگہوں کی طرف نکل آتے“ موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جہاں کسی کے لیے لکھی ہوئی ہو کر رہتی ہے۔ 1- اسباب خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں وہ تب ہی فائدہ دیتے ہیں جب قضا و قدر معارض نہ ہو۔ جب قضا و قدر اسباب کے خلاف ہو تو اسباب کوئی فائدہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کے جو فیصلے لوح محفوظ میں لکھ دیئے ہیں وہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ (تفسیر سعدی) 2- احتیاطی تدابیر کسی کو موت سے نہیں بچا سکتیں۔

سوال 13: وَيَلْبَسْنَ اللّٰهُ مَا فِيۤ صُدُوْرِكُمْ” اور تاکہ وہ اسے خالص کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے“ سینوں کے اندر کس چیز کی

آزمائش مطلوب تھی؟

جواب: 1- ایمان کی آزمائش مطلوب تھی جو سینوں کے اندر تھا۔ 2- سینوں کے اندر اخلاص ہے یا نفاق، اللہ تعالیٰ اسے باہر نکالنا چاہتے تھے۔ 3- اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر پروان چڑھنے والے اخلاص یا نفاق کو ظاہر کر کے حجت بنا دینا چاہتے تھے۔ مومنوں کے ایمان میں تو اس سے اضافہ ہوا اور کافروں کے امراض ان کی زبان سے ظاہر ہوئے۔ (تفسیر القاسمی: 14268, 269)

سوال 14: وَيَلْبِغْصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور تا کہ اللہ تعالیٰ اسے آزمالے جو تمہارے سینوں میں ہے، اس کی وضاحت کریں؟
جواب: اور تا کہ وہ تمہارے دلوں کو خالص کرے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آزمائش اس لئے آتی ہے تاکہ جب کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے تو کھوٹ کو اللہ تعالیٰ صاف کر دے۔

سوال 15: دلوں کا حال کھول دینے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ مخلص مسلمانوں کا اخلاص اور منافقوں کا نفاق کھل جائے کیونکہ ایسے حالات سے گزرنے کے بعد مومن کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور منافق کی زبان سے اسلام کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔
2- اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ امتحان کے مراحل سے گذر کر مومن غفلت اور شیطانی وسوسوں سے نجات پاسکے جو اسلام اور ایمان کے منافی ہے۔

سوال 16: يَدَاتِ الصُّدُورِ سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- خفیہ راز جو دل کی تہوں میں ہوتے ہیں۔ 2- جو ہر وقت دل میں ہوتے ہیں جدا نہیں ہوتے۔ 3- جو روشنی میں نہیں آتے۔ 4- اللہ تعالیٰ ان بھیدوں سے خوب واقف ہے۔

سوال 17: وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اور اللہ تعالیٰ سینوں والی باتیں خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور کیسے دلا یا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر چھپے ہوئے نفاق کو ظاہر کر کے اپنے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلا یا ہے۔
2- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے ایمان کے علم سے اپنے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلا یا ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر آنے والے وسوسوں سے اپنے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلا یا ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے گمانوں سے اپنے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے کا شعور دلا یا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (155)

یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا، یقیناً انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔ (155)

سوال 1: إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ”یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا“ مقابلے کے دن کس نے پیٹھ پھیری تھی؟

جواب 1: ”یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتوں کا باہمی تصادم ہوا“ اس سے مراد وہ تیرا انداز ہو سکتے ہیں جن کے دل میں مال غنیمت کے لالچ نے جوش مارا تھا۔ ان کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ انہیں ان کا حصہ نہیں دیں گے۔ 2۔ اس سے مراد غزوہ احد سے بھاگنے والے افراد بھی ہو سکتے ہیں۔ 3۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف تیرہ یا چودہ مسلمان رہ گئے تھے جن میں سات مہاجرین تھے اور سات انصار۔ مہاجرین میں سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، بن عبید اللہ، سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ، بن عوف، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، بن عوام اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ، بن ابی وقاص تھے اور سیدنا عثمان بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ جنہوں نے راہ فرار اختیار کی تھی۔ چنانچہ شیعہ حضرات سیدنا عثمان پر ایک یہ طعن بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ فرار محض شیطانی اغوا تھا۔ ایمان کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قصور معاف فرما دیا ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن: 320/1)

سوال 2: انسان سے غلطی کب ہوتی ہے؟

جواب: انسان سے اس وقت غلطی ہوتی ہے۔ 1۔ جب اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔ 2۔ جب اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔ 3۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر بھروسہ نہیں رہتا۔ 4۔ اس مقام پر شیطان انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ ایسے انسان سے غلطیاں کرواتا ہے۔

سوال 3: إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ”یقیناً انہیں شیطان ہی نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلا دیا تھا“ کی

وضاحت کریں؟

جواب: 1- اَسْتَوْذَعْتُمْ - شیطان نے نہیں اپنے وسوسے سے پھسلا دیا جس کی وجہ سے وہ پھسل جاتا ہے اور غلطی کر بیٹھتا ہے۔
2- بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ” ان کے بعض اعمال کی وجہ سے“ ان کے گناہوں اور نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ان سے روک دی گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ (تفسیر مزین: 454/2)

سوال 4: شیطان انسان کے اندر کیسے داخل ہوتا ہے؟

جواب: شیطان انسان کے اندر اس وقت داخل ہوتا ہے 1- جب اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ 2- جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ سے نکل آتا ہے۔ 3- باہمی اختلاف سے شیطان در آتا ہے۔

سوال 5: شیطان کو کب بہکانے کا موقع ملتا ہے؟

جواب: 1- شیطان کو انسان کے گناہوں کی وجہ سے بہکانے کا موقع ملتا ہے۔
2- حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال لشکر کی مانند ہیں۔ اگر اچھے ہوں تو ان سے دشمن کے خلاف تقویت ملتی ہے اور اگر برے ہوں تو دشمن کو تقویت ملتی ہے۔

3- اگر وہ اپنے رب کی اطاعت کے ذریعے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے تو شیطان کو ان پر کوئی اختیار نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اِنَّ عِبَادِي لَنِيسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ مِّرَّةً يَّوْمَ يَنْزِلُ السَّمَاءُ سَاقِطًا) (تفسیر سعدی)
سوال 6: اللہ والوں نے غلطی کے بعد کیا کیا؟

جواب: انہوں نے استغفار کی۔

سوال 7: استغفار کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- استغفار کی وجہ سے انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ جاتی ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔ 3- شکوک، شبہات اور بے یقینی کی حالت ختم ہو جاتی ہے۔ 4- وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔
5- وہ دروازہ بند ہو جاتا ہے جہاں سے شیطان در آتا ہے۔

سوال 8: وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ” اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا ہے“ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی معافی کا اعلان کیا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں ہونے والی لغزشوں کی معافی کا اعلان کیا ہے۔
 2- اللہ نے ان مسلمانوں کی معافی کا اعلان کیا اس لیے کہ ان کا فرار نفاق کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک عارضی غلطی تھی۔ (تیسیر الرحمن)
 سوال: 9: اللہ تعالیٰ نے انہیں کب معاف کر دیا؟

جواب: 1- جب اس نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کے اندر اللہ تعالیٰ کو پانے کی طلب ہے۔ وہ اس سے جڑنا چاہتے ہیں۔
 2- جب اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا کہ وہ لوگ سرکشی نہیں کرنا چاہتے۔
 سوال: 10: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیوں معاف کر دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس لئے معاف کر دیا کیونکہ ان کا فرار نفاق کا نتیجہ نہیں تھا، غلطی تھی۔
 سوال: 11: إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ”بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: 1- اللہ تعالیٰ غفور ہے سارے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ حلیم ہے وہ گناہوں پر سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ (تیسیر میر: 460/2)

سوال: 12: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفور اور رحیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کے باوجود ان کے دلوں میں موجود ایمان کے علم سے اپنی مغفرت کا شعور دلایا ہے۔
 2- اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی لغزشوں کے باوجود معاف کرنے سے اپنی رحمت کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 8

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا الْإِحْوَانِيهِمْ إِذَا صَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُرُبًا لَوْ كَانُوا
 عِنْدَنَا مَا مَاتُوا أَوْ مَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذُلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُخَيِّمُ وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (156)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں
 کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ لڑنے والے تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے

جاتے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔

سوال 1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا،" کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منافقوں اور کافروں کی مشابہت سے روکا ہے۔

2- کفر اسلام سے اور اسلامی عقیدے سے انکار کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب انسان ایسی بات کہتا ہے کہ "اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے" تو زندگی اور موت کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے موت و حیات کے مالک ہونے کے عقیدے کا انکار ہے۔ اس لئے اس قول کو کفر اور کہنے والے کو کافر قرار دیا گیا۔ (قرآن عجباً)

3- فاسد عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے۔

سوال 2: زندگی اور موت کے بارے میں مومن اور کافر کے عقیدے میں کیا بنیادی فرق ہوتا ہے؟

جواب:

غیر مومن کی سوچ	مومن کی سوچ
1- ظاہری اسباب پر یقین رکھتا ہے۔	1- دنیا میں ہونے والے کاموں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر یقین رکھتا ہے۔
2- زندگی موت، کامیابی اور ناکامی کو اپنی تدبیروں کا نتیجہ سمجھتا ہے۔	2- زندگی موت، کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔
3- حادثہ پیش آئے تو غم میں مبتلا ہوتا ہے کہ میں نے فلاں تدبیر کی ہوتی تو حادثے سے بچ جاتا۔	3- اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔

مؤمن کا عقیدہ	غیر مؤمن کا عقیدہ
4- جو ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے وہ اپنے وجود کی قیمت پر اپنے مال سے، اپنے وقت، اپنی صلاحیت سے جنت حاصل کرنے کی تک و دو میں زندگی گزارتا ہے۔	4- جو دنیا کے اسباب کو اہمیت دیتا ہے، دنیا کی چیزوں کی فراہمی میں ساری زندگی لگا دیتا ہے۔

سوال 3: وَقَالُوا لَإِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ إِذَا أَصَابُوا مِنْ غَيْرِ الْمَوْتِ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ إِذَا أَصَابُوا مِنْ غَيْرِ الْمَوْتِ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ إِذَا أَصَابُوا مِنْ غَيْرِ الْمَوْتِ اور انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ لڑنے والے تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ وہ قتل کیے جاتے، کافروں کی سی باتیں کون سی ہوتی ہیں؟

جواب: اگر کوئی سفر یا جنگ میں حادثے سے دوچار ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔
سوال 4: کسی کی موت یا شہادت پر اس قول کو لگو گا: كَانُوا عِنْدَنَا مَا صَاحَتُوا وَمَا قَاتَلُوا ”اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے“ کفر کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب: کفر اسلام سے اسلامی عقیدے سے انکار کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے کے مطابق زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب انسان ایسی بات کہتا ہے کہ اگر ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تو زندگی اور موت کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے موت و حیات کے مالک ہونے کے عقیدے کا انکار ہے۔ اس لئے اس قول کو کفر اور کہنے والے کو کافر قرار دیا گیا۔

سوال 5: کافرانہ باتوں کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
جواب: دل کے اندر حسرت پیدا ہوتی ہے۔

سوال 6: اہل ایمان کو کافروں جیسی باتیں کرنے سے روکا گیا۔ اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: 1- کافرانہ باتیں کر کے انسان کا عقیدہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقیدہ کے فساد سے روکا ہے۔
2- یہ عقیدہ لگو گا: كَانُوا عِنْدَنَا مَا صَاحَتُوا ”اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے“ بزدلی کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے سے روک کر بزدلی سے بچالیا ہے۔

3- عقیدے کا فسادِ دلی حسرت کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلی حسرتوں سے بچا لیا ہے۔

سوال 7: لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُمْ حَسْرَةً لِّفُلُقُوهُمْ ”تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: مجاہد کا قول ہے کہ ان کی بات نے انہیں غم دیا ان کو کسی چیز نے نفع نہیں دیا۔ (تفسیر الدر المنثور: 2/158)

سوال 8: دلی حسرت سے کون بچ سکتا ہے؟

جواب: دلی حسرت سے صحیح عقیدہ رکھنے والے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جو اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور زندگی اور موت پر اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقتور مومن ضعیف مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے اور ہر ایک میں خیر اور بھلائی ہے۔ تم ان کاموں کی حرص کرو جو تمہارے لئے مفید ہیں۔ (یعنی آخرت میں کام دیں) اور اللہ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو اور جو تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں ایسا کرتا یا ایسا کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی، لیکن یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا اور اگر مگر کرنا شیطان کے لئے راہ کھولنا ہے۔ (صحیح مسلم: 6774)

سوال 9: وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ”حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے“ موت و حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ کیا ہے؟

جواب: 1- موت و حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ”وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“

2- موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ 3- جب موت کا وقت آجائے تو وہ قلعوں کے اندر بھی آجائے گی۔

سوال 10: موت و حیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تسلیم کر لینے سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: 1- موت و حیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تسلیم کر لینے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ 2- انسان پختہ ارادوں والا ہو جاتا ہے۔ 3- انسان کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ 4- انسان حسرتوں سے بچ جاتا ہے۔ 5- بے چینی و اضطراب سے بچ جاتا ہے۔ 6- اسے دلی سکون نصیب ہوتا ہے۔ 7- بزدلی سے بچ جاتا ہے۔ 8- زندگی بچائے نہیں پھرتا بلکہ اسے بلند مقاصد کے حصول کے لیے، اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے نچھاور کرنے کو تیار رہتا ہے۔

سوال 11: وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ”حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں کو حسرت سے بچانے کے لئے اپنے مہیبی اور مُمیت ہونے کا شعور دلا لیا ہے۔

سوال 11: وَاللَّهُ يَتَعَلَّمُونَ بِصَيِّدٍ” اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے“ سے اللہ تعالیٰ نے کون سے اعمال پر اپنے بصیر ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے زبان اور دل کے عمل کی طرف توجہ دلائی ہے جن اعمال کے بارے میں عام طور پر لوگ بے شعوری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بے پرواہ رہتے ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ نے دل اور اعمال پر بصیر ہونے کی طرف توجہ دلا کر انسان کو اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے فساد سے روکا ہے۔

وَلَكِنْ قُلَيْبُكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَتَّمْ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (157)

اور یقیناً اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔ (157)

سوال 1: وَلَكِنْ قُلَيْبُكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَتَّمْ” اور یقیناً اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت نیکی اور خیر کے ایسے اعمال میں سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہ نمائی کی ہے اور اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رحمت اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے۔

3- اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا اس سارے مال و متاع سے بہتر ہے جسے اس دنیا کی زندگی میں جمع کرتے ہیں وہ ڈھلتا سایہ ہے اور شہادت پر ملنے والی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ (تفسیر المرآئی: 2/91)

سوال 2: کیا موت اور قتل سے زندگی ختم ہو جاتی ہے؟

جواب: نہیں بلکہ موت کے بعد لازوال زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

سوال 3: لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ” تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں“ کیا یہ زندگی اس انعام سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ دے گا؟

جواب: 1- اس زندگی میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ عارضی ہے۔ 2- وقت، زندگی، مال، اولاد، صلاحیتیں، قوتیں، ہر چیز مقررہ

وقت پر مقررہ مقام پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ملتی ہے۔ 3۔ انسان جو کچھ اس زندگی میں پالیتا ہے وہ اس کا رہتا نہیں مثلاً: i۔ وقت ختم ہو جانے والا ہے۔ ii۔ عمر تمام ہونے والی ہے۔ iii۔ زندگی بیماریوں، حادثوں، مصیبتوں اور دکھوں کا شکار ہو جانے والی ہے۔ iv۔ صلاحیتیں اور قوتیں زوال پذیر ہونے والی ہیں۔ v۔ مال حفاظت کے باوجود ہاتھ سے نکل جانے والا ہے۔ ہر چیز فانی ہے۔ کسی چیز کے بارے میں انسان کو مستقل اطمینان نہیں رہتا۔ 3۔ یہ زندگی اور اس کی نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں جبکہ آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ اور آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے۔ (الاعلیٰ: 17)

سوال 4: انسان کے سامنے دو ترجیحات ہیں: دنیا یا آخرت، انسان کس کو ترجیح دے؟

جواب: انسان کے سامنے دو ترجیحات رہتی ہیں: دنیا یا آخرت۔ انسان ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتا ہے۔ جب وہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا ہر کام دنیا کے لئے ہوتا ہے۔ جب وہ آخرت کو ترجیح دیتا ہے تو اس کا ہر کام آخرت کے لئے ہوتا ہے۔

آخرت کے لیے	صرف دنیا کے لیے	
1۔ انسان دنیا کی ضروریات کے بعد آخرت کے لیے مال گھٹاتا ہے جو آخرت میں کام آتا ہے۔	انسان مال جمع کرتا ہے اور دنیا کے لیے خرچ کرتا ہے جو آخرت میں کام نہیں آتا۔	1۔ مال

2- اولاد	انسان اولاد کو صرف دنیا بنانے پر لگا دیتا ہے۔ ان کی تعلیم ان کے روزگار، ان کی شادی اور ان کے بہتر مستقبل کی فکر کرتا ہے۔ ایسی اولاد آخرت میں اس کے کام نہیں آسکتی۔	انسان اولاد کو دنیا میں بہترین انداز سے جینے کے قابل بناتا ہے۔ ان کی دنیا کی تعلیم کے ساتھ آخرت کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ ان کے روزگار کی فکر کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ تجارت کے لیے تیار کرتا ہے۔ ان کی شادی کرتا ہے اور انہیں اپنی نسل کو بھی آخرت کے لیے تیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایسی اولاد دنیا میں بھی نعمت ہے اور آخرت میں بھی۔
3- وقت	انسان وقت دنیا کے کاموں اور خوشیوں کے لیے لگاتا ہے۔ آخرت میں کام نہیں آتا۔	انسان اپنے وقت کو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں کامیابی کے لیے اپنے مقصد زندگی کے مطابق لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاتا ہے۔
4- صلاحیتیں اور قوتیں	انسان اپنی صلاحیتیں اور قوتیں دنیا بنانے کے لیے لگاتا ہے۔ (دنیا کے چند دن کا عیش اور ہمیشہ کی ذلت و رسوائی عذاب)	انسان اپنی صلاحیتیں اور قوتیں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے اپنی زندگی کے مشن کو پورا کرنے کے لیے لگاتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

سوال 5: انسان کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بنتا ہے؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اخلاص کے ساتھ جہاد کر کے اس کی رحمت اور مغفرت کا مستحق بنتا ہے۔

سوال 6: لَمْ يَغْفِرَ لَكُمْ وَاللَّهُ وَرَحْمَةُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ” تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے

ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے بہتر ہے۔ 3- یہ موت اس لیے بہتر ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت نصیب ہوتی ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے میں قتل ہو جانا یا مر جانا، اس میں کوئی نقص یا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے پرہیز کیا جائے بلکہ یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رغبت کے لیے لوگوں کو مسابقت کرنی چاہیے کیونکہ یہ ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ اس دنیاوی مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسے دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی)

وَلٰكِن مِّنْكُمْ اَوْ قِتْنًا لَّآلِ اللّٰهِ تُحْشَرُونَ (158)

اور یقیناً اگر تم مر گئے یا قتل کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے (158)

سوال 1: وَلٰكِن مِّنْكُمْ اَوْ قِتْنًا لَّآلِ اللّٰهِ تُحْشَرُونَ ”یقیناً اگر تم مر گئے یا قتل کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے“ انسان کو جب یہ یقین ہو جاتا ہے تو اس کے رویے میں کیا فرق آتا ہے؟

جواب: 1- انسان عظیم موت (شہادت) کے حصول کے لیے بڑے مقصد (جہاد) کے لیے جینے کا ارادہ کر لیتا ہے۔

2- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں اس طرح نکلا کہ میری راہ میں جہاد، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے ہی اسے نکلنے پر مجبور کیا تو میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اس کے مسکن تک جہاں سے وہ نکلا ہے اس طرح واپس لاؤں کہ وہ اجر یا غنیمت سے مالا مال ہو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اللہ کی راہ میں کسی شخص کو جو بھی زخم آئے گا وہ قیامت کے دن اسی زخمی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہوگا اس زخم کا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہوگی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس اتنی وسعت ہے کہ میں ان سب کو سامان جنگ مہیا کر سکوں اور نہ ان کو خود ہی اس قدر وسعت حاصل ہے مسلمانوں کو یہ بھی ناگوار گذرتا ہے کہ میں کسی مہم کے لیے نکلوں اور وہ پیچھے رہ جائیں اس ذات کی

قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں۔ (صحیح مسلم: 4859)

سوال 2: اَللّٰهُ تُشْهُرُوْنَ ”اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- مرنے یا مارے جانے کے بعد سب کا حشر اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے جو ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دے گا۔ 2- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس نے نہ کبھی جہاد کیا ہو اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال آیا ہو تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبے پر ہوگی۔“ (مسلم: 1910)

سوال 3: اَللّٰهُ تُشْهُرُوْنَ ”اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے“ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- انسان کے دل میں موت اور حیات کی حقیقت بیٹھ جاتی ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر انسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ کی حکم پر دل مطمئن ہو جاتا ہے۔

فَمِمَّا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَكَوْنَتْ فُطْرًا عَلِيظًا الْقَلْبَ لَا نَفْطُؤَامِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوَرَهُمْ فِي الْأُمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (159)

پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

سوال 1: فَمِمَّا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ ”پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے ہے“ یہاں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی کس خاص رحمت کا تذکرہ ہے؟

جواب: ”پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے ہے“ 1- نبی ﷺ کے اندر کی نرمی اور ملائمت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا نتیجہ تھی۔ 2- (البقرہ: 128) 3- غیروں (اور غیر بھی کیسے بعض معاندوں تک) کہ دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔ لیکن پول نے کہا ہے: ”ظلم محمد کی سرشت ہی میں نہ تھا“ اور باسور تھ اسمتھ کا بیان ہے کہ ”انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کوئی

مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے، گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے۔ اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے: پیغمبر کا میلان طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا۔ مفصل حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ (تفسیر ماجدی: 1/654) 4۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی آپ نے کبھی مجھ سے اف بھی نہیں کیا نہ آپ نے کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: 6038)

سوال 2: فَمِمَّا رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَقَدْ لَعَنَّاهُ ” پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو نرمی اور ملائمت کیوں عطا کی گئی؟
جواب: دعوت و تبلیغ کے فریضے کو انجام دینے کے لئے نرمی اور ملائمت ضروری ہے۔

سوال 3: وَكَوْنُكُمْ فَلَاعْلَىٰ غَلِيظًا الْقَلْبُ لَا نَقْضُ مَا مِنْ حَوْلِكَ ” اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، تند خوئی اور سنگدلی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ”اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے“ 1۔ تند خوئی اور سنگدلی کی وجہ سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ 2۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، کہ آپ سخت زبان، سخت دل اور باز اوروں میں شور مچانے والے نہ ہوں گے اور برائی کا جواب برائی سے نہ دیں گے۔ بلکہ عفودرگزر سے کام لیں گے۔ (تیسیر الرحمن: 218) 3۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی بھی تکلیف پر جو آپ کو پہنچائی گئی ہو، کبھی بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری: 6853) 4۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو، مزاج ہو قریب ہو۔ سہل ہوسنن ابوداؤد میں ہے کہ آنسیدنا سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بد اخلاق داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

سوال 4: دنیا میں پیغمبر کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

جواب: انسانیت کو برے انجام سے بچانے اور انہیں ان کے رب کی پہچان دینے کے لیے ایک بنیادی جماعت کی تیاری جو

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔

سوال 5: مسلم اُمت کی تنظیم کے لیے اس آیت میں کیا طریقہ کار بتایا گیا ہے؟

جواب: امت مسلمہ کی تنظیم کے لیے اس آیت میں ایک تو قائد کے اوصاف بتائے گئے ہیں اور دوسرے اجتماعی معاملات کی تنظیم کے لیے قائد کی زیر نگرانی افراد کے لیے اصول دیئے گئے ہیں۔

سوال 6: ایک قائد کی شخصیت کو کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: ایک قائد کو اپنی شخصیت میں مطلوبہ اوصاف پیدا کرنے چاہئیں:

- 1- نہایت مہربانی 2- رحم دلی 3- نرم دلی 4- نرم گفتاری 5- قصوروں کو معاف کرنا 6- لوگوں کے حق میں دل سے دعا کرنا
 - 7- اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا 8- اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلنا 9- معاملات کو باہمی مشورے سے چلانا 10- اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا 11- صبر، حلم، ہمدردی، محبت اور شرافت سے کام لینا 12- غلطیوں، کمزوریوں اور نقائص پر رعایت کرنا
 - 13- دوسروں کو اہمیت دینا 14- خندہ پیشانی سے ملنا 15- زبان، طرز کلام اور رہن سہن کو اجنبیت سے پاک کرنا۔
 - 16- انسانوں سے خیر خواہی کرنا۔ بڑی سے بڑی غلطی کرنے والوں کے خلاف بھی دل میں نفرت، کینہ یا حسد نہ رکھنا۔
- کیونکہ بد خوئی اور سخت دلی لوگوں کو متنفر اور ان کے دلوں میں بغض پیدا کرتی ہے۔ پس دنیاوی سربراہ کے اچھے اخلاق لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف کھینچتے ہیں اور دین کے بارے میں لوگوں میں رغبت پیدا کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ لوگوں میں قابل تعریف اور اللہ کے ہاں اجر خاص کا مستحق ہوتا ہے اور دینی سربراہ کے برے اخلاق لوگوں کو دین سے متنفر کرتے اور دین کے بارے میں لوگوں میں بغض پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بد خوئی سربراہ قابل مذمت اور خاص سزا کا مستحق ہے۔ یہ رسول ﷺ معصوم ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے۔ تب کسی دوسرے کا کیا حال ہوگا۔ اور کیا یہ سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ اہم بات نہیں کہ ہم رسول ﷺ کے اخلاق کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف راغب کرنے کے لیے ہم ان کے ساتھ نرمی، حسن خلق اور الفت کے ساتھ پیش آئیں جیسے رسول اللہ ﷺ پیش آیا کرتے تھے؟ (تفسیر سحری: 440/1)

سوال 7: قائد کی زیر نگرانی کام کرنے والے افراد کو اپنے اندر کیسی خصوصیات پیدا کرنی چاہئیں؟

جواب: قائد کی زیر نگرانی کام کرنے والے افراد کو اپنے اندر مطلوبہ خصوصیات پیدا کرنی چاہئیں:

1- قائد سے محبت کرنا، پروانوں کی طرح قائد کے ارد گرد جمع ہونا۔ 2- دین کے کاموں میں ”مشورہ“ میں شامل ہونا۔
3- سارے فیصلے باہم مشورے سے طے کرنا۔ 4- فیصلوں پر عمل درآمد کرنا۔

5- مشاورت کے بعد معاملہ فیصلہ کن موڑ تک پہنچانا۔ 6- پختہ ارادہ و عزم کرنا۔ 7- اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔

سوال 8: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ”سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ان لوگوں سے آپ ﷺ کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے درگزر کریں۔ (الاعراف: 199)

2- وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ”اور ان کے لئے بخشش مانگیں“ ان کو معاف کر کے آپ تو اجر پائیں گے اور اپنا حق تو معاف کر دیں گے لیکن آپ کی اطاعت کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا ان لوگوں نے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے حق میں جو کمی کی ہے اس کے لیے آپ ان کے حق میں استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے۔

سوال 9: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ”اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں“ 1- نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنے صحابہ سے دینی کاموں کو انجام دینے کے لیے مشورہ لیں۔ 2- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے کسی کو مشورہ لینے والا نہیں دیکھا۔ (ترمذی: 1714) 3- عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب میرے متعلق ایسی باتیں کہی گئیں جن کا مجھے گمان بھی نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ میرے معاملہ میں لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے شہادت کے بعد اللہ کی حمد و ثنا اس کی شان کے مطابق کی پھر فرمایا اما بعد! تم لوگ مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میری بیوی کو بدنام کیا ہے اور اللہ کی قسم کہ میں نے اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور تہمت بھی ایسے شخص (صفوان بن معطل) کے ساتھ لگائی ہے کہ اللہ کی قسم ان میں بھی میں نے کبھی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ میرے گھر میں جب بھی داخل ہوا تو میری موجودگی ہی میں داخل ہوا اور اگر میں کبھی سفر کی وجہ سے مدینہ نہیں ہوتا تو وہ بھی نہیں ہوتا اور وہ میرے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ (صحیح بخاری: 4757) 4- یہاں اسلامی تنظیم کا ایک اہم اصول واضح کیا جا رہا ہے جسے شوریٰ کہا جاتا ہے یعنی کام کا پختہ ارادہ کرنے کے پہلے ذمہ دار افراد کا مل کر اس کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لینا کہ کیا اچھا ہے کیا برا، کیا کریں اور کیا چھوڑ دیں۔ 5- ابن عطیہ نے کہا کہ یہاں شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدے کا حکم دیا جا رہا ہے اور وہ ہے شوریٰ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد فرمائی ہے ”وَأمرهم شورى بينهم“ (تفسیر قرطبی: 191، 192/2) 6- سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَا خَابَ مَنْ

اَسْتَحَارَ وَلَا نَدِيمٌ مِّنْ اَسْتَشَارَ یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی۔ (ذکرہ
الہیثمی ف، مجمع الزوائد: 280/2)

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مشاورت کا حکم دیا، مشاورت کا تعلق کن امور سے ہے؟
جواب: 1- مشاورت کا تعلق ان امور سے ہے جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ 2- مشورہ انتظامی معاملات میں لیا
جائے گا۔ (فتح القدیر)

سوال 11: مشورہ کب کیا جائے؟

جواب: امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مقصود انہی امور میں مشورہ کرنا ہے جن کے بارے میں شرع میں حکم صریح موجود نہ
ہو۔ بعض علمائے امت کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مسلمان حکام کو علماء سے ان امور میں ضرور مشورہ کرنا چاہئے جن کے بارے
میں وہ کچھ نہیں جانتے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو
حاکم، اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا اسے معزول کر دینا واجب ہے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 12: مشورہ کب نہیں کیا جانا چاہئے؟

جواب: 1- جن معاملات سے متعلق اللہ رب العزت یا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایات موجود ہوں تو ان میں مشورہ
نہیں کیا جانا چاہئے۔ 2- امیر یا قیادت کی طرف سے فیصلہ آجانے کے بعد آپس میں مشورہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ 3- ایک دفعہ
مشورہ ہونے کے بعد فیصلہ ہو جائے تو دوبارہ مشورہ نہیں کیا جائے گا۔

سوال 13: مشورہ کن لوگوں سے کیا جائے گا؟

جواب: 1- مشورہ اہل علم سے لیا جائے گا۔ جو اس معاملے کا علم بھی رکھتے ہوں اور قرآن و سنت کا علم بھی رکھتے ہوں۔

2- صاحب شعور اور صاحب الرائے افراد سے مشورہ لیا جائے گا۔

3- صرف متعلقہ افراد سے مشورہ لیا جائے گا۔

سوال 14: مشورہ دینے والے کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے مشورہ طلب کیا جائے اسے امین سمجھا جاتا
ہے۔ (ابوداؤد: 5128)

سوال 15: مشاورت کن امور میں کی جائے گی؟

جواب: مشورہ صرف ان امور میں کیا جاسکتا ہے جن میں کتاب و سنت میں صریح حکم موجود نہ ہو اور جہاں صریح حکم موجود ہو وہاں مشورہ کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ عموماً تدبیری امور میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً جنگ کہاں لڑی جائے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟ لوگوں کی معاشی اور اخلاقی بہبود کے لئے کیا طریقے استعمال کئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ مشورہ میں صرف یہ دیکھا جائے کہ کونسی رائے اقرب الی الحق ہے۔ یعنی کتاب و سنت کی منشا کے مطابق ہو۔ یہ رائے خواہ تھوڑے آدمیوں کی ہو یہ زیادہ آدمیوں کی۔ گویا مشورے کا اصل مقصد دلیل کی تلاش ہے۔ رائے دینے والوں کی کثرت یا قلت تعداد اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور کسی رائے کو اقرب الی الحق قرار دینے کا اختیار میر مجلس مشاورت کو ہوتا ہے۔

(تفسیر تیسیر القرآن 1/321-320)

سوال 16: شوری کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے؟

- جواب: 1- متعلقہ افراد کی مجلس منعقد کی جائے۔ 2- کسی معاملے میں مختلف آراء سامنے رکھی جائیں۔ 3- مجلس میں پیش کی جانے والی آراء پر غور و فکر کیا جائے۔ 4- اگر مختلف آراء ہوں تو جو رائے بہتر ہو قبول کی جائے باقی چھوڑ دی جائیں۔ 5- فیصلہ ہو جائے تو شوری کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

سوال 17: مشاورت کے بعد آخری فیصلہ کس کا ہوگا؟

- جواب: 1- مشاورت کے بعد آخری فیصلہ حکمران یا ذمہ دار کا ہوگا۔ 2- یہ فیصلہ مشورہ دینے والوں کی اکثریت کی بنیاد پر نہیں ہوگا جیسا کہ جمہوریت میں ہوتا ہے۔

سوال 18: مشورے کے بعد اعتماد کس پر ہوگا؟

- جواب: مشورے کے بعد مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر نہیں سارا اعتماد اور توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوگا۔ 19: شوری کے فیصلے کے بعد اگلا مرحلہ کیا ہوتا ہے؟

- جواب: 1- شوری کے بعد اگلا مرحلہ فیصلے کے نفاذ کا ہوتا ہے۔ 2- اس مرحلے میں پختہ عزم اور فیصلہ کن اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔

3۔ اس مرحلے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کی ضرورت ہوتی ہے۔

4۔ یہاں سے معاملہ اللہ کی تقدیر کے حوالے ہو جاتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ نتائج کو ظاہر کرتے ہیں۔ 6۔ مؤمنین کا کام پوری تیاری کر کے نتائج سے بے فکر ہو جانا ہے۔

7۔ فیصلے نافذ ہونے کے بعد جو بھی نتائج نکلیں انہیں قبول کرنا۔

سوال 20: كَذٰلِكَ عَزَمَتْ ”پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ جب آپ کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ (جامع البیان: 4/160)

سوال 21: فیصلہ ہو جانے کے بعد پختہ عزم کی رائے میں رکاوٹ کیا ہوتی ہے؟

جواب: 1۔ دل میں اطمینان نہ ہو۔ 2۔ انسان پست ہمت ہو۔ 3۔ انسان اخلاقی اور عملی اعتبار سے ایک جگہ قائم نہ رہ سکے۔

4۔ اس کے دل میں کھوٹ ہو۔ 5۔ قیادت کے ساتھ اخلاص نہ ہو۔

6۔ قیادت پر اعتماد نہ ہو یا کم ہو۔ اس کے فیصلوں کو اپنے خلاف محسوس کیا جائے۔

سوال 22: فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ”تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں“ کب توکل کرنے کا حکم دیا گیا؟

جواب: مشورہ کرنے کے بعد ایک فیصلے پر پختہ عزم کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا گیا۔

سوال 23: ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کیوں کریں؟

جواب: 1۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے تو وہ مدد کرے گا اگر اللہ تعالیٰ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس پر بھروسے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت مندوں کے کام نہیں آسکتی کیونکہ کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا نہیں۔

3۔ کوئی تقدیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سوا نہیں۔ 4۔ کوئی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا نہیں۔

5۔ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ 6۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

سوال 24: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اپنی محبت سے اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ (مسلم: 574) وَ هُنَّ يَتَّبِعُونَ كَلَّ عَلَى اللَّهِ فَهَوَّ حَسْبُهُ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اُس کو کافی ہے (الطلاق: 3)

إِنْ يَتَّصِرْ كُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۗ وَإِنْ يَخْذُ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (160)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ اور ایمان والوں پر تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ (160)

سوال: 1- اللہ تعالیٰ نے توکل کی ترغیب کیسے دلائی ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے والوں سے محبت رکھنے سے توکل کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

2- اللہ تعالیٰ نے شعور دلا یا ہے کہ اگر وہ مدد کرے تو کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ چھوڑ دے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے۔

سوال: 2- إِنْ يَتَّصِرْ كُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۗ وَإِنْ يَخْذُ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهَا ۗ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں“ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنی قوت اور غلبے کا شعور دلا یا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں لہذا اس کی مدد پر بھروسہ کرو۔

2- ”اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے“

1- کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا نہیں ہے۔ 2- کوئی تقدیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سوا نہیں ہے۔

3- کوئی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا نہیں ہے۔ 4- تمام واقعات اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔

5- فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ 6- اگر فتح چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہو۔

7- اگر شکست سے بچنا چاہتے ہو تو اسی کے آگے گڑ گڑاؤ۔ 8- اسی کی طرف توجہ کر لو۔

9۔ اسی پر بھروسہ کرو۔ 10۔ پوری تیاری کے بعد نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

سوال 3: وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ ”اور ایمان والوں پر تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں“ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کس چیز کا تقاضا ہے؟

جواب: 1۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے، اسی پر توکل کرے۔

2۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا توحید ہے اور کسی دوسرے پر توکل کرنا شرک ہے۔ 3۔ مومن کے ایمان کے مطابق ہی اس کا توکل ہوتا ہے۔ 4۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں بھی اسی طرح

رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ خالی پیٹ گھروں سے نکلتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، نسائی)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفُرَ بِمَا آتَاهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ إِنَّ كَيْدَ الْفٰسِقِينَ لَكَبِيْرٌ ﴿١٦١﴾

اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا جو اس نے

خیانت کی پھر ہر جان کو جو اس نے کمایا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ (161)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول بتائیں؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفُرَ بِمَا آتَاهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ (آل عمران: 165) کسی نبی کے لیے لائق نہیں کہ وہ

خیانت کرے۔ ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن (مال غنیمت سے) گم پائی گئی تھی، بعض لوگوں نے

کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے پکڑ لی ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ”کسی نبی کے لیے لائق نہیں کہ وہ

خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے روز خیانت کے ساتھ آئے گا پھر ہر نفس نے جو کمایا ہے اسے اس کا پورا

پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔“ (جامع ترمذی: 3009)

سوال 2: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفُرَ بِمَا آتَاهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ”اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور کسی نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے“ 1۔ یہاں غلول سے مراد مال غنیمت کا چھپانا ہے اور اس چیز میں خیانت

کرنا جس کا اسے منتظم بنایا گیا ہے۔ خیانت کے حرام ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس کا شمار کبائر میں ہوتا ہے۔ (تفسیر السعدی: 442/1)

2۔ غزوہ اُحد میں تیر اندازوں کو یہ خوف دامن گیر ہو گیا تھا کہ شاید بعد میں رسول اللہ ﷺ انہیں کوئی حصہ نہ دیں۔ اس پر یہ

تنبیہ کی گئی کہ کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے۔

3۔ خیانتِ نبوت کے معنی ہیں۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ (دعوت القرآن)

4۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی امانت کا شعور دلا کر اس کی حکمِ عدولی یعنی نافرمانی کرنے سے روکا ہے۔ (قرآن مجید)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے غزوہٴ احد میں مالِ غنیمت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی حکمِ عدولی کرنے والوں کو نبوت کی عظمت کیسے سمجھائی ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی نبی کے لئے ناممکن ہے کہ اس سے خیانت ہو جائے۔

2۔ نبی امین ہوتا ہے۔ اس کی امانت پر بھروسہ ہونا چاہئے۔ وہ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حصہ دینے والا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی امانت کا احساس دلا کر کس چیز کی اصلاح کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی امانت کا شعور دلا کر اس کی حکمِ عدولی یعنی نافرمانی کرنے سے روکا ہے۔

سوال 5: وَ هُنَّ يُغْلَبْنَ يَا تَبَاغَا لِيَوْمَ الْقِيَامَةِ اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا جو اس نے خیانت

کی، غول (مالِ غنیمت میں چوری) سے رسول اللہ ﷺ نے کس طریقے سے روکا؟

جواب: 1۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص ہمارے لیے عامل مقرر ہو اور اس نے ایک سوئی چرائی یا اس

سے زیادہ تو وہ چور ہے اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے گا۔“ (مسلم: 4743) 2۔ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خیانت کے بارے میں بات کی اور اسے بہت ہی زیادہ اہمیت دی،

پھر کہا: ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی قیامت کے دن میرے سامنے اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پراونٹ ہو جو چیخ

رہا ہو، اور وہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے، تو میں کہوں گا کہ آج میں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تمہیں تنبیہ کر دی تھی۔ اس

کے بعد آپ ﷺ نے اسی طرح گھوڑے، بکری، آدمی اور زمین کے ٹکڑوں کا ذکر کیا اور ہر بار یہی بات دہرائی کہ میں

کہوں گا: آج کچھ نہیں کر سکتا۔ (صحیح بخاری: 3073) (مسلم: 4734) 3۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص

ہمارے لیے عامل مقرر ہو اور اس نے ایک سوئی چرائی یا اس سے زیادہ تو وہ چور ہے اور قیامت کے دن وہ اسے لے کر آئے

گا۔ (مسلم، ابوداؤد) 4۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب خیبر فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ گائے

اونٹ، سامان اور باغات ملے تھے۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادیِ القرئی کی طرف لوٹے۔ رسول ﷺ کے ساتھ ایک

مدغم نامی غلام تھا۔ جو نبی صاب کے ایک صحابی نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں دیا تھا۔ وہ رسول ﷺ کا کجاواہ اتار رہا تھا کہ کسی

نامعلوم سمت سے ایک تیرا کران کولگا۔ لوگوں نے کہا: مبارک ہو، شہادت! لیکن رسول ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو چادر اس نے خیر میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں چرائی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ سن کر ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم ایک یا دوتھے لے کر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ میں نے اٹھائے تھے رسول ﷺ نے فرمایا یہ بھی جہنم کا تمہ بنتا۔ (صحیح بخاری: 4234)

سوال 6: قَدْ تَوَفَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ”پھر ہر جان کو جو اس نے کمایا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے“ خیانت اور اس کا انجام بیان کرنے کے بعد یہ کیوں کہا گیا کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا؟

جواب: اس شے کو دور کرنے کے لئے کہ دوسروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں ملے گا یہ حکم لا کر تاکید کر دی گئی کہ ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے نیک عمل کرے گا وہ گناہ کرنے والے کی طرح نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے۔ جنت والوں کو جنت میں، دوزخ والوں کو دوزخ میں اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وَضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ لِيُوَيْسِتْنَا مَا لَهِمْ الْكِتَابُ لَا يَغَاؤِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف: 49)

أَفَمَنْ اتَّبَعَ رَسُولَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (162)

تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہے؟ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (162)

سوال 1: أَفَمَنْ اتَّبَعَ رَسُولَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مِنَ اللَّهِ ”تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے پیچھے چلا، اس کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی کسی ناراضگی کے ساتھ لوٹا“ 1۔ جو

شخص اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے گا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو گناہ کر کے اپنے رب کو ناراض کر لے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا: **أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُتَّسِبِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ** کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں؟ کیا ہم پر بیہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں؟ (ص: 28) 2۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اموال غنیمت لائے گئے، یہ جنگِ قادسیہ کے بعد کا واقعہ ہے، تو ان میں کسریٰ کا وہ تاج بھی تھا جسے وہ اپنے دربار میں پہن کر بیٹھتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر کہا: قابلِ قدر ہیں وہ فوجی جنہوں نے اسے خزانے میں جمع کروایا۔ یہ وہ فاصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے امین اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں گھر جانے والے خائن کے درمیان ہوتا ہے۔

سوال 2: **وَمَا لَهُمْ حَهَنَمٌ** ”اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی سے روکنے کے لئے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: ”اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہے“ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی سے روکنے کے لئے اس کے انجام یعنی جہنم کے عذاب کا خوف دلایا ہے۔

سوال 3: **وَيُؤَسِّسُ الْأَعْمَىٰ** ”اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے“ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے۔ (ابن ابی حاتم: 3/806)

هُم دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ (163)

وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے (الگ الگ) طبقے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔ (163)

سوال 1: **هُم دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ** ”وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے (الگ الگ) طبقے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ان کے درجات مختلف ہیں اس سے مراد ہے وہ درجات والے ہیں یا ان کے لیے درجات ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی چاہے اور جو اس کو ناراض کرے، ان کے درجات ایک جیسے نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے بلند درجات ہیں اور دوسروں کے اسفل ہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 1/501) 1۔ ہر شخص اپنے حق کے مطابق بلند درجات تک پہنچتا ہے۔ 2۔ درجات کی بلندی میں کسی پر ظلم نہیں ہے۔ 3۔ درجات کی بلندی میں بے جا محبت و طرف داری نہیں ہے۔ 4۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے۔

سوال 2: وَاللَّهُ بِصَيْرِهِمْ سَائِعًا مُّؤْمِنُونَ ” اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بصیر ہونے کا شعور کیسے دلا یا ہے؟

جواب: 1- ” اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر کے ارادوں اور جذبوں کی نگرانی سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلا یا ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے رضائے الہی کے حصول کے ارادے اور اپنے دل کی خوشی کے ارادے کے بارے میں باخبر ہونے سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلا یا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیکھ لیا ہے جنہوں نے خیانت کی اور ان کو بھی جنہوں نے نہیں کی۔ (ابن ابی حاتم: 808/3)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (164)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنا تا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ (164)

سوال 1: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ ” بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے احسان قرار دیا واضح کریں؟

جواب: 1 ” بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا، قیادہ کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی طرف سے رغبت اور دعا کے بغیر احسان عظیم کیا ہے۔ ان کے لیے نبی کو رحمت بنایا جو انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دی۔ (القرآن العظيم: 808/3)

2- رسول اللہ ﷺ کی آمد ان کے لئے احسان تھی کیونکہ آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھ کر سنا تے تھے جب کہ اس سے پہلے عربوں کے پاس وحی نہیں آتی تھی۔ 3- رسول اللہ ﷺ انہیں توحید اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ ان پر بہت بڑا احسان تھا۔ 4- رسول اللہ ﷺ انہیں شرک سے پاک کرتے تھے جب کہ اہل عرب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ 5- رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو علم اور عبادت سکھا

کر دنیا کے بہترین انسان بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسانِ عظیم تھا۔

سوال 2: اذْبَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ”جب اُن ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- فخر الدین زاری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو عربوں میں پیدا کیا، یہ عربوں کے لیے بڑے فخر و شرف کی بات ہے۔ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام پر فخر کرنا تو یہود، نصاریٰ اور عرب سبھوں میں مشترک تھا اور یہود و نصاریٰ، موسیٰ، عیسیٰ، اور تورات و انجیل پر فخر کیا کرتے تھے۔ عربوں کے پاس ان کے مقابلے میں فخر کی کوئی بات موجود نہ تھی، جب اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا، اور ان پر قرآن نازل فرمایا، تو یہ عربوں کے لیے بڑے شرف کی بات تھی، جس میں دوسری قومیں شریک نہ تھیں۔ (تیسیر الرحمن: 221) 2- مِّنْ أَنفُسِهِمْ ”اُن ہی میں سے“ ان کی جنس میں سے ہی ہے، بنی آدم میں سے اور انہیں فرشتوں میں سے نہیں بنایا (تفسیر سمرقندی: 262/1)

سوال 3: مَّرْسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ ”اُن ہی میں سے ایک رسول“ میں قیامت تک آنے والے مصلحین (اصلاح کرنے والوں) کے لیے کیا نصیحت ہے؟

جواب: ”اُن ہی میں سے ایک رسول“ 1- جو شخص بھی اصلاح کا کام کرنے کے لیے اٹھے، جن لوگوں کے درمیان وہ کام کرے ان کو اپنا نظر آئے۔ اس کی زبان، اس کا انداز کلام، اس کا رہن سہن، ہر چیز اجنبیت سے پاک ہو۔
2- وہ اپنے اور اپنے مخاطبوں کے درمیان ایسی فضا بنائے جو کسی پہلو سے ایک دوسرے سے دور کرنے والی ہو یا ایک دوسرے کے مقابلے میں فریق بنا کر کھڑا کر دے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے انسانوں میں سے ہونے کو اپنا احسان قرار دیا ہے، نبی کا انسان ہونا کس اعتبار سے احسانِ عظیم ہے؟
جواب: 1- نبی قوم کی زبان اور لہجے میں پیغام پہنچاتا ہے جس کو سمجھنا ہر شخص کے لئے آسان ہوتا ہے۔

2- نبی انسان ہونے کے ناطے اپنے جیسے انسانوں سے مانوس اور قریب ہوتا ہے۔

3- انسانوں کے لئے انسان کی پیروی کرنا ممکن ہے کیونکہ انسان ہی اپنے جیسوں کے احساسات، جذبات اور شعور کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔

یوں اُس، قربت، زبان اور لہجے کے ایک ہونے اور انسانوں کے احساسات اور جذبات کو سمجھنے کی وجہ سے نبی کا انسان ہونا اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔

سوال 5: يَسْئَلُوْا عَلَيْهِمْ اٰلِيَهُمْ وَيُوْزِعُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ” جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ” رسول کو بھیجنے کے مقاصد کیا تھے؟
 جواب: 1- اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کر کے سنائے۔ 2- انسانوں کی زندگیوں کو سنوارے۔
 3- انہیں کتاب کی تعلیم دے۔ 4- انہیں حکمت کی تعلیم دے۔ 5- انہیں صریح گمراہیوں سے نکالے۔
 سوال 6: تزکیہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- تزکیہ سے مراد عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہے۔ 2- ابن عباس کا قول ہے کہ تزکیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اخلاص ہے۔ (ابن ابی حاتم: 808/3)

سوال 7: وَيُوْزِعُهُمْ ” اور انہیں پاک کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: ”اور انہیں پاک کرتا ہے“ اس سے مراد ہے:

1- ان کی انفرادی زندگیوں کو پاک کرتا ہے۔ 2- ان کے دلوں اور ان کے شعور کو پاک کرتا ہے۔ 3- ان کے گھرانوں کو پاک کرتا ہے۔ 4- ان کے تعلقات کو پاک کرتا ہے۔ i- صلہ رحمی کے تعلقات کو کاٹنے سے۔ ii- ناجائز تعلقات رکھنے سے۔
 5- ان کے معاشروں کو فحاشی اور بہتان طرازی سے پاک کرتا ہے۔ 6- ان کے اداروں کو پاک کرتا ہے۔ 7- ان کو شرک اور بت پرستی کی گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔ 8- ان کو توہمات سے پاک کرتا ہے۔ 9- غلط رسوم و رواج سے پاک کرتا ہے۔
 10- ان کو جاہلیت کی زندگی کی تمام گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔ 11- دوسری قوموں کی نقالی سے پاک کرتا ہے۔
 12- غیر قوموں کی غلامی سے پاک کرتا ہے۔ 13- بے قیمت اور گھٹیا سرگرمیوں سے پاک کرتا ہے۔ 14- بے مقصدیت سے پاک کرتا ہے کیونکہ ان کے پاس زندگی کا پیغام نہ تھا، انسانیت کی بھلائی کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ اس دنیا میں اس کے پاس انسانوں کی بھلائی کا کوئی بلند پروگرام نہیں تھا۔

سوال 8: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ” اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ 2- وَالْحِكْمَةَ سے مراد سنت ہے۔ (تفسیر فتح القدر: 501/1)
 3- وہ انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دے گا پھر ان میں علماء اور حکماء، قائدین اور علوم و معارف کے اساتذہ ہوں گے اور اس رسول سے پہلے وہ گمراہ تھے اس سے پہلے وہ امی امت تھے تو نور اسلام، تعلیم قرآن اور معارف حیات سے وہ بہترین امت بن گئے

(تفسیر منیر: 2/479)

سوال 9: انسانوں کے درمیان آج اصلاح کا کام کیسے ہوگا؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلانے والے لوگوں کی اس صلاحیت کو بیدار کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو پڑھنے لگیں، اپنی ذات میں بھی اور اس کائنات میں بھی۔ 2- غور و فکر کرنا سکھانے کے لیے قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں گی۔

ii- قرآن حکیم کے دلائل سمجھائے جائیں گے تاکہ وہ ذہن کا حصہ بن جائیں۔

2- انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے انسانوں کو برائی سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مقصد گفتگو اور صحبت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اکٹھے بیٹھ کر تفصیل کے ساتھ گفتگو بھی کی جائے گی اور ساتھ رہتے ہوئے حکمت کے ساتھ خامیوں کی نشان دہی کی جائے گی اور ان سے نجات پانے کے طریقے سکھائے جائیں گے۔ اپنے عمل سے نمونہ پیش کیا جائے گا۔

3- زندگی کو شریعت کے احکامات کے مطابق گزارنا سکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی باقاعدہ تعلیم دی جائے گی۔

4- دین کے گہرے راز اور چھپی ہوئی حقیقتوں کو نمایاں کیا جائے گا۔ 5- صریح گمراہیوں اور جاہلیت کے کاموں سے نکالا جائے گا۔

سوال 10: وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ” حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے“ کھلی گمراہی کیا ہے؟

جواب: ”حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے“ 1- کھلی گمراہی سے مراد بت پرستی ہے یعنی شرک۔ 2- حرام اور گندی چیزوں کا کھانا۔

3- ایک دوسرے پر ظلم کرنا کھلی گمراہی میں مبتلا ہونے کا ثبوت ہے۔ (تفسیر القاسمی: 4/284)

أُولَٰئِكَ أَصَابَتْكُم مَّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ (165)

اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دو گنی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آگئی ہے؟ آپ کہہ دیں وہ تمہارے اپنے ہی پاس سے ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے (165)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر جو چھوڑ

دیا تھا اس کی گرفت احد میں ہوئی کہ ستر صحابہ کرام شہید ہوئے رسول اکرم ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے کہ آپ کے سر مبارک پر خود ڈوٹ گیا جس سے آپ کے چہرہ انور پر سے خون بہنے لگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر: 486/1)

سوال 2: اَوْلَيْكَ اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ وَمِثْلَيْهَا قُلْتُمْ اِنَّ هَذَا اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دو گئی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آگئی ہے؟“ غزوہ احد میں شکست پر ایک عام مسلمان کا رد عمل کیا تھا؟
جواب: ”اور کیا جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دو گئی تم پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آگئی ہے؟“ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید ہمیں حاصل ہے لہذا ہمیں شکست نہیں ہو سکتی۔ جب شکست ہوئی تو انہوں نے کہا: 1- اللہ کے رسول ﷺ میدان جنگ میں موجود تھے۔ 2- اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ فتح کا وعدہ کر رکھا تھا۔ 3- ہم دین کی خاطر لڑنے گئے تھے، پھر بھی شکست کھائی۔ 4- ہم نے ان سے شکست کیسے کھائی جو کہ دین کو مٹانے آئے تھے۔

سوال 2: غزوہ احد کی بڑی مصیبت کیا تھی جس کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا تھا؟
جواب: 70 آدمیوں کی شہادت کی وجہ سے 70 گھرانوں کا متاثر ہونا۔ ان کے پیچھے ایک بڑی تعداد بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی تھی۔

سوال 3: قَدْ اَصَبْتُمْ وَمِثْلَيْهَا ”جس سے دو گئی تم پہنچا چکے تھے“ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ذہنی تیاری کیسے کی ہے؟
جواب: ”جس سے دو گئی تم پہنچا چکے تھے“ 1- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سادہ سا جواب دیا کہ دیکھو بدر میں کافروں، مشرکوں نے دوہری قربانی دی تھی۔ آج تمہارے 70 افراد شہید ہوئے ہیں، بدر میں ان کے 70 افراد قتل ہوئے تھے اور 70 افراد قید ہوئے تھے۔ 2- ”جس سے دو گئی تم پہنچا چکے تھے“ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن ستر مسلمان شہید ہوئے۔ (بخاری: 4078)
3- ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنا لیا تھا۔ (مسلم: 1763)

سوال: قُلْتُمْ اِنَّ هَذَا ”تم نے کہا یہ کہاں سے آگئی ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب ”تم نے کہا یہ کہاں سے آگئی ہے؟“ جب تم نے شکست کے بارے میں کہا یہ کہاں سے آگئی۔

سوال 4: قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ”آپ کہہ دیں وہ تمہارے اپنے ہی پاس سے ہے“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”کہہ دو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہے۔“ اس سے مراد ہے کہ مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ شکست تمہاری کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔

1- تم نے باہمی اختلاف کیا۔ 2- تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ 3- تم مال کی محبت میں مبتلا ہوئے۔ 4- تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا۔ 5- تم نے خدا خونی کے خلاف کام کیے۔ پھر کیسے یہ پوچھ سکتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ ابتداء میں تم مشرکوں کے لشکر پر غالب آ رہے تھے۔ غزوہٴ اُحد میں پہنچنے والا نقصان اور شکست تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ تم نے رسول ﷺ کی حکم عدولی کی جس کی وجہ سے کافروں کے دستے کو دڑے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور میدانِ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

سوال 5: إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ شکست دلوانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ 3- وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ 4- جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے فیصلوں کا کوئی پیچھا کرنے والا نہیں۔ (تفسیر امیر: 485/2)

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے اپنے قدر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فتح اور شکست پر اپنے اختیار سے اور اُحد کے میدان میں فتح کے بعد شکست سے اپنے قدر ہونے کا شعور دلایا ہے۔ وہ جو چاہے، جب چاہے فیصلے کر سکتا ہے اور فیصلوں کو بدل سکتا ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فِئَادِنَ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ (166)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور تاکہ وہ مومنوں کو جان لے (166)

سوال 1: وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فِئَادِنَ اللَّهِ ”اور جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی“ غزوہٴ اُحد میں جو نقصان پہنچا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس میں کیا حکمت تھی؟
جواب: 1- اُحد کے نقصان سے یہ سمجھنا مطلوب تھا کہ رسول کی نافرمانی کیسے ناکام کروا سکتی ہے۔

2۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مومن اور منافق الگ الگ ہو جائیں۔ 3۔ اس کی طرف اشارہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں پہلے ہی کر دیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا تو اس کا گلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر اس نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئی جو مسلمانوں کو احد میں اٹھانا پڑا۔ میں نے دوبارہ اس تلوار کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ شاندار بن گئی۔ اس کی تعبیر اس طرح سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (قتی شکست کے بعد) فتح سے نوازا اور منتشر مسلمان نئے سرے سے (لڑائی کے لیے) ایک جگہ جمع ہو گئے اور میں نے خواب میں ایک گائے بھی دیکھی (جو ذبح ہو رہی تھی)۔ اللہ تعالیٰ کے سارے کاموں ہی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ گائے سے مراد وہ مسلمان تھے جو احد کی جنگ میں شہید ہو گئے۔“ (بخاری: 4081)

سوال 2: وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور تاکہ وہ مومنوں کو جان لے“ یہ اس کی حکمت کے مظاہر میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایمانی قوت اور کمزوری کو صبر و ثبات اور عدم ثبات کو اپنے علم سے ظاہر کر دے۔ 2۔ پھر وہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدمی اختیار کرنے والوں کو بھی جان لے اور منافقوں کو بھی جان لے۔ جو عبد اللہ بن ابی کے ساتھ راستے سے لوٹ آئے اور وہ تین سو لوگ تھے۔ (تفسیر امیر: 485/2)

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ
لِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ
لِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ (167)

اور تاکہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی، اور جن کے لیے کہا گیا: ”آؤ! اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو“ انہوں نے کہا: ”اگر ہمیں کسی جنگ کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے پیچھے آتے“، وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے، وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ (167)

سوال 1: وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ كَالَّذِينَ هُمْ يُعْبَدُونَ کی وضاحت کریں۔

جواب: 1۔ ”اور تاکہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی“ یہاں علم سے مراد تمیز اور اظہار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ثابت ہے۔ 2۔ یہاں منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 503/1)

سوال 2: وَفِيں لَهُمْ تَسَالُوتًا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ اَدْفَعُوا ” اور جن کے لیے کہا گیا: ” اَو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو “ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: منافق مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے تھے جب کہ ان کے دل کفر اور نفاق سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا نفاق کا پردہ چاک کرنے کے لئے کہا گیا کہ اَو اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو۔

سوال 3: قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ” انہوں نے کہا: گر ہمیں کسی جنگ کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے پیچھے آتے، یہاں کس کی طرف اشارہ ہے؟

جواب: عبداللہ بن اُبی کی طرف اشارہ ہے جو مقام شوط سے اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر پلٹ گیا تھا اور جب بعض مسلمانوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا: ہمیں یقین ہے کہ آج جنگ نہیں ہوگی۔ اگر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔

سوال 4: جنگ کا علم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ واقعی جنگ کے لئے چل رہے ہوتے تو ہم بھی چلتے۔

سوال 5: کیا رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی تو جنگ کے لئے نکلے تھے مگر منافق یہ سمجھتے تھے کہ وہ سب اپنے آپ کو تباہی اور ہلاکت تک لے جا رہے ہیں۔

سوال 6: هُمْ لِّلْكَفْرِ يَوْمًا اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِّلْاِيْمَانِ ” وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے “ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے“ وہ اس دن ایمان کے مقابلے میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی شخص کفر کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور کبھی اسلام کے۔ (ابن کثیر) 2۔ واحدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ جو آدمی اپنی زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کرے گا، اس کا کفر جانتے ہوئے بھی اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 7: يَقُولُوْنَ يَا قَوْمِ هٰٓؤُلَاءِ مَالِ بَنِيۤ اِسْرٰٓءٰلَآءِ فَاَتُؤْتُوْنَهُمْ مَّا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَيْۤءٌ مِّنۡهُۥمْ اَوْ اَدْفَعُوْا عَنْ سَبۡۤغِۤہِمْۙ لَعَلَّہُمْ يَتَّقُوْنَ ” وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے “ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے“ منافقوں کے بارے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کی قسمیں وفاداری کے وعدے سب فریب ہیں۔ ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے جب کہ وہ زبان سے ایمان کے دعوے کرتے ہیں۔

سوال 8: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ”اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نفاق کو جانتا ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا اِلَّا حٰوَانِيْمٌ وَّ قَعْدُوْا اِلَّا اَطَاعُوْا نَا مَا قَتَلُوْا قُلْ فَاَدْرَعُوْا عَنۢ اَنْفُسِكُمْ اَلْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (168)
یہ وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھا دو اگر تم سچے ہو۔ (168)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر نے کہا وہ عبد اللہ ابن ابی تھا جو بیٹھ رہا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا جو نبی کے ساتھ احد کے دن نکلے تھے تو اَطَاعُوْا نَا مَا قَتَلُوْا (تفسیر جامع البیان: 4/177)

سوال 2: اَلَّذِيْنَ قَالُوْا اِلَّا حٰوَانِيْمٌ وَّ قَعْدُوْا اِلَّا اَطَاعُوْا نَا مَا قَتَلُوْا ”یہ وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یہ وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو نہ مارے جاتے“ 1۔ جو لوگ حق کی راہ میں جان قربان کرتے ہیں اکثر دنیا والے یہ بات افسوس سے کہتے ہیں کہ خواجواہ اپنا آپ گنوا دیا۔ اگر جہاد کے لئے نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ 2۔ یہ نادانی کی بات ہے اس لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں وہی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ 3۔ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں، اپنے بستروں پر بھی مرتے ہیں۔ موت کا تو ایک وقت مقرر ہے۔ کسی کے پاس ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔

4۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ واقعہ احد کی ایک حکمت یہ بھی تھی منافقین نے از خود اپنے دل کی بات کہی جسے مسلمانوں

نے سنا اور اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا اسے بھی مسلمانوں نے سنا اور نفاق اور اس کے انجام کو جانا کہ کس طرح منافق دنیا و آخرت کی نیک بختیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور ہر بدبختی اسے گھیر لیتی ہے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 2: قُلْ فَإِذَا رَأَوْا عَنُ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ” آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھا دو اگر تم سچے ہو، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”آپ کہہ دیں پھر موت کو اپنے آپ سے ہٹا کر دکھا دو اگر تم سچے ہو، موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت پر آنے والی ہے۔ انسان خواہ ایک راستے میں ہو یا دوسرے راستے میں، وہ کسی حالت میں موت کے انجام سے نہیں بچ سکتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (169)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ (169) سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مجھے ملے اور فرمانے لگے: ”اے جابر رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے کہ میں تجھے پریشان دیکھتا ہوں“۔ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد احد کے روز شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے عیال (بچیاں) اور قرض چھوڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تجھے خوشخبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کے والد سے ملاقات کی ہے؟“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ! جی ہاں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے تو پردہ کے پیچھے سے کیا ہے مگر تمہارے والد کو زندہ کر کے بغیر پردہ کے بالمشافہ کلام کیا“ اور فرمایا: ”تمنا کر میں اسے پورا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا: ”اللہ مجھے (دنیا میں لوٹانے کے لیے) زندہ کرتا کہ میں تیرے رستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ (دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹیں گے)“ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران: 169) اسی بارے میں نازل ہوئی“ تم ان کے بارے میں جو اللہ کے رستہ میں قتل ہو گئے ہیں ان کے مردہ ہونے کا گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی: 3010)

سوال 2: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ ” اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ

سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں“ 1۔ شہید مردہ نہیں ہوتے۔ صحیح احادیث کے مطابق ان کی روحمیں سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے ساتھ معلق قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جو عزت کی ہے اس سے خوش ہوتی ہیں۔

2۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید کے۔ اس کی یہ تمنا ہوگی کہ دنیا میں دوبارہ واپس جا کر دس مرتبہ اور قتل ہو کیونکہ وہ شہادت کی عزت وہاں دیکھتا ہے۔“ (بخاری: 2817)

3۔ ”بلکہ وہ زندہ ہیں“ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا (آل عمران: 169) کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا ”تم ان کے بارے میں جو اللہ کے راستے میں قتل ہو گئے ہیں مردہ ہونے کا گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے“۔ تو انہوں نے فرمایا: ”ہم نے خود سوال کیا تھا یا ہمیں خبر دی گئی کہ شہداء کی روحمیں سبز پرندوں میں ہیں جنت میں وہ جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں کی طرف جگہ پکڑتی ہیں۔ تیرا رب ان پر جھانک کر فرماتا ہے: ”کیا کچھ مزید چاہتے ہو جو میں تمہیں عطا کروں؟“ تو وہ کہتی ہیں: ”اے ہمارے رب! اس سے زیادہ ہم کیا مانگیں کہ ہم جنت میں جو چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوبارہ جھانکتا ہے اور فرماتا ہے: ”کیا کچھ مزید چاہتی ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟“ جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہمیں ایسے نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ کہتی ہیں: ”اللہ! تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دنیا میں تیرے رستے میں دوبارہ قتل کی جائیں۔“ (جامع ترمذی: 3011)

سوال 3: عُنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ”اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا وہ جنت کے پھلوں کا رزق پائیں گیا وروہ اسکی خوشبو پارہے ہیں۔ (تفسیر الدر المنثور: 2/170)

2۔ سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے رات میں دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے، پھر وہ مجھے لے کر ایک درخت پر چڑھے اور اس کے بعد مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو نہایت خوبصورت اور بڑا پاکیزہ تھا۔ ایسا خوبصورت مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ گھر شہیدوں کا ہے۔“ (صحیح بخاری: 2791)

3۔ یہ جہاد کی ترغیب ہے۔ (تفسیر منیر: 2/496)

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (170)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (170)

سوال 1: فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ” اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: مقاتل نے کہا: جس خیر، عزت اور رزق کو شہید پارہے ہیں اس پر وہ بہت خوش ہیں۔ (تفسیر المراغبی: 2/109)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں قتل ہونے والوں کے لیے کن انعامات کا اعلان کیا ہے؟

جواب: اللہ رب العزت نے فرمایا: 1۔ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ 2۔ اپنے رب کے پاس خصوصی رزق پاتے ہیں۔

3۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے یعنی جنت کی نعمتوں میں سے، اس کو پا کر خوش ہیں۔ 4۔ بعد میں آنے والوں کے لیے بھی خوشخبری پاتے ہیں۔ 5۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔

سوال 3: وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ” اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں“ نبی ﷺ نے شہداء کے بارے میں کیا بشارت دی؟

جواب: ”اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں“ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے اور فرمانے لگے: ”اے جابر! کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں؟“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد احد کے روز شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے عیال (بچیاں) اور قرض چھوڑ گئے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہارے والد سے ملاقات کی ہے؟“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ! جی (ضرور)۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے تو پردے کے پیچھے سے کیا ہے مگر تمہارے والد کو زندہ کر کے بغیر پردے کے بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا: تمنا کر! میں اسے

پورا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ! مجھے (دنیا میں لوٹانے کے لیے) زندہ کرتا کہ میں تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے (کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹیں گے)۔“ جاہل ربیب نے فرمایا: ”یہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُمْ أُتُوا تَا آسِ بَارِعًا“ (ترمذی: 3010)

سوال 3: الْأَخْوَفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ”کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے“ آخرت کی زندگی کی بڑی بات کیا ہے؟

جواب: ”کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے“ 1۔ کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ 2۔ تمنا کے مطابق زندگی ہوگی۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (171)

اور وہ خوشیاں منارہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر اور اس پر کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (171)

سوال 1: يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ”اور وہ خوشیاں منارہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”اور وہ خوشیاں منارہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور فضل پر“ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ شہداء کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو تیار کر رکھا ہے اس پر شہید خوشیاں مناتے ہیں۔

سوال 2: وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا“ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ”یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا“ 1۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں شہداء کی زندگی، اُن کے رزق، اُن کے خوشیاں منانے، ان کے لئے کسی خوف اور غم کے نہ ہونے، ان کے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں پر خوش ہونے سے یہ شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ 2۔ تفضیل سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت دی۔ 3۔ نعمت سے مراد ثواب اور زائد فضل ہے۔ 4۔ یہ بھی کہا گیا کہ نعمت جنت ہے اور فضل نعمت میں داخلہ ہے۔ 5۔ پہلی بشارت ان کے بھائیوں کے بارے میں تھی اور دوسری ان کے اپنے حالات کے بارے میں تھی۔ (تفسیر فتح القدر: 1/509)

رکوع نمبر 9

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرُّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ (172)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد بھی کہ انہیں زخم پہنچا، ان میں سے ان لوگوں کے لیے جن لوگوں نے نیکی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے، بہت بڑا اجر ہے۔ (172)

سوال: 1- اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (آیت) ”وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا“ انہوں نے عروہ سے اس آیت کے متعلق کہا: ”میرے بھانجے! تمہارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور (نانا) ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ تکلیف پہنچی تھی جب وہ پہنچے اور مشرکین واپس جانے لگے تو انسیدنا ﷺ کو اس کا خطرہ ہوا کہ وہ کہیں پھر لوٹ کر حملہ نہ کریں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا پیچھا کرنے کون کون جائے گا؟ اسی وقت ستر صحابہ رضی اللہ عنہم تیار ہو گئے۔ راوی نے بیان کیا کہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا زبیر بھی انہی میں سے تھے۔“ (صحیح بخاری: 4077)

سوال: 2- الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرُّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ”جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد بھی کہ انہیں زخم پہنچا“ اس کی کوئی مثال دیں؟

جواب: ابوالسائب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب جو عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُحد میں شریک تھے۔ میں اور میرا بھائی دونوں زخمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے اعلان کیا: نکلو! دشمن کا تعاقب کرنا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: کیا اب ہم سے رسول خدا ﷺ کی یہ جنگ رہ جائے گی؟ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں اور ہم زخمی ہیں۔ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ میرا زخم بھائی سے تھوڑا کم تھا۔ جب اس کی طبیعت خراب ہوتی تو میں اسے پیچھے سے تھامتیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال: 3- اس آیت میں کن لوگوں کا تذکرہ ہے؟

جواب: اس آیت میں ان صحابہ کرام علیہم السلام کا ذکر ہے جنہوں نے غزوہ اُحد کے بعد ابوسفیان کا پیچھا کیا اور حمراء الاسد پہنچ گئے۔ ابوسفیان کو جب اطلاع ملی کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ گھبرا کر مکہ لوٹ گیا۔

سوال: 4- الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرُّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ”ان میں سے ان لوگوں کے لیے جن لوگوں نے نیکی کی اور اللہ تعالیٰ

سے ڈر گئے، بہت بڑا اجر ہے، اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کے لئے اجرِ عظیم کی بشارت دی ہے؟
 جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے ذمہ کھانے کے بعد بھی نیکی اور تقویٰ کی روش اختیار کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت دی ہے۔
 2- أَحْسَنُوا: اللہ کے رسول کی اطاعت کی وجہ سے اور غزوے میں جانے کی وجہ سے۔ 3- وَاتَّقُوا: اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچنے اور پیچھے رہنے سے بچنے۔ (تفسیر الخازن: 1/322)

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدِ جَمَعُوا لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ فَمَا حَسَّوهُمْ فَرَادَهُمْ أَيَّامًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (173)

جن سے لوگوں نے کہا کہ یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہذا تم ان سے ڈراؤ، چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (173)

سوال 1: اس آیت کے پیچھے جو واقعات ہیں تحریر کریں؟

جواب: غزوہٴ احد مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہوئی۔ اس جنگ کے بعد کافروں کا لشکر واپس ہوا۔ مدینہ سے آٹھ میل دور حراء الاسد میں انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور یہاں ان کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ اُحد سے واپس آ کر انہوں نے غلطی کی ہے۔ زیادہ اچھا تھا کہ مسلمانوں کا پیچھا کرتے اور ان کی طاقت کا آخری طور پر خاتمہ کر دیتے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ معبد الخزاعی جب ابوسفیان اور اس کی فوج کو مسلمانوں سے مرعوب کرنے کے بعد واپس چلے گئے تو قبیلہٴ عبدالنقیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے قریب سے گزرا۔ اس نے پوچھا: ”آپ لوگ کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”مدینہ۔“ پوچھا: کس لئے؟ کہنے لگے: خوراک حاصل کرنے کے لئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ تم لوگ محمد ﷺ کو ہمارا پیغام پہنچا دو۔ اس کے بدلے ہم تمہیں عکاظ کے بازار میں کشمس دیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ ابوسفیان نے کہا جب محمد ﷺ سے ملاقات ہو تو کہہ دینا ہم نے باقی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ عبدالنقیس کا یہ قافلہ حراء الاسد میں ہی رسول اللہ ﷺ سے جا ملا اور ابوسفیان کا پیغام پہنچا دیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے کہا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

سوال 2: الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ”جن سے لوگوں نے کہا“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: جن سے لوگوں نے کہا۔ یہاں (اناس) لوگوں سے مراد قافلہ عبد القیس ہے۔

سوال 3: إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ”یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہذا تم ان سے ڈرجاؤ“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”یقیناً دشمن لوگ تمہارے خلاف لشکر جمع کر چکے ہیں لہذا تم ان سے ڈرجاؤ“ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے۔ یہاں اناس سے مراد ابوسفیان اور اس کا لشکر ہیں۔ یعنی ابوسفیان اور اس کا لشکر بڑی تعداد میں لوگوں کو جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔

سوال 4: فَذَاذَهُمْ أَيَّمَا ”چنانچہ اس نے ان کو ایمان میں اور زیادہ کر دیا“ ایمان کی زیادتی سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد وہ عزم اور حوصلہ ہے جو قبیلہ عبد القیس اور ابوسفیان کے خوف زدہ کرنے کی کوششوں کے باوجود پیدا ہو۔ سوال 5: ایمان کی زیادتی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: 1- ایمان کی زیادتی سے مراد عزم اور حوصلہ ہے جو لوگوں کے خوفزدہ کرنے کی کوششوں پر پیدا ہوا۔ ایمان کی زیادتی سے علم اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ 2- ایمان کی زیادتی کی وجہ سے عزم و حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔

سوال 6: کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے؟

جواب: ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھ کر اس کی وضاحت کی ہے کہ الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَيُنْقُصُ یعنی ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔

سوال 7: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ”ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے“ کی وضاحت کریں

جواب: ”ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے“ 1- جس پر اعتماد کیا جائے اسے وکیل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وکیل ہے کہ تمام کام اسی کی وجہ سے درست ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے اصلاح ہوتی ہے۔ تمام امور کا اختیار اسی کے پاس ہے اس لئے وہی وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔ 2- وَنِعْمَ الْوَكِيلُ: بہترین کارساز ہے اور بندوں کی تدبیر اسی کے سپرد ہے اور وہ ان کے مصالح کا انتظام کرے گا۔ (تفسیر سعدی: 449A)

سوال 8: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: صَبَدْنَا لِلَّهِ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (بخاری: 4564)

فَاتَّقَلَّبُوا فِي نِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَقَضِيَ لَهُمْ سَوْءُ مَا اتَّبَعُوا إِذْ صَوَّاهُ اللَّهُ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (174)

چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و نعمت کے ساتھ پلٹے کہ انہیں کوئی تکلیف تک نہ پہنچی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔ (174)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ ملا، صحابہ نے اس مقام پر بازار لگایا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَاتَّقَلَّبُوا فِي نِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ (الخ) (تفسیر ابن عباس: 231/1)

سوال 2: بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ ”اللہ کی نعمت“ نعمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: نعمت سے مراد سلامتی ہے۔ i۔ جنگ سے سلامتی۔ ii۔ ایمان کی سلامتی اور اس میں اضافہ مراد ہے۔

سوال 2: وَقَضِيَ ”اور فضل“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت سے حاصل ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خریدا۔ پھر اسے فروخت کر کے اس کا نفع مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال 3: لَمْ يَسْسَهُمْ سَوْءٌ ”کہ انہیں کوئی تکلیف تک نہ پہنچی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: حمراء الاسد میں معبد الخزاعی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ابوسفیان کے پاس جا کر اسے مسلمانوں سے خوف دلائیں۔ ابوسفیان کو معبد کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس محمد اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ تو کسی طرح تمہیں پالینا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں آلیا تو تمہاری خیر نہیں۔ محمد کے وہ ساتھی جنہوں نے جنگ احد میں شرکت نہیں کی تھی وہ بھی ساتھ ہو گئے ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا کہ میری رائے بس یہ ہے کہ تم لوگ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤ، چنانچہ وہ لوگ گھبرا کر مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ اور مسلمان حمراء الاسد سے بخیر و عافیت واپس ہوئے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 4: **وَأَنْبَغُوا لِرِضْوَانِ اللَّهِ** ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کی۔“ سے کیا مراد ہے؟
جواب: انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی پیروی کرنے کا شرف ملا۔ یعنی زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حرمِ اہل الاسد جانے کا موقع ملا۔

سوال 5: **وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ** ”اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا کیسے شعور دلایا ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تجارت میں ملنے والے منافع سے اور دشمنوں سے کوئی گزند نہ پہنچنے سے اپنے فضل کا شعور دلایا ہے۔
إِنَّمَا ذُلُّكُمْ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۗ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۗ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (175)

یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ (175)
سوال 1: **إِنَّمَا ذُلُّكُمْ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۗ** ”یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے“ شیطان کیوں ڈراتا ہے وضاحت کریں؟

جواب: ”یقیناً یہ (تو) شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے“ 1۔ شیطان اپنے دوستوں سے اس لئے ڈراتا ہے تاکہ حق دب جائے اور باطل غالب آجائے۔ 2۔ مشرکین میں سے جس نے ڈرایا اور کہا کہ لوگ تمہارے لیے اکٹھے ہو چکے ہیں، وہ شیطان کے داعیوں میں سے ایک داعی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے جو ایمان سے محروم ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: شیطان اپنے دوستوں سے کیسے ڈراتا ہے؟
جواب: شیطان یہ وسوسہ اور وہم ڈالتا ہے کہ مسلمانوں کے دشمن بڑے مضبوط ہیں۔
سوال 3: اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے کیا تلقین کی ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے اپنا خوف دلایا ہے تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اُسی پر بھروسہ کریں۔

سوال 4: **فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۗ** ”چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1۔ ”چنانچہ تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ خائفون: میرے امور کی مخالفت سے بچ جاؤ اور میرے

جواب: کفر کی راہ میں جلدی یہ ہے کہ 1- اسلام کی مخالفت کے لیے اپنے سارے ذرائع، اپنی ساری قوتیں، اپنی فکر، اپنا وقت، اپنا مال، اپنی اولادیں سب کچھ جو تک دینا۔ 2- اسلام کی مخالفت کی آگ ان کے نفس کے اندر بھڑک رہی ہے۔ جتنی یہ آگ بڑھتی ہے اتنا ہی ان کی سرگرمیوں میں بھی تیزی آتی ہے۔ 3- شاعر اسلام کے خلاف شاعری کرتے ہیں۔ 4- ادیب اسلام کے خلاف ادب لکھتے ہیں۔ 5- سائنس دان اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ 6- Think Tank مسلمانوں کے خلاف پالیسیاں بناتے ہیں۔ 7- حکومتیں مسلمانوں کے اندر غدار پیدا کرتی ہیں۔ 8- بین الاقوامی طور پر پراپیگنڈہ مہم چلائی جاتی ہے تاکہ اسلام کو چنپنے نہ دیا جائے۔

سوال 3: رسول اللہ ﷺ کو کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ کیسے نمکین کرتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی شدید تمنا تھی کہ کافر مسلمان ہو جائیں اس لئے ان کے کفر اور جھٹلانے سے آپ ﷺ کو غم لاحق ہو جاتا تھا

سوال 4: کیا آج بھی کفر کے لیے جلدی کی جا رہی ہے؟

جواب: آج بھی یہ سارے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کل اور آج میں فرق یہ ہے کہ کل کا مسلمان اسلام کو سمجھتا تھا، اس پر عمل پیرا تھا اور آج کا مسلمان اسلام کو نہیں سمجھتا۔

سوال 5: کفر کے لئے جلدی کرنے والوں کے مقابلے میں ایمان کی راہ میں جلدی کیسے ممکن ہے؟

جواب: ایمان کی راہ میں جلدی ایسے ممکن ہے کہ 1- اسلام کی حمایت میں اپنے سارے ذرائع، اپنی قوتیں، اپنی فکر، اپنا وقت، اپنا مال، اپنی اولادیں سب کچھ جو تک دینے سے ایمان کی راہ میں سبقت ممکن ہے۔ 2- اسلام سے محبت اور اس کی حمایت جتنی بڑھے گی اتنا ہی سرگرمیوں میں بھی تیزی آئے گی۔ 3- شاعر اسلام کے حق میں شاعری کریں۔ 4- ادیب اسلام کے حق میں ادب لکھیں۔ 5- سائنس دان اسلام کی سر بلندی کے لیے اسلحہ تیار کریں۔ 6- (Think Tank) اسلام کے حق میں پالیسیاں بنائیں۔ 7- اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بین الاقوامی طور پر منظم انداز میں کریں۔

سوال 6: اسلام کی راہ میں سبقت کے لیے دل کے اندر شوق، لگن، تڑپ کیسے پیدا ہوگی؟

جواب: 1- آخرت کی جواب دہی کا احساس کر کے۔ 2- دنیا سے لوٹ جانے کا احساس دلوں میں راسخ کر کے اسلام کی راہ میں سبقت کے لیے دل کے اندر شوق، لگن، تڑپ پیدا ہوگی۔

سوال 7: اِنَّهُمْ لَنْ يَصُورُوا اللّٰهَ شَيْئًا” بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، کی وضاحت کریں؟
جواب: ”بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،“ نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے نبی اور اس کے صحابہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ کفر کے لیے ساری سرگرمیوں کا وبال ان پر ہے آپ پر نہیں اور نہ ہی مومنوں پر ہے۔ وہ آپ سے جنگ نہیں کر رہے کہ آپ کو نقصان پہنچائیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے جنگ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانے سے وہ عاجز ہیں۔ سو وہ اپنے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہے۔ (تفسیر مرائی 115/2)

سوال 8: يُرِيدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَّهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ” اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے،“ 1- ابن اسحاق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے اعمال برباد کر دے۔ (تفسیر جامع البیان: 192/4) 2- اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہو اسی وجہ سے انہیں ان کے کفر میں چھوڑ دیا ہے جب بھی وہ اس سے نکلیں گے اسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔ (ابیر القاسم: 226)

سوال 9- وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ” ان کے لئے بڑا عذاب ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: مقاتل بن حیان نے کہا: عذاب عظیم سے مراد وافر عذاب ہے۔ (ابن ابی حاتم: 822/3)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰسْتَكْرَوْا بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَصُورُوا اللّٰهَ شَيْئًا” وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (177)

یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (177)

سوال 1: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰسْتَكْرَوْا بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَصُورُوا اللّٰهَ شَيْئًا” یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے،“

1- مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 193/4) 2- اللہ تعالیٰ نے خردی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو چن لیا، پھر اس کفر میں اس شخص کی مانند رغبت کرنے لگے جو کسی محبوب مال تجارت کو خریدنے کے لیے

اپنا محبوب مال خرچ کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی) 3۔ لَنْ يَصْرُوَ اللَّهُ شَيْئًا” وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اللہ تعالیٰ نے تاکید کی طور پر یہ کہا ہے کہ وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کے لیے اپنی بری تدبیروں سے اور اپنی اس تجارت سے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اس لیے آپ ان کی تدبیروں سے خوف نہ کھاؤ۔ (قرطبی: 219/2)

سوال 2: لَنْ يَصْرُوَ اللَّهُ شَيْئًا” وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ” وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تسلی دی ہے کہ کفر میں سبقت لے جانے والے آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے البتہ انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

سوال 3: وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ” اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے“ یعنی آگ کا عذاب ہے۔ (ایرانقاہیر: 226)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ غَيْرُ بُرْهَانٍ وَإِنَّهُمْ لَنَا بِغَيْرِ بُرْهَانٍ وَإِنَّهُمْ لَنَا بِغَيْرِ بُرْهَانٍ وَإِنَّهُمْ لَنَا بِغَيْرِ بُرْهَانٍ
فُهِينٌ (178)

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ اُن کے لیے بہتر ہے ہم انہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور اُن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ (178)

سوال 1: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ غَيْرُ بُرْهَانٍ” اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ اُن کے لیے بہتر ہے“ کی وضاحت کریں۔

جواب 1: ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ اُن کے لیے بہتر ہے“ وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ان کے دین کو دور پھینکتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو اس دنیا میں چھوڑ دینا، ان کا استیصال نہ کرنا اور ان کو مہلت دینا ان کے لیے بہتر ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی) 2۔ یہ مہلت اور تاخیر ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو اپنی مخلوق پر وہ جاری رکھتا ہے کیونکہ انسان کو جو خیر یا شر پہنچتا ہے وہ اس کے اعمال کا پھل

ہے۔ اس سنت عادلہ کا تقاضا ہے کہ انسان اس مہلت سے دھوکے میں رہے اور اپنے فحور کو جاری رکھے اور اس گناہ میں پڑا رہے جو اس پر توہین آمیز عذاب کو مسلط کرواتا ہے۔ (تفسیر المنار: 205/4)

سوال: 2- کفر کرنے والوں کو مہلت دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: مہلت دینے سے مراد زندگی میں کفر کرنے اور کافرانہ کاموں کی مہلت ہے۔ کافروں کو لمبی عمل رہی ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑا جا رہا ہے۔

سوال: 3: إِنَّهَا تُبْنِي لَكُمْ لِيَزِدَا دُورًا إِنَّهَا هُمْ أَنهِي اِسِي لَمْهَلْت دَع رَهِي تَا كَه وَه غَنَاه مِي اِو ر زِيَادَه بَزْه جَانِي اِ اللّٰه تَعَالَى نَع اِهْل كَفْر كُو مَهَلْت كِيُو ن دَع رَكْهِي هِي؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہے۔

2- یہ مہلت اس لیے ہے کہ اہل کفر خوب بارگناہ سمیٹ لیں۔ پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

سوال: 4: اللّٰه تَعَالَى كِي دِي هُو تِي مَهَلْت سَع فَانْدَه نَه اُتْهَانَع وَالُو ن كَع كَفْر اَوْ فِتْح مِي اِضَا فَه هُو تَا هِي اِو ر اِس طَرْح وَه جَنَم كَع

عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِنْ مَّوَالٍ وَبَنِينَ ۖ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۗ بَلَىٰ لَا يَشْعُرُونَ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً ہم انہیں مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم انہیں بھلائیوں دینے میں سرگرم عمل ہیں۔ بلکہ وہ شعور نہیں رکھتے۔ (مومنون: 55,56)

مَا كَانَ اللّٰه لِيُذَيِّبَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَسِيرَ الْعَيْبِثَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰه لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْعَيْبِ وَلٰكِن اللّٰه يَجْتَبِيْ مَنْ يُّرْسِلُهٗ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يُّشَآءُ ۗ فَاْمُنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۗ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَفَلَا تُحْسِنُوْنَ ۗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (179)

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے

لئے بہت بڑا اجر ہے۔ (179)

سوال 1: مَا كَانَ لِلَّهِ لِيَدَّ رَمَانَهُ وَمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ”اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے“ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کیسے کرتا ہے؟
جواب: ”اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے“ 1۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ مومن کو منافق سے علیحدہ نہ کر دے اور صبر کرنے والے مومن اور فاجر منافق الگ الگ نہ ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكِن لَّيَبْتُلُوْكُمْ حَتَّى تَعْلَمَ الْمُجْرِبِيْنَ وَمَنْ لَّيَبْتُلُوْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو جان لیں۔ (محمد: 31) (تفسیر المیز: 509/2) 2۔ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ: ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کو بد بختوں سے علیحدہ کر دے گا۔ (ابن ابی حاتم: 3/824) 3۔ غزوة اُحد کے بعد منافقین ظاہر ہو گئے تھے اور مسلمان یہ جان گئے تھے کہ ہمارے گھروں میں بھی دشمن ہیں، اس لئے ان سے احتیاط کرنے لگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس غزوة کی حکمت کو بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق میں تمیز کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے کیوں گزارتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ دوست اور دشمن، مومن اور منافق کو الگ الگ کر کے دشمنوں کو ذلیل کرنے کے لئے آزمائشوں سے گزارتا ہے۔

سوال 3: پاک اور ناپاک سے کیا مراد ہے؟

جواب: پاک سے مراد مومن اور ناپاک سے مراد منافق ہیں۔

سوال 4: پاک اور ناپاک کا الگ ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: منافق آستین کے سانپ تھے۔ اگرچہ ایمان والوں کے اپنے گھر والے تھے تب بھی سچے ایمان والوں کی دشمنی کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ان دشمنوں سے محتاط رہنے کے لئے مومنوں اور منافقوں کی تمیز ضروری تھی۔

سوال 5: پاک اور ناپاک کو علیحدہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا کیا طریقہ کار ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ کرنے کے لئے آزمائشوں سے گزارتا ہے۔ 2۔ قیادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ

مومنوں اور منافقوں کو الگ کرنے کے لئے جہاد اور ہجرت سے گزرواتے ہیں۔ (تفسیر فتح القدیر: 514/1)

سوال 6: اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی انسان مومن کب بنتا ہے؟

جواب: جب وہ اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دے۔ جان اور مال کی قربانی کے بغیر کسی کا ایمان معتبر نہیں۔

سوال 7: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مَنْ رُسُلِهِ مِنْ نَبِيَّاتٍ ” اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ انتخاب کس مقصد کے لئے کیا جاتا ہے؟

جواب: ”اور کبھی ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ تمہیں غیب کی اطلاع دے“ 1۔ اللہ تعالیٰ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے منافقوں کی سازشیں کھل جاتی ہیں۔ 2۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ عوام کو غیب پر مطلع نہیں فرماتے۔ اس کے لئے اس کے ماسوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ آزمائشوں کے ذریعے امتیاز کرے۔ غیب کے ذریعے اللہ

تعالیٰ انبیاء کو مطلع فرماتا ہے۔ (تفسیر شعبی: 142/2) 3۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مَنْ رُسُلِهِ مِنْ نَبِيَّاتٍ ” لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے منافقوں کے دلوں کے نفاق اور کفر پر مطلع کر دیتا ہے جو ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مراغی: 118/2) 4۔ اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسولوں کو

غیب کی کچھ باتوں کی اطلاع دیتا ہے جن کی ان کو نبوت کی دلیل کے طور پر ضرورت ہوتی ہے مگر وہ اس سے عالم الغیب نہیں بنتے، عالم الغیب ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ (دعوت القرآن) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا غَيْب

کا جاننے والا وہی ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ (الجن: 26)

سوال 8: فَأَوْثُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ” چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ رسول سے اپنی مرضی کی غیب کی باتیں بتانے کا مطالبہ کریں، ان کا کام اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ (دعوت القرآن) 2۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کرو۔ (ایسر النفاہیر: 227، 228)

سوال 9: وَإِنْ تَوَلَّوْا فَكُفُّوا عَنِّي عِزًّا ” اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے“ اس آیت میں اجر عظیم تک لے جانے والے کون سے اعمال کا ذکر کیا گیا؟

جواب: ”چنانچہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بنو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے“

1- اس آیت میں اجرِ عظیم تک لے جانے والے اعمالِ ایمان اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا۔ ابن اسحاق نے کہا وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا: یعنی تم رجوع کرو اور توبہ کرو تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے۔ (تفسیر جامع البیان: 4/196) 2- اگر تم ایمان کا حق ادا کرو و تَتَّقُوا: نفاق سے بچ جاؤ۔ (تفسیر البیضاوی: 2/122)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ حَيْرًا أَلَمْ يَكُنْ لَهُ سِطْرًا مِمَّا يَخْلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّلَاطِ وَالْأَمْوَاضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (180)

اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ اُن کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ اُن کے لئے وہ بہت ہی برا ہے، جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جو انہوں نے بخل کیا اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (180)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: جمہور مفسرین نے کہا کہ یہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ 2- ابن عباس نے کہا کہ یہ یہودی علماء کے بارے میں ہے جنہوں نے بخل سے حمد کی صفات اور ان کی نبوت کو چھپایا۔ انہوں نے اس علم کو چھپایا جو اللہ کی جانب سے ان کے پاس آیا۔ (تفسیر منیر: 2/507)

سوال 2: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ حَيْرًا أَلَمْ يَكُنْ لَهُ سِطْرًا مِمَّا يَخْلُوا بِهِ اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ اُن کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ اُن کے لئے وہ بہت ہی برا ہے، انسان اپنا مال کیوں بچاتا ہے؟

جواب: ”اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ اُن کے لئے وہ بہتر ہے بلکہ اُن کے لئے وہ بہت ہی برا ہے“ 1- انسان مال جمع کرنے کو اپنے لئے نفع بخش خیال کرتا ہے اس لئے مال جمع کرتا ہے۔ 2- يَبْخُلُونَ: بخل سے مراد مال کا بچانا۔ لغوی اعتبار سے اس کا مطلب ہے واجب حق کو روک دینا تو جو کسی انسان پر واجب نہیں تو اس کو روک دینے والا بخیل نہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 1/514) 3- انسان مال کو حق داروں سے، اپنی ضرورتوں سے، رشتہ داروں سے، حاجتمندوں سے، دینی ضرورتوں سے بچاتا ہے۔ 4- فرض زکوٰۃ کی ادائیگی اور دشمن کے دفاع کے لئے

مال دینے سے رکنا بخل ہے۔ (تفسیر مراغی: 2/120)

سوال 3: بخیلی انسان کے لیے کیوں اچھی نہیں ہے؟

جواب: 1- رب العزت فرماتے ہیں: وَأَمَّا هُنَّ بَخِيلٌ وَاسْتَعْتَفْنَ ۖ وَكَذَّبَ بِآلِ حُصَيْنٍ ” اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا اور بھلائی کو جھٹلایا۔“ (البقرہ: 8-10) 2- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سخی شخص اللہ تعالیٰ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔ بخیل اور کنجوں انسان اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے بھی دور، لوگوں سے بھی دور اور دوزخ سے قریب ہے۔ بلاشبہ ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار بخیل سے زیادہ پسند ہے۔“ (ترمذی: 1961) 3- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل (یعنی کنجوسی) سے بچو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور بخل ہی کی وجہ سے انھوں نے لوگوں کے خون بہائے اور حرام کو حلال کیا۔“ (صحیح مسلم: 6576) 4- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی میں بدترین خصلت سخت گھبراہٹ میں ڈال دینے والی حد سے بڑھی کنجوسی اور سخت بزدلی ہے۔“ (ابوداؤد) ”یعنی شیخ و ایمان کسی مسلمان کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے“ (مسند احمد: 7499) 5- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ”بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے بدن پر لوہے کے دو کرتے ہوں چھاتیوں سے ہنسی تک۔ جب خرچ کرنے کا عادی (سخی) خرچ کرتا ہے تو اس کے تمام جسم کو (وہ کرتے) چھپا لیتا ہے یا (راوی نے یہ کہا کہ) تمام جسم پر وہ پھیل جاتا ہے اور اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں اور چلنے میں اس کے پاؤں کا نشان مٹتا جاتا ہے لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کرتے کا ہر حلقہ اپنی جگہ سے چٹ جاتا ہے۔ بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا۔“ (صحیح بخاری: 1443) 6- نبی ﷺ بخیلی سے بچنے کی دُعا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمُرِ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا (يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَالِ) وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

”اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاؤں اور دنیا کے فتنوں یعنی مسیح دجال کے فتنے سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور قبر کے عذاب سے

آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: 6365)

سوال 4: سَيَطُوفُونَ مَا بِخَلْدِ اِبِهَيْدٍ مَا اَلْقِيَمَةُ جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جو انہوں نے بخل کیا، قیامت کے دن بخیلی کے طوق کیسے پہنائے جائیں گے؟

جواب: 1- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن زکوٰۃ نہ دینے والے کے مال کو ایک زہر یا لہو خونا کا سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ وہ اس کی باپھیں پکڑے گا اور کہے گا ”میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔“ 2- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو (آخرت) میں اس کا مال نہایت زہریلے سانپ بن کر جس کی آنکھوں کے اوپر دو نفلے ہوں گے۔ اس کی گردن میں طوق کی طرح پہنایا جائے گا وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں ہی تیرا مال ہوں، میں ہی تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ”اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مال ان کے حق میں بہتر ہے۔“ آخر تک۔ (صحیح بخاری: 4565)

سوال 5: ہمارے یہاں اس بخل کی کون کون سی صورتیں رائج ہیں؟

جواب: 1- زکوٰۃ نہ دینا اور شادیوں پر دل کھول کر لٹانا۔ 2- مسکین کو کھانا نہ کھلانا اور تقریبات پر دسیوں ڈشز کا اہتمام کرنا۔ 3- ذاتی عیش و آرام کے لیے دل کھول کر خرچ کرنا اور دینی ضروریات کے لیے مٹھی بند کر لینا۔ 4- اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے تھوڑا سا خرچ کر کے رُک جانا کہ اتنا ہی بہت ہے۔

سوال 6: ذَلَّلُوْهُمِيْرَاتُ السَّلْمُوْتِ وَالْاِحْرَاضِ ”اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے“ وضاحت کریں؟

جواب: 1- اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اور دوسری مخلوقات کا قبضہ عارضی ہے۔ 2- ہر ایک کو یہ قبضہ چھوڑنا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس رہ جاتا ہے۔ 3- عقل والا وہ ہے جو مالک کے مال کو اس کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔ 4- نادان وہ ہے جو مالک کے مال کو اسی سے بچا بچا کر رکھتا ہے اور بالآخر وہ مال اس سے چھین جاتا ہے۔ 5- اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو اللہ کی راہ میں صدقہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (ابن القایم: 228)

سوال 7: وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُوْنَ حَسْبُوْهُ ”اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے“ اللہ تعالیٰ نے بخیلوں کو بخل سے روکنے کے لئے اپنے

خمیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ: 1- زمین و آسمان کی میراث اللہ کی ہے۔ اس کے لئے خود عطا کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔
2- مال بچا کر جو لوگ بخیل کر رہے ہیں انہیں جان لینا چاہئے کہ قیامت کے دن یہ مال گردن میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے گا اور کوئی بخیل بیخ نہیں پائے گا کیونکہ ہر چیز کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ سے تم اپنے اعمال نہیں چھپا سکتے اس لئے ہر شخص اپنے نفس کو پاک کر لے۔

رکوع نمبر 10

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُمِبُ مَا قَالُوا وَقَتَّاهُمْ إِلَّا نُبِيًّا بَعِيدٌ حَتَّىٰ
وَأَنقُولُ ذُو قُوَّةٍ أَعْدَابَ الْحَرِيقِ (181)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو۔ (181)

سوال 1: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ” بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کس موقع پر نازل فرمائی؟

جواب: ابن عباس نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضَاعَفَهُ لَكَةً أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْضُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسند دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اللہ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس پر یہودیوں نے کہا: اے محمد ﷺ! تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرضے مانگتا ہے (البقرہ: 245)۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

سوال 2: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ” بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، کی وضاحت کریں۔

جواب: ابن ابی حاتم میں ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے یہاں کا بڑا معلم فحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشع تھا۔ لوگوں کا مجمع تھا اور وہ مذہبی باتیں سن رہے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فحاص! اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور مسلمان ہو جا اللہ تعالیٰ کی قسم! تجھے خوب معلوم ہے کہ محمد ﷺ سچے رسول ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے حق لے کر آئے

ہیں ان کی صفتیں تورات اور انجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فحاص نے جواب میں کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ! سن اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑ گڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پروا ہیں اور مالدار ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا بیغمبر کہہ رہا ہے۔ ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔ اس پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ اور فحاص کے منہ پر زور سے مارا اور فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا بد نصیبو جھٹلاتے رہو اگر سچے فحاص نے جا کر اس کی شکایت نبی ﷺ سے کی۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیوں مارا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا۔ فحاص مگر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر جامع البیان: 4/203-202)

سوال 3: سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمْ اِذَا نُبِيَّآءٍ يَعْبُدُوْهُ حَقِّقْ ” جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا“ 1۔ اس سے مراد شدید وعید ہے کہ ہم ان کی یہ بات ان کے خلاف درج کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان کی یہ بات لکھ لیں گے اس میں سخت وعید ہے 2۔ وَقَتْلَهُمْ اِذَا نُبِيَّآءٍ يَعْبُدُوْهُ حَقِّقْ ” اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کو ناحق قتل کرنا یاد دلایا ہے۔ 3۔ یہاں ”ناحق“ کی قید لگانے سے مراد یہ ہے کہ وہ نبیوں کو لاعلمی اور ضلالت کی وجہ سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس جرم کی قباحت کو جانتے ہوئے بھی سرکشی اور عناد کی بنا پر قتل انبیاء کے اقدام کی جرأت کرتے تھے۔ (تفسیر السعدی: 455/1)

سوال 4: وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ” اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو“ یہ کب کہا جائے گا؟

جواب: ”اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو“ 1۔ یہ بات قیامت کے دن انہیں کہی جائے گی 2۔ یہ بات انہیں ذلیل کرنے کے لیے کہی جائے گی کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

سوال 5: یہود کو کس وجہ سے جہنم کی آگ میں داخل کیا جائے گا؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرنے پر۔ 2۔ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے پر۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيُّكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيَسِّرُ بَطْلًا مَّرْلَعِيْبِيْد (182)

یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔ (182)

سوال 1: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيُّكُمْ ”یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے“ یعنی یہ عذاب ان اعمال کا نتیجہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا یعنی تمہیں تمہارے کئے کا پھل مل رہا ہے۔ 2۔ یہ جلنے کا عذاب جس کی حرارت کو آپ چکھتے رہے ہو یہ دنیا میں تمہارے اعمال کے سبب ہے مثلاً: قتل انبیاء، اللہ کو فقیر کہنا، کفر، فسق اور نافرمانی کے کام وغیرہ۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اس بات کا شعور رب نے کیسے دلایا ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے ظلم کا تذکرہ کر کے یہ شعور دلایا ہے کہ یہ بندوں کے اعمال ہیں جس کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ 2۔ اللہ تعالیٰ مجرموں اور متقیوں، کافروں اور مومنوں کو ایک مقام و مرتبہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ فرمایا

3۔ اَفَجَعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَمِنۡ مَّا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ”تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ تمہیں

کیا ہے، تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ (القم: 36، 35) 4۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ”کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں؟“ (س: 28) 5۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اٰجْتَرَوْهُمُ السِّيَاطِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ سَوَآءٌ مَّجْبٰهُمُ وَمَمَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ”کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنادیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ ان کا جینا

اور مرنا برابر ہو جائے؟ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔“ (الچاثیہ: 21)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر وَاَنَّ اللّٰهَ لَيَسِّرُ بَطْلًا مَّرْلَعِيْبِيْد ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔“

کیا ثابت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ عدل کی بنیاد پر ہے۔

اگر وہ گناہوں پر سزا دیتا ہے تو گناہوں سے قتل وہ گناہوں کی حقیقت کو اپنے پیغمبروں کے توسط سے واضح کرواتا ہے۔ گناہوں

پر ڈراوے دیتا ہے۔ بُرے انجام کو سامنے رکھ کر غور و فکر کا موقع دیتا ہے لیکن جب کوئی اپنے انجام سے بالکل بے فکر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنے والا ہے، ظلم کرنے والے نہیں ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَمِدٌ إِلَيْنَا أَلا نُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَيِّنَاتٌ بِّانٍ تَاكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالذِّمَىٰ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (183)

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھالے۔ آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لاکچھے ہیں جو تم نے کہا، پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم واقعی سچے تھے (183)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف، مالک بن صیف، مخاص بن عاز اور ایک گروہ رسول اللہ کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا اے محمد ﷺ! تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کے رسول ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف کتاب وحی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ ہمارے پاس قربانی آئے جسے وہ آگ کھالے جو آسمان سے آئے تو ہمارے پاس آگ لے آو تو ہم تمہاری تصدیق کر دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مراغی: 123/2)

سوال 1: الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَمِدٌ إِلَيْنَا أَلا نُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَيِّنَاتٌ بِّانٍ تَاكُلُهُ النَّارُ ”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھالے“ آگ کے قربانی کو کھانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی لائے جسے آگ کھالے“ اس سے مراد قربانی کے قبول ہونے کی وہ نشانی ہے جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوتی تھی جس کی قربانی کو آگ کھا لیتی تھی اس کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ اس کی قربانی قبول ہوگئی ہے۔

سوال 3: یہودیوں نے نبی پر ایمان لانے کے لیے یہ عذر کیوں پیش کیا؟

جواب: یہودیوں نے یہ عذر اس لئے پیش کیا کہ وہ ایمان لانے سے بچنے کے لیے بہانے بنا رہے تھے۔

سوال 4: قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِى بِآيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَإِلَىٰى مِّنْ قَبْلِهِمْ ” آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لاکچھے ہیں جو تم نے کہا، ”یہودیوں کے اعتراض کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: ”آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے رسول بھی تمہارے پاس واضح دلیلیں اور وہ کچھ بھی لاکچھے ہیں جو تم نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہو: اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول آچکے جو بہت سی نشانیاں بھی لاکچھے اور وہ نشانی بھی لائے جس کا تم ذکر کرتے ہو تو ان رسولوں کو تم نے کیوں قتل کیا۔

سوال 5: قَلِمَ قَتَلْتُمْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ” پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم واقعی سچے تھے، کی وضاحت کریں۔

جواب: یہود کے اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھ ان کے معاملات کے بارے میں سوال کیا ہے کہ انبیاء آئے تو آپ لوگوں نے مخالفت کی، جھٹلایا اور دشمنی رکھ کر قتل کر دیا اگر آپ حق کے دعوے دار اور پیروکار اور اپنے دعوے میں سچے ہو تو تمہیں نبیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ آپ نہ حق کو مانتے ہو نہ انبیاء کو۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (184)

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جاچکے ہیں جو واضح دلیلیں اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔ (184)

سوال 1: فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ” پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جاچکے ہیں، نبی ﷺ کو یہود کے رویے پر کیسے تسلی دی گئی؟

جواب: ”پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یقیناً آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے جاچکے ہیں۔ 1۔ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ کوئی رسول ایسا نہیں گزرا جس کو اہل کتاب نے نہ جھٹلایا ہو حالانکہ پہلے تمام رسول بھی صحیح دلائل لے کر آئے تھے۔ انہوں نے معجزات پیش کیے۔ انہوں نے ایسے صحیفے پیش کیے جن میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت تھی یعنی زبور اور روشن کتابیں بھی مثلاً تورات اور انجیل۔

2۔ یہود نے واضح دلائل اور کتابیں آنے کے باوجود حق کو جھٹلایا تھا۔ 3۔ رسالت کا فریضہ ادا کرنا ہے اور اس راستے کی یہ مشکلات ہیں۔ نبی بلاتا ہے اور لوگ انکار کرتے ہیں لہذا آپ ﷺ گھبرائیں نہیں۔

سوال 2: جَاءَ غُورًا بِالسَّيِّئَاتِ ” واضح دلیلیں لائے تھے“ بینات سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- بینات سے مراد واضح معجزات ہیں۔ 2- قنادہ نے کہا: اس سے مراد حلال و حرام ہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 517/1)

سوال 3: وَالزُّبُرِ ” اور صحیفے“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: وَالزُّبُرِ سے مراد صحیفے ہیں۔ قنادہ نے کہا: انبیاء کی کتب ہیں۔ (تفسیر فتح القدر: 517/1)

سوال 4: وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ” اور روشن کتاب“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی جانے والی کتاب ہے۔ قنادہ نے کہا اس سے مراد قرآن ہے۔ (تفسیر فتح القدر: 517/1)

كُلُّ نَفْسٍ ذَا آيَةٍ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّ النَّاسَ لَأَجْمِرُونَ ۗ كَمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَمَنْ رُحِزَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَبِوَةُ إِلَّا أَلَمَاتٌ غُرُورًا (185)

ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے اور یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے، چنانچہ جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ (185)

سوال 1: كُلُّ نَفْسٍ ذَا آيَةٍ الْمَوْتِ ” ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے“ ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس سلسلے میں نیک اور بد کے درمیان فرق نہیں۔ 2- دنیا کی زندگی محدود، عارضی اور متعین وقت تک ہے۔ اس کا ختم ہونا ضروری ہے۔ 3- موت تمام چھوٹے سہاروں کو توڑ ڈالے گی۔ 4- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے چوکھٹا خط کھینچا۔ پھر اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو چوکھٹے خط سے نکلا ہوا تھا۔ اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصے میں جو چوکھٹے کے درمیان میں تھا، چھوٹے چھوٹے بہت خطوط کھینچے اور پھر فرمایا کہ ”یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور جو (بیچ کا) خط باہر نکلا ہوا ہے وہ اس کی امید ہے اور چھوٹے چھوٹے خطوط اس کی دنیاوی مشکلات ہیں۔ پس انسان جب ایک (مشکل) سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے“۔ (صحیح بخاری: 6417)

سوال 2: وَإِنَّ النَّاسَ لَأَجْمِرُونَ ۗ كَمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ” یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ دنیا جزا کا مقام نہیں، عمل کا مقام ہے۔ قیامت کا دن جزا و سزا کا ہے۔ 2- قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ 3- مؤمن کا اجر ثواب اور کافر کا اجر عقاب ہے (تفسیر فتح القدر: 1/518)

سوال 3: فَسَنُذْخِرُ عَنْ النَّارِ وَأُدْخِلُ الْجَنَّةَ فَمَنْ نَزَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ أَفْرَحْنَا بِكَ وَبِحَضْرَتِكَ لَمَّا جَاءَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَبِإِذْنِهِ كَلَّمْنَا مَوْلَى السُّورَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَانُوا فِيهَا يَخْتَلِفُ أَسْمَاءُ الْيَوْمِ إِذْ هَبَّتْ فِيهَا الْغَالِيَةُ أَسْمَاءُ الْيَوْمِ إِذْ هَبَّتْ فِيهَا الْغَالِيَةُ (سورہ بقرہ: 25) کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- قیامت کے دن جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے۔ 2- رسول اللہ نے فرمایا: جنت کی باشت بھر جگہ دنیا دہا میں سے بڑھ کر ہے اگر چاہو تو پڑھو فَسَنُذْخِرُ عَنْ النَّارِ وَأُدْخِلُ الْجَنَّةَ فَقَدْ أَفْرَحْنَا بِكَ وَبِحَضْرَتِكَ لَمَّا جَاءَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ (مسندک حاکم، ابن ابی حاتم)

سوال 4: وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْعُزُورِ ” اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں، کی وضاحت کریں؟
جواب: ” اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں، 1- الغرور سے مراد دنیا کی زینت ہے (ابن ابی حاتم: 3/833)

2- دنیا اور دنیا کا سامان ظاہر فریب چیزیں ہیں۔ 3- یہاں کسی کا نام ہو جانا یا کامیاب ہونا اور ترقی کرنا آخرت کے لحاظ سے ایک ہی جیسی چیزیں ہیں۔ 4- دنیا کی نعمتیں کسی کے حق پر ہونے کا ثبوت نہیں۔ 5- دنیا میں کسی کا مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہونا کسی کے غلط کارہونے کا ثبوت نہیں۔ 6- دنیا کا سامان دھوکہ دیتا ہے۔ 7- حقیقی سامان جس کے لیے کوشش کرنی چاہیے وہ آخرت کی کامیابی کا سامان ہے۔ 8- رب العزت نے فرمایا: بَلْ نُؤَشِّرُونَ الْحَيَوةَ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا ۗ إِنَّ لِي لَعَلَّامًا ۗ

دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے (الاعلیٰ: 16, 17)۔ 9- وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ ۗ فَمَتَاعٌ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا ۗ وَزِينَتُهَا ۗ وَمَاعِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے سو دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہترین ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، تو کیا نہیں تم سمجھتے؟ (القصص: 60)۔

10- اس آیت کریمہ میں دنیا میں زندگی کی ترغیب دی گئی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور باقی نہیں رہے گی۔ یہ محض دھوکے کا سامان ہے۔ یہ اپنی چکاچوند، اپنے غرور اور اپنی ظاہری خوبصورتی سے انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہے۔ پھر یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس میں رہنے والے آخرت کے ٹھکانے میں منتقل ہو جائیں گے۔ جہاں ہر نفس کو اچھے یا برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں کیے۔ (تفسیر السعدی: 1/457)

سوال 5: آخرت کو ترجیح دینے والوں اور دنیا کو ترجیح دینے والوں کے رویوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب:

دنیا کو ترجیح دینے والے	آخرت کو ترجیح دینے والے
1- اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ انہیں کسی بھی معاملے میں رب یاد نہیں رہتا۔	1- اللہ تعالیٰ کو کبھی نہیں بھولتے۔
2- غلطی پر قائم رہتے ہیں، اعتراف نہیں کرتے۔ انہیں نہ شرمندگی ہوتی ہے، نہ وہ اپنی غلطی کو دور کرتے ہیں۔	2- غلطی ہوتی ہے تو توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
3- ایسی محفلوں میں جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ سے بے تعلقی ملے، دین سے نفرت ہو جائے اور بے حیائی کا موقع ملے۔	3- ایسی مجلسوں میں جاتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہو۔
4- مال اور دنیا کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔	4- اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔
5- معاشرے کے محروم طبقات کے بارے میں دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے۔	5- اپنے جیسے انسانوں کے دکھ کو محسوس کرتے ہیں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں۔

سوال 6: ”دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں“ اس حقیقت کو جان کر انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
 جواب: 1- انسان کے اندر جب یہ حقیقت جگہ پکڑ لیتی ہے تو دنیا اس کی ترجیحات سے نکل جاتی ہے۔ 2- انسان آخرت کے لیے ہر طرح کی مشکلات اور آزمائشیں برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ 3- انسان کا مالی نقطہ نظر بدل جاتا ہے۔ وہ اپنے مال کو اپنی آخرت سنوارنے کے لیے لگاتا ہے۔ 4- انسان کی سرگرمیوں کا محور و مرکز بدل جاتا ہے۔ وہ آخرت کو بہتر بنانے کے لیے دنیا میں ایسی سرگرمیاں اختیار کرتا ہے جو اس کے کام آئیں۔ مثلاً ذاتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا، ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، اپنی غلطیوں پر توبہ کرنا، ایسی محفلوں میں شرکت کرنا جن سے اللہ تعالیٰ یاد آئے، دنیا میں حق کا بول بالا کرنے کے لیے کوششیں کرنا، محتاجوں کی مدد کرنا اور معاشرتی خدمات کے لیے کوششیں کرنا۔

لَتُبْكُونَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۖ وَ لَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَنْشَرَكُمُ الْأَدْي

كِيثًا ۗ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (186)

یقیناً تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور یقیناً تم اُن سے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے۔ (186)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ إِنَّ اللَّهَ فَفَيْسُرُّ سے یہاں تک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انخاص کے مابین جو معاملہ پیش آیا اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بن اشرف یہودی رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی شان میں ہجو (توہین و گستاخی) کے اشعار کہا کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (باب العقول فی اسباب النزول)

سوال 2: جان اور مال کی آزمائشیں کیا ہیں؟

جواب: 1- اموال کی آزمائشوں میں نازل ہونے والی آفات ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ 2- جان کی آزمائش میں قید ہو جانا، زخمی ہو جانا، انواع و اقسام کے خوف اور مصائب ہیں۔

سوال 3: تَتَّبِعُونَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ” اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے“ جان اور مال کی آزمائشیں کیوں آتی ہیں؟

جواب: ”اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے“ جان اور مال میں کمی کر کے مومن کو آزمانا ضروری ہے مومن کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے اگر وہ دین میں پختہ ہو تو مصائب بھی سخت آئیں گے۔ (ابن کثیر: 1/280)

- 1- جنت کا راستہ مشکلات کا راستہ ہے اور زندگی کی مشکلات کیا ہیں؟ ناپسندیدہ کاموں سے خود کو روکنا اور خواہشاتِ نفس کے خلاف چلنا، یہ نفس کے لیے بھاری کام ہیں۔
- 2- آزمائشوں سے ہی نیکی اور صبر کی قوتوں کو جگا یا جاسکتا ہے۔
- 3- راہ میں آنے والی مشکلات برداشت کرنے سے ہی انسان قابلِ اعتماد بنتا ہے۔
- 4- جتنا انسان حق کے راستے کی مشکلات برداشت کرتا ہے اتنا ہی وہ راستہ اسے عزیز ہو جاتا ہے۔
- 5- آزمائش ہر دعوتِ حق کی سنت ہے۔ اس سے دعوت دینے والے کی دعوت مضبوط ہو جاتی ہے۔ مقابلے کی وجہ سے ہی

انسان کے اندر کی خفیہ قوتیں جاگتی ہیں۔ انسان ان کو نشوونما دے سکتا ہے۔ ان کو منظم کر کے ایک راستے پر لگا سکتا ہے۔
6۔ آزمائش سے گناہ دھل جاتے ہیں۔

سوال 4: سب سے زیادہ کس کی آزمائش ہوتی ہے؟

جواب: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کن لوگوں کی آزمائش سخت ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پیغمبروں کی پھر جوان کے بعد مرتبے میں افضل ہیں، پھر جوان کے بعد افضل ہیں اور آدمی پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر اس کا دین سخت اور قوی ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوتی ہے تو اسی انداز سے وہ مشکل آتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور کوئی گناہ اس پر باقی نہیں رہتا۔“ (ابن ماجہ: 4023)

سوال 5: آزمائش میں کامیاب ہونے والے کو کس چیز کا علم ہونا ضروری ہے؟

جواب: 1۔ اسے اپنے نفس کی حقیقت کا علم ہونا چاہئے۔ 2۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر کون سی چھپی ہوئی قوتیں ہیں۔ 3۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ ایک جماعت اور معاشرے کی تشکیل کیسے ہوتی ہے۔ 4۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ دعوت کے اصولوں اور نفس کی خواہشات کے درمیان کہاں کہاں جنگ ہوگی۔ 5۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ شیطان کن کن دروازوں سے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے۔ 6۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ حق کے راستے میں پھسلن کہاں کہاں ہے۔ 7۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ انسان گمراہ کب کب ہوتا ہے۔

سوال 6: ابتلاء و آزمائش سے کونسی صفات پیدا ہوتی ہیں؟

جواب: ابتلاء سے صبر و استقامت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اخلاقی کمزوریوں کا علاج ہوتا ہے۔ درجات بلند ہوتے ہیں مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہوتا ہے۔ (تیسیر القرآن 1/336)

سوال 7: وَلَنَسَبْنَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذْيَ كَثِيرًا ۗ اٰوَرِيقِيْنَا تَمَّ اُنَّ سَے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور یقیناً تم اُن سے ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جنگِ بدر سے پہلے یہ بات کہہ دی تھی ابھی وہ صبر سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ

سے ڈر کر رہیں۔ 1۔ اہل کتاب اور مشرک تمہارے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے، مشکوک و شبہات پھیلائیں گے۔ 2۔ شبہات دعوت اور دعوت دینے والوں کے بارے میں ہو سکتے ہیں۔ 3۔ اس مقصد کے لیے جدید نشر و اشاعت کے وسائل بھی استعمال ہوں گے، سازشیں ہوں گی، تفرقہ پھیلانے کی کوششیں ہوں گی۔

سوال 8: تکلیف دہ باتیں کس کونسنی پڑتی ہیں؟

جواب: جو شخص حق پر قائم ہو جاتا ہے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے تو لازماً اسے ایذا نہیں دی جاتی ہیں۔ (الاساس فی التفسیر: 954/2)

سوال 9: تکلیف دہ باتوں کی دو کیا ہے؟

جواب: 1۔ اللہ کے لیے صبر کرنا۔ 2۔ اللہ سے مدد مانگنا۔ 3۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا (الاساس فی التفسیر: 954/2)

سوال 10: وَإِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ” اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے “ کی وضاحت کریں؟

جواب: ” اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ بنو تو یقیناً یہ بلند حوصلہ کاموں میں سے ہے “ 1۔ صبر اور تقویٰ ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کے خوف (تقویٰ) سے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے (صبر) سے ہی مشکلات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ 3۔ حق کے راستے کی پھسلن سے بچنے اور گمراہ ہونے سے بچنے کے لیے یہ دو لازمی ہتھیار ہیں۔

4۔ صبر اور تقویٰ کے لیے قوت ارادی، کمال عقل و فکر اور ایسے امور کی ضرورت ہے جن میں سستی نہیں برتی جاسکتی۔ (منیر: 523/2)

سوال 11: کہاں صبر کریں؟

جواب: 1۔ جان و مال کی ابتلاء و آزمائش میں۔ اور اپنے صبر میں صبر شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو یعنی ایسے مقام پر صبر نہ کرو جہاں صبر کرنا جائز نہ ہو بلکہ وہاں تمہارا کام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لینا ہو۔ (تفسیر السعدی: 458/1) 2۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” جو مومن لوگوں سے مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے، اس کو اس مومن کی نسبت زیادہ ثواب ملتا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے۔ “ (ابن ماجہ: 4032) 3۔ سیدنا ابو عبیدہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی جبکہ آپ خانہ کعبہ کے سایے میں ایک چادر کا تکیہ بنائے استراحت فرماتے تھے۔ ہم نے کہا، آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ

نے فرمایا: (تمہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ تم سے پہلے لوگوں کا (یہ حال ہوتا تھا کہ) آدمی پکڑ کر لایا جاتا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کر دیا جاتا پھر اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور لوہے کی کنگھیاں اس کے جسم پر پھیری جاتیں جس سے اس کا گوشت اور ہڈیاں تک متاثر ہو جاتیں۔ لیکن یہ (زمانہ تیس) اسے اس کے دین سے نہ پھیرتیں (اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو ضرور مکمل فرمائے گا (دین اسلام کو غالب کرے گا) یہاں تک کہ ایک سوار (مسافر) صنعاء سے حضرموت تک (اکیلا) سفر کرے گا لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ (صحیح بخاری: 3612)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُنَّهُ ۚ فَبَيَّنَّا وَرَأَىٰ لُطْفَهُمْ وَأُشْتَرُوا بِهِ شَيْئًا قَلِيلًا ۗ فَبَيَّنَّا مَا يَشْتَرُونَ (187)

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی، سو لگتا بُرا ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں! (187)

سوال 1: إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے، اہل کتاب سے کیا عہد لیا گیا تھا؟

جواب: ”اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے“۔ 1۔ ميثاق اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت موکلہ اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔ (تفسیر سعدی: 459/1) 2۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا کہ اس کتاب کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے یعنی تورات اور انجیل کی تعلیمات کو نہیں چھپاؤ گے۔ سوال 2۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُنَّهُ ”تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے“ کی وضاحت کریں۔

جواب: 1۔ ”لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ“ تم لوگوں کے سامنے وہ سارے احکامات اور خبریں بیان کرو گے جو محمد کی نبوت کے

بارے میں ہیں حتیٰ کہ لوگ انہیں صحیح طور پر پہچان لیں (تفسیر المیزان: 2/530) 2۔ وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ عَدْوًا مِن دُونِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ: سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد محمد ہیں (ابن ابی حاتم: 3/836) 3۔ جسے کتاب دی گئی اور جسے علم سے نوازا گیا اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں وہ ان کے سامنے بیان کرے اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو علمی راہنمائی کا متقاضی ہو۔ پس اس صورتحال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1/459) 4۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس سے علم دین کا مسئلہ پوچھا گیا اور جان بوجھ کر اس مسئلے کو اس نے نہ بتایا تو قیامت کے دن وہ شخص آگ کی لگام دیا جائے گا“۔ (ابوداؤد: 3658) 5۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ قرآن کی دو آیتیں نہ ہوتی تو میں کوئی حدیث بیان نہیں کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی ’جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اللہ کی نازل کی ہوئی دلیلوں اور آیتوں کو چھپاتے ہیں (آخر آیت) رحیم تک۔ (واقعہ یہ ہے کہ) ہمارے مہاجرین بھائی تو بازار کی خرید و فروخت میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے اور ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جی بھر کر رہتا (تاکہ آپ ﷺ کی رفاقت میں شکم پری سے بھی بے فکری رہے) اور (ان مجلسوں میں) حاضر رہتا جن (مجلسوں) میں دوسرے حاضر نہ ہوتے اور وہ (باتیں) محفوظ رکھتا جو دوسرے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے“۔ (صحیح بخاری: 118) 6۔ سیدنا ابو ذر b کا ارشاد ہے کہ ”اگر تم اس پر تلوار رکھ دو اور اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور مجھے گمان ہو کہ میں نے نبی نے a سے جو ایک کلمہ سنا ہے گردن کٹنے سے پہلے بیان کر سکوں گا تو یقیناً میں اسے بیان کر ہی دوں گا“۔ (صحیح بخاری: 10)

سوال 3: فَتَبَيَّنُوا وَهُوَ رَبُّهُمْ وَإِنَّهُم لَأُولُو الْأُلْبَانِ” تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس

کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی، اہل کتاب کا عہد کرنے کے بعد کیا رویہ تھا؟
جواب: ”تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی“ 1۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پھیلانے کا کام پس پشت ڈال دیا۔
2۔ ان تعلیمات کو تھوڑی قیمت کے عوض یعنی دنیا کے فائدوں کی خاطر بدل ڈالا۔

3۔ ابن جریر نے کہا: انہوں نے عہد توڑ ڈالا۔ (تفسیر جامع البیان: 212/4)

4۔ رہے وہ لوگ جن کو کتاب عطا کی گئی، یعنی یہودی اور نصاریٰ اور ان جیسے دیگر لوگ تو انہوں نے اس عہد اور بیثاق کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس بیثاق کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ پس انہوں نے حق کو چھپا لیا اور باطل کو ظاہر کیا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حقیر سمجھتے ہوئے محرمات کے ارتکاب کی جرأت کی۔ (تفسیر السعدی: 459/1)

سوال 4: وَأَشْكُرُوا لَهُ كَمَا قَلِيلًا ”اور اس کے بدلے انہوں نے بہت تھوڑی قیمت لے لی“ کی وضاحت کریں۔
جواب: 1۔ انہوں نے حق کو چھپانے کی بہت تھوڑی قیمت لی اور یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے تھوڑی قیمت ہے۔ 2۔ یہود و نصاریٰ نے اس کتمان حق کے بدلے میں بہت معمولی قیمت لی۔ وہ یہ تھی کہ انہیں کتمان حق کی بنا پر سرداری حاصل ہوئی اور ان کے گھنٹیا پر وکاروں کی طرف سے، جو ان کی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور حق پر خواہشات کو مقدم رکھتے تھے، ان کو حقیر مال کے نذرانے پیش ہوتے تھے۔ (تفسیر السعدی: 459/1)

سوال 5: قَبِيضٌ مَّا يَشْتَرُونَ ”سو کتنا برا ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں!“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ”کتنی بری چیز تھی جو انہوں نے خریدی“ سے مراد دنیا کے وہ حقیر فائدے ہیں جن کی خاطر اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کا کلام بدل ڈالا۔

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ يُؤْتُوا بِمَالِهِمْ يُفْعَلُوا أَفَلَا تَحْسِبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (188)

آپ ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جو خوش ہوتے ہیں ان کاموں پر جو انہوں نے کیے اور چاہتے ہیں کہ ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے چنانچہ آپ انہیں عذاب سے نکلنے میں ہرگز کامیاب خیال نہ کریں اور ان

کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (188)

سوال: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب 1: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین میں سے بعض ایسے تھے جو غزوہ کے لئے نکلے تو وہ پیچھے رہ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ جانے سے خوش ہوئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی اور قسم اٹھائی اور انھوں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انھوں نے سرانجام نہیں دیئے تو آیت (لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفَكُرُونَ أَنَّهُم مُّؤْمِنُونَ) نازل ہوئی ”اپنے کیے پر خوش ہونے والے لوگوں کو مت گمان کرو جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ انکی تعریف کی جائے ایسے اعمال پر جو انھوں نے سرانجام نہیں دیئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکے بارے میں عذاب سے نجات کا گمان نہ کریں۔“ (صحیح مسلم: 7033)

سیدنا حمید بن عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مروان نے اپنے چوکیدار رافع سے فرمایا: تم ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر شخص کو عذاب دیا گیا جو خوش ہوتا ہے اس پر جو اسے دیا جاتا ہے اور جو اس نے کیا نہیں اس پر وہ اپنی تعریف پسند کرتا ہے تو پھر ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے یہ آیت تو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سوال 2: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفَكُرُونَ أَنَّهُم مُّؤْمِنُونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا آپ ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جو خوش ہوتے ہیں ان کاموں پر جو انہوں نے کیے اور چاہتے ہیں کہ ان پر بھی ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے، وضاحت کریں؟

جواب 1: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چند منافقین ایسے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ مدینہ میں پیچھے رہ جاتے اور پیچھے رہ جانے پر بہت خوش ہوا کرتے تھے لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے تو عذر بیان کرتے اور تمہیں کھا لیتے بلکہ ان کو ایسے کام پر تعریف ہونا پسند آتا جس کو انہوں نے نہ کیا ہوتا اور بعد میں چکنی چڑی باتوں سے اپنی بات بنانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر یہ آیت اتاری۔ (بخاری: 4567)

2- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کوئی بات دریافت فرمائی جسے انھوں نے چھپا کر اس سے مختلف بیان کی جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل کر گئے تو آپ پر ظاہر کیا کہ ہم نے آپ کو اسی بات کی خبر دی ہے

جو انھوں نے ہم سے دریافت کی تھی اس پر وہ اپنی تعریف کے متنی ہوئے اور جو ان سے پوچھا گیا اس کے چھپانے پر خوش ہوئے۔“ (صحیح مسلم: 7034)

سوال 3: اس آیت میں کن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے؟

جواب: 1- اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ریا کاری اور شہرت کے لئے کام کرتے ہیں اور کاموں کا جو اظہار کرتے ہیں اتنا کام نہیں کرتے۔ جو خوبیاں ان کے اندر نہیں ہوتیں ان کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ 2- اس آیت میں ریا کاروں اور شیخی خوروں کی مذمت ہے جو علم کے بغیر مسئلے بیان کرتے ہیں۔ رسول نے فرمایا: جس نے مالدار ہونے کے لیے جھوٹا دعویٰ کیا اسے کی نصیب ہوگی (مختصر ابن کثیر: 281/1)

3- نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے بارے میں کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تا کہ لوگوں کے سامنے بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کا وقار گھٹا دیتا ہے۔“ (ابن کثیر) 4- نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی ایسی خوبی کا دعویٰ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں دی، وہ جھوٹ اور فریب کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔“ (مسلم: 5581)

سوال 3: فَلَا تَحْسَبَنَّكُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ”چنانچہ آپ انہیں عذاب سے نکلنے میں ہرگز کامیاب خیال نہ کریں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ایک دردناک عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔ 2- سیدنا ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے آپ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا حال یہ ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں تیسرے یہ کہ نبی ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے خوش ہو کر کہنے لگے کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی زندگی انتہائی اچھی گزری اور موت شہادت کی نصیب ہوئی، مسیلہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں آپ نے شہادت پائی۔ (تفسیر ابن کثیر: 502/1) 3- اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کے احکامات کی مخالفت سے

بچو وہ ہر چیز کا مالک ہے ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (189)

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (189)

سوال 1: وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ وہ ان تصورات سے بالاتر ہے۔ جیسے یہودیوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ 2- اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ 4- زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔
سوال 2: وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر اپنی بادشاہت سے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 11

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (190)

یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (190)

سوال 1: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک رات میری باری میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے۔ میرے ساتھ سوئے تو مجھ سے فرمانے لگے: عائشہ! میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں مجھے جانے دو۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی عبادت کریں۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر ہلکا سا وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ پھر جو روٹ شروع کیا تو اتاروئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگی۔ پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہوگی۔ پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کے لیے بلایا اور آپ ﷺ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا: اے اللہ کے سچے رسول ﷺ! آپ ﷺ کیوں رورہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ

کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! میں کیوں نہ روؤں۔ مجھ پر آج رات یہ آیت اتری ہے: ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَلُوتِ وَالْأَنرُضِ وَالْأَخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَالنَّهَارِ الْاَيْلِ وَاللَّيْلِ الْاَيْلِ وَاللَّوْلِ الْاَيْلِ الْاَيْلِ“ (تفسیر ابن کثیر) سوال 2: اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمَلُوتِ وَالْأَنرُضِ وَالْأَخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَالنَّهَارِ الْاَيْلِ وَاللَّيْلِ الْاَيْلِ وَاللَّوْلِ الْاَيْلِ الْاَيْلِ ”یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- گزشتہ آیتوں میں یہ بود کی بدنیتی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کا بیان ہوا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فقیر تک کہا۔ آنے والی آیتوں میں انہیں اور دیگر انسانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تو سب کا رب، خالق، مالک اور معبود ہے، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر چیز اس کے تصرف میں ہے، وہ فقیر کیونکر ہو سکتا ہے! (تیسیر الرحمن) 2- آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور کبریائی کی نشانیاں ہیں۔ 3- الآیات سے مراد واضح دلائل ہیں جو کہ خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ (بخ القدر 521/7)

سوال 3: کائنات پر غور و فکر کرنے سے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- کائنات پر غور و فکر کرنے سے خالق کی محبت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ 2- خالق کے مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ 3- خالق کا خوف اور خشیت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ 4- انسان اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ 5- انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت کی طرف توجہ کرتا ہے۔

سوال 4: لَّيْلٍ لَّوْلِي الْاَيْلٍ الْاَيْلٍ ”عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں“ عقل والے کون ہیں؟

جواب: عقل والے لوگ وہ ہیں جو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان جاتے ہیں۔

سوال 5: آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے کیا نشانیاں ہیں؟

جواب: آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے کائنات میں خالق کائنات کی نشانیاں ہیں۔ وہ غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ سمجھ جاتے ہیں کہ کائنات کے بے خطا نظام کے پیچھے کوئی اسے چلانے والا، اس کی تدبیر اور انتظام کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے۔

سوال 6: کائنات پر غور و فکر سے کون سے سبق ملتے ہیں؟

جواب: 1- ہر چیز اپنے آغاز کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ 2- یہاں ایک چھوٹا سا بیج زمین میں ڈالا جائے تو پھل لے کر آتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ کوئی انسان نیکی کی زندگی گزارے اور اسے اس کی کارگزاری کا کوئی پھل نہ ملے۔ 3- ایک بامعنی کائنات بے معنی انجام پر ختم نہیں ہو سکتی۔ 4- ہر رات کے بعد دن آتا ہے اور ہر دن کے بعد رات آتی ہے۔ ہر مشکل کے بعد آسانی آتی ہے۔ دنیا کی مشکلات کے بعد آخرت میں آسانی آئے گی۔ دنیا کی زندگی کی آسانیوں کے بعد آخرت میں مشکلات آئیں گی۔

سوال 7: ان آیات کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ ان آیات کو تہجد کے لئے اُٹھتے تو پڑھتے تھے یعنی اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرٰتِكَ اور اس کے بعد وضو کرتے۔ (بخاری، کتاب التہجد: 4569)

اَلَّذِيْنَ يَدْكُرُوْنَ اللّٰهَ قَلِيْلًا وَّ قَعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سِرًا بِمَا خَلَقَتْ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ قَتْنَا عَادًا بَاطِلًا (191)

وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ (191)

سوال 1: اَلَّذِيْنَ يَدْكُرُوْنَ اللّٰهَ قَلِيْلًا وَّ قَعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سِرًا بِمَا خَلَقَتْ هٰذَا بَاطِلًا وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، انسان اس یقین تک کیسے پہنچتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ضرور ہے جو قدرت رکھنے والا ہے؟

جواب: 1- انسان جب اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور اس کائنات پر غور و فکر کرتا ہے تو اس یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو قدرت رکھنے والا، مدبر اور حکمت والا

ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اولوالباب یعنی عقل والوں کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ 3۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے۔ ”اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا نور ہے، تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو آسمان وزمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کا قائم رکھے والا ہے اور تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ اے اللہ! تیرے سپرد کیا، تجھ پر بھروسہ کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری طرف رجوع کیا، دشمنوں کا معاملہ تیرے سپرد کیا، فیصلہ تیرے سپرد کیا، پس میری اگلی کچھلی خطائیں معاف کر۔ وہ بھی جو میں نے چھپ کر کی ہیں اور وہ بھی جو کھل کر کی ہیں تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے بعد میں ہے، صرف تو ہی معبود ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں“۔ (صحیح بخاری: 6317) 4۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان دونوں نے نبی ﷺ پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو قوم بھی بیٹھ کر اللہ رب العزت کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے۔ فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور (اللہ عزوجل کی) رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے پاس والوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (مسلم: 6855)

سوال 2: وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں“ انسان ہر چیز پر غور و فکر کرنا کیسے شروع کرتا ہے؟

جواب: ”اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں“ 1۔ انسان کا ذہن اگر اپنے ارد گرد ہونے والے واقعات، اپنے حالات و معاملات میں الجھا رہے تو اس کا دل پر اگندہ خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کی اور اپنی حقیقت کے بارے میں سوچنے کے قابل نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، اس کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ارد گرد کی کائنات کی طرف توجہ کرتا ہے۔ پھر اس کی نظر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اسے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے اور اس میں عبرت پاتا ہے۔ یوں وہ غور و فکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ 2۔ ابن ابی الدنیانے ”کتاب التوکل والاعتبار“ میں ابوسلیمان درانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں جب اپنے گھر سے نکلتا ہوں اور میری نظر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اسے اپنے لیے اللہ کی نعمت اور اس میں ایک عبرت پاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے، گویا خالق کے بارے میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ اللہ کی ذات و صفات کی

منہیات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ (یسیر الرحمن: 230)

سوال 3: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ؕ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، انسان کب پکارا اُٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی؟

جواب: ’اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا‘ انسان جب زمین و آسمان کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی رحمت، اس کی ربوبیت اور اس کی قدرت کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔ انسان کو جب رب تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے تو وہ پکارا اُٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی۔

سوال 4: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ؕ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، کی وضاحت کریں؟
جواب: جب عقل والے اللہ تعالیٰ کی کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں تو اس حقیقت کو پا لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی رب ہے پھر وہ پکارا اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ فضول اور بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

سوال 5: کائنات بنانے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: کائنات بنانے کا مقصد انسانوں کا امتحان ہے۔

سوال 6: انسان کا امتحان کیا ہے؟

جواب: انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اختیار پانے کے بعد کہاں تک احسن عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال 7: دنیا کے امتحان میں کامیاب ہونے والے کے لئے کیا انعامات ہیں؟

جواب: دنیا کے امتحان میں کامیاب ہونے والے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والے انعامات ہیں۔ ہمیشہ کی جوانی و صحت اور جنت کی لازوال نعمتیں ہیں۔

سوال 8: دنیا کے امتحان میں ناکام ہونے والے کے لئے کیا انجام ہے؟

جواب: دنیا کے امتحان میں ناکام ہونے والے کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

سوال 9: سُبْحٰنَكَ فَعِنَّا عَذَابُ النَّارِ ؕ ”آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے“ عذاب نار سے بچنے کی

دُعائیں کب کی جاتی ہیں؟

جواب: ”آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے، عذاب نار سے بچنے کی دعائیں تب کی جاتی ہیں جب انسان کورت تعالیٰ کی معرفت کی وجہ سے تخلیق کائنات کی وجہ سمجھ آ جاتی ہے۔

سوال 10: ”آسمان اور زمین کی سچائی اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے“ میں جو سچائی ہے اس کی سمجھ اور اس دعائیں کہ ”اے اللہ! آگ سے بچالے،“ کیا تعلق ہے؟

جواب: عقل والے جب کائنات کے اندر کام کرنے والی سچائی کو پالیتے ہیں تو وہ یقین کر لیتے ہیں کہ کائنات کے اندر ایک تقدیر، ایک تدبیر اور ایک حکمت کام کر رہی ہے اور اس شعور کے ساتھ ہی وہ جہنم کا شعور حاصل کر لیتے ہیں اور فوراً ہی انتہائی عاجزی اور یکسوئی سے، خشوع و خضوع سے کانپتے دل کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور یہ دُعَا ان کے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے کہ ”اے اللہ! آگ سے بچالے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو ڈرا وہ بھاگا اور جو بھاگا وہ منزل کو گیا، سنو، اللہ کا مال بہت مہنگا ہے، خبردار اللہ کا مال جنت ہے۔“ (ترمذی: 2450) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں نے جہنم سے بھاگنے والے کسی شخص کو سوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی جنت کے کسی خواہش مند کو سوتے دیکھا ہے۔“ (ترمذی: 2601)

رَبَّنَا آتِنَاكَ مِنْ تَنْجُلِ النَّارِ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (192)

اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اُس کو تو نے واقعی رُسوا کر دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔ (192)

سوال 1: رَبَّنَا آتِنَاكَ مِنْ تَنْجُلِ النَّارِ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ”اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو نے آگ میں ڈالا تو اُس کو تو نے واقعی رُسوا کر دیا“ کی دُعَا سے کس چیز کا اظہار ہو رہا ہے؟

جواب: 1- اس دُعَا سے پتہ چل رہا ہے کہ عقل مند انسان کو آگ کے عذاب سے خوف آتا ہے۔ 2- اس سے بھی زیادہ خوف اس رسوائی سے ہوتا ہے جو دوزخ والوں کا مقدر بننے والی ہے۔ 3- ذہن اور دل کی دنیا میں زلزلہ اس شرمندگی اور رسوائی کی وجہ سے آتا ہے جو اہل جہنم کو ہوگی۔ 4- اس دُعَا سے پتہ چل رہا ہے کہ ان یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کی

مد نہیں کر سکتا اس لیے کہ کسی ظالم کوئی مددگار نہ ہوگا۔

سوال 2: فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ "تو اس کو تو نے واقعی رُسا کر دیا" رُسوائی سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سے مراد حشر کے میدان میں سب کے سامنے توہین و رُسوائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک ایسے جہنمی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش و راحت میں تھا اسے دوزخ کی آگ میں غوطا دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! یہ بتا تو نے کبھی اچھا دور بھی دیکھا ہے؟ تجھ پر کبھی عیش و آرام کا زمانہ آیا ہے؟ وہ جواب دے گا: آقا! تیری ذات کی قسم میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا پھر ایک ایسا بہشتی لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ بد حال اور مصیبت زدہ تھا جب اس پر بہشت کی نعمتوں کا رنگ چڑھ جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اے فرزند آدم کیا تو نے کبھی افلاس اور تنگی کا دور دیکھا ہے؟ کیا تو نے مصیبت اور سخت دیکھی ہے؟ وہ کہے گا پروردگار! تیری قسم! میں کبھی مصیبت اور تنگ دستی میں گرفتار نہیں ہوا میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہی نہیں۔" (مسلم: 7088) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ براہ راست، بغیر کسی ترجمان کے کلام کرے گا۔ پھر آدمی اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے سوائے اپنے عملوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ بائیں طرف دیکھے گا تو اسے سوائے اپنے عملوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ اس کا استقبال کرے گی۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اپنے چہرے کو آگ سے بچانے کی طاقت رکھتا ہو وہ ضرور بچائے خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے بچائے۔" (ترمذی: 2415)

سوال 3: وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ "اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: ظالموں کے لیے فیصلے کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا، انہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

سوال 4: ظالم کون ہے؟

جواب: 1- ظالم وہ ہے جو شرک کرتا ہے۔ 2- ظالم وہ ہے جو رب کا نافرمان ہے۔ 3- ظالم وہ ہے جو رب کے احکامات کا انکار کرتا ہے۔ 4- ظالم وہ ہے جو رب سے کفر کرتا ہے۔

رَبَّنَا إِنَّا أَسْعَمْنَا دِيَابًا دِيَابًا لِيَأْتِيَنَّ لِلْإِيْمَانِ أَنْ أَمْثُوا بِرَبِّكُمْ فَاْمَا رَبَّنَا فَاعْفُورْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَقَّنَا

صَمَّ الْآبْرَارِ (193)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما! اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا۔ (193)

سوال 1: رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ أُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمْنَا ” اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، کی وضاحت کریں؟
جواب 1: منادی سے مراد نبی ﷺ کی ذات ہے اور لفظ منادی کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پکار پکار کر اسلام کی دعوت پوری تندرہی اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دی۔ (تیسیر الرحمن)۔ 2۔ قنادہ اور محمد بن کعب قرظی نے کہا منادی قرآن ہے اور اس کی دلیل مومن جنوں کا قول ہے: إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ (1)۔

سوال 2: رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ أُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ ” اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، اس دُعا سے مومن کے مزاج کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟
جواب 1: اس دُعا سے قلبِ مومن کا جھکاؤ پتہ چلتا ہے۔ جو حق کو سنتے ہیں اس کو مان لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے گناہوں کا خیال آتا ہے تو اپنے رب سے غلطیوں، کوتاہیوں، گزشتہ نافرمانیوں اور گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔
2۔ اس دُعا میں ایمان والوں کے خشوع و خضوع اور دُعا کی قبولیت کے لئے انتہائی رغبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہماری برائیاں دور فرما دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کرنا۔

سوال 3: رَبَّنَا فَارْحَمْنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ” اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دے، کی وضاحت کریں؟
جواب: اس آیت میں ان پر اللہ تعالیٰ کے احسان، اس کی نعمت پر اظہارِ فخر اور اس ایمان کو اپنے گناہوں کی بخشش اور برائیوں کو مٹانے کے لیے وسیلہ بنانے کی خبر ہے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ وہ ہستی جس نے انہیں ایمان سے نوازا ہے وہی انہیں کامل امان سے نوازے گی۔ (تفسیر سدی)

سوال 4: وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا ” اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما!، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما!“ اس سے مراد کبیرہ گناہ ہیں اور صغیرہ برائیوں کو بھی دور فرما۔ (تفسیر فتح القدیر: 1/522)

سوال 5: وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْتِرِ اِٰرِ ”اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- ”اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا“ ابرار سے مراد انبیاء کے ساتھی نیک لوگ۔ (قرطبی: 2/243)

2- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ اَوْلَيْكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدَ اِءِ ”تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے“ (النساء: 69)۔ 3- اس دعا سے پتہ چلتا ہے کہ نیکی کرنا اور برائی کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے جس کی بناء پر بندہ ”ابرار“ میں شمار ہوتا ہے اور اس توفیق کی بناء پر نیکی کرنے اور برائی چھوڑنے پر اپنی موت تک ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 6: رَبِّ اِنَّا غَفِرْنَا لَدُوْبِنَا وَ كَفَّرْنَا عَنْ سَابِغَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْتِرِ اِٰرِ ”اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ بخش دینا اور ہماری برائیاں ہم سے دور فرما! اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا“ سچے ایمان کے نتیجے میں عذاب نار سے بچنے کے لئے اہل ایمان کس کس چیز کی دُعائیں کرتے ہیں؟

جواب: 1- گناہوں کی معافی کی۔ 2- برائیوں کو دور کرنے کی۔ 3- نیکو کاروں کے ساتھ موت کی۔ 4- قیامت کے دن کی رُسوائی سے بچنے کی۔

رَبِّ اِنَّا اٰتَيْنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ (194)

اے ہمارے رب! جو وعدہ تُو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا! بلاشبہ تُو اپنے وعدے کی خلاف نہیں کرتا۔ (194)

سوال 1: رَبِّ اِنَّا اٰتَيْنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ”اے ہمارے رب! جو وعدہ تُو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اے ہمارے رب! جو وعدہ تُو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے ہمیں وہ عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا!“ 1- اس دُعَا سے مومن کے یقین کا پتہ چلتا ہے کہ رسولوں نے آپ کے جو وعدے ہم تک پہنچائے ہیں ہمیں امید ہے آپ ان کو پورا فرمائیں گے۔ 2- اس دعا سے مومن کے دین کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذہن اور دل میں یہ

کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوائہ کرے گا“ (الاحزاب: 8)

سوال 4: وَلَا تُخَوِّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ اور قیامت کے دن ہمیں رسوائہ کرنا!“ کی وضاحت کریں۔

جواب: ”اور قیامت کے دن ہمیں رسوائہ کرنا!“ 1۔ یہاں رسوائی سے مراد محشر میں تمام اہل موقف کے سامنے رسوائی۔

2۔ اہل ایمان دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ ”رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُنَادِي بِالنَّارِ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ“

سوال 5: دُعَاؤِ كِي خصوصیات کیا ہیں؟

جواب 1: دُعَايِهِ الْفَاعِلِ فِي مَهْطَاتِهِ، آواز کی نرمی ہے، لہجے کا سوز ہے، عاجزی ہے۔ 2۔ ان دُعَاؤِ فِي خُشُوعٍ وَخُضُوعٍ

ہے، توجہ الی اللہ ہے۔ 3۔ ان دُعَاؤِ كِي گہرے اثرات انسان کی سماعت پر مرتب ہوتے ہیں۔ 4۔ یہ دُعَاؤِ كِي دل سے نکل

رہی ہیں اور دل پر اور گہرے نقوش چھوڑ رہی ہیں۔

سوال 6: إِنَّكَ لَا تُخَلِّفُ الْوَعْدَ“ بلاشبہ تو اپنے وعدے کی خلاف نہیں کرتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے خلاف کرنے والا نہیں۔ یہ ایمان والوں کا یقین ہے۔ اسی بھروسے پر وہ ساری مشکلات

برداشت کرتے ہیں۔ ایمان والے اللہ کے وعدوں کا یقین اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کائنات کے نظام سے حاصل کرتے ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذُكِّرُوا وَانْتُنِي بِبَعْضِكُمْ مِّنْ بَعْضٍ قَالَ الَّذِينَ هَاجَرُوا

وَآخَرِ جُؤَاهِرِمْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَفُتِنُوا وَفُتِنُوا لََّا كُفِّرْنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخَانَ لَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ تَنُوبًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَ أَحْسَنِ الثَّوَابِ (195)

چنانچہ ان کے رب نے ان کی دُعَا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں

کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے

گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان

سے دور کر دوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے

ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔ (195)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول بتائیں؟

جواب: تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز نبی ﷺ سے پوچھا کہ عورت کی ہجرت کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی، حاکم اور سعید بن منصور نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا نام نہیں لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَتَىٰ لَا أُضِيْعُ عَمَلٍ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مَّرَّةً وَّكَمْ اَوْ اُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ مَّرْدٌ يَّوْمًا عَوْرَتٍ مِّمَّنْ كَمَنْ لَّمْ يَجْرَسْ نَحْنُ نَحْنُ

کرتا۔ (ترمذی کتاب تفسیر القرآن: 23)

سوال 2: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ”چنانچہ ان کے رب نے ان کی دُعا قبول فرمائی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”چنانچہ ان کے رب نے ان کی دُعا قبول فرمائی“ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا ان کے ایمان کی سچائی، ان کے ذکر، غور و فکر، رب کی توحید بیان کرنے، اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اپنی غلطیوں اور گناہوں کے شعور کی اور شکر میں کمی اور مغفرت کی ضرورت کی وجہ سے قبول کی۔ (تفسیر المرآتی: 136/2)

سوال 3: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَتَىٰ لَا أُضِيْعُ عَمَلٍ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مَّرَّةً وَّكَمْ اَوْ اُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ”چنانچہ ان کے رب نے ان کی دُعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو،“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی دُعا قبول کر لی اور انہیں یہ خوشخبری دی ہے کہ وہ نیک اعمال کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔ 1۔ آخرت کی کامیابی کے لیے غور و فکر، دعائیں، گناہوں کی معافی کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ 2۔ یہ عمل سب کی جانب سے قبول کیا جائے گا خواہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ 3۔ مرد اور عورت انسان ہونے کی حیثیت میں برابر ہیں۔

سوال 4: اَتَىٰ لَا أُضِيْعُ عَمَلٍ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مَّرَّةً وَّكَمْ اَوْ اُنْثَىٰ ”بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت“ یہاں مرد اور عورت کے اجر کی الگ الگ وضاحت کیوں کی گئی ہے؟

جواب: ”بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت“ مرد اور عورت کے اجر کی وضاحت

اس لئے کی گئی ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان کچھ معاملات میں فطری خصوصیات کی وجہ سے فرق رکھا ہے۔ یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

سوال 5: انسان عمل پر کیسے آمادہ ہوتا ہے؟

جواب: 1- کائنات پر غور و فکر کر کے اپنی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس کر کے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔
2- اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ سے دُعا سنبھال کر کے، مدد مانگ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ 5- اللہ تعالیٰ کے خوف سے انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ 6- اللہ تعالیٰ سے اُمید باندھ کر انسان عمل پر آمادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس راستے پر لایا ہے تو وہی چلائے گا۔

سوال 6: بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ”تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو“ یعنی مرد ہو یا عورت پیدائش کے اعتبار سے، اعمال کے اجر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

سوال 7: اسلام جان و مال کی کوئی سی ذمہ داریاں انسان پر عائد کرتا ہے؟

جواب: 1- ہجرت 2- اسلام کی خاطر ساری اذیتوں کو برداشت کرنا۔ 3- اسلام کی سر بلندی کے لیے (جہاد) جنگ کرنا۔
4- ضرورت پڑنے پر اسلام کی خاطر جان دے دینا۔

سوال 8: قَالَ ذِي بَيْنِهَا جُرُودًا وَأُخْرٍ جُؤَامِنٍ دِيَارِهِمْ وَأُوْدُوْدًا فِي سَبِيلِنَا وَفُتُلُوْدًا وَقَتْلُوْدًا الْكُفْرَانَ عَنْهُمْ سَبِيلَاتِهِمْ وَكَذُؤْدُوْدًا جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ”تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے تو یقیناً میں ضروران ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور یقیناً میں ضروران انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی برائیاں ان سے دور کرتے ہیں؟

جواب: 1- قَالَ ذِي بَيْنِهَا جُرُودًا ”تو جن لوگوں نے ہجرت کی“ اس سے مراد مکہ سے مدینہ آنے والے مہاجر ہیں۔ 2- فِي سَبِيلِنَا : میرے دین، میری اطاعت اور میری عبادت کی راہ میں۔ (تفسیر منیر: 538/2) 3- وَأُخْرٍ جُؤَامِنٍ دِيَارِهِمْ ”اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے“ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ہجرت کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اجر دے گا ہم میں سے بعض تو اپنی محنت کا پھل کھائے بغیر دنیا سے چل بسے۔ (فتوحات اور غنائم کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا) ان میں سے ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں وہ غزوہ احد 3ھ میں شہید ہوئے ان کو کفن پہنانے کے لیے ہمیں کوئی کپڑا نہ ملا سوائے ایک دھاری دار چادر کے۔ اس چادر سے جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور جب اسے ان کے پاؤں پر ڈالتے تو ان کا سر کھلا رہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان کے سر کو ڈھانپنے کا حکم دیا اور پاؤں پر خوشبودار گھاس ڈالنے کا حکم دیا اور ہم میں سے بعض لوگوں کے پھل (دنیا میں) پک گئے اور وہ اسے کاٹنے لگے۔ (بخاری کتاب الجنائز) 4۔ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي ” اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے، ”سبیل سے مراد مدینہ حق۔ 5۔ اس سے مراد کہ جو اذیت انہیں مشرکوں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب ملی اور انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے شریعت بھیجی۔ (تفسیر فتح القدر: 1/525) 6۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ڈرایا اور ستایا گیا ہوں۔ میری طرح نہ کسی کو ڈرایا گیا ہے اور نہ ستایا گیا ہے۔ مجھ پر مسلسل تیس دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ اس عرصہ میں میرے اور بلال کے لیے ایسی خوراک نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس تھوڑی سی چیز کے جو بلال نے اپنے بغل میں چھپا رکھی تھی۔“ (ترمذی) 7۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا: خباب میرے قریب بیٹھو اس جگہ پر بیٹھنے کے لیے تم سے زیادہ حقدار کوئی نہیں ہے سوائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ کے وہ نشان دکھائے جو مشرکین مکہ کے تشدد اور تعذیب کا نتیجہ تھے۔ (ابن ماجہ: فضائل خباب) 8۔ ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی انگلی خون آلود ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو ہے کیا؟“ صرف انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہو گئی ہے۔ اور یہ زخم تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوا ہے۔“ (بخاری: کتاب الجہاد) 9۔ قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے کہتے سنا ہے کہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اور اپنی بہن (فاطمہ) کو اسلام لانے کی وجہ سے رسیوں سے باندھ رکھا تھا جبکہ وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔“ (بخاری)

10۔ وَ قَاتَلُوا وَقَاتِلُوا ” اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے، ”سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”کہ جس مسلمان آدمی نے اللہ کی راہ میں اتنی دیر تک قتل کیا جتنی دیر اونٹنی کا دودھ دودھ بننے میں لگتی ہے، اس پر جنت واجب ہو گئی ہے۔“ (ترمذی) 11۔ لَا تَقْرَبُوا عَنَاقِبَهُمْ سَبِيلًا ” تو یقیناً میں ضروران کی برائیاں ان سے دور کروں گا، ” جو اسلام کی عائد کردہ جان و مال کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ 12۔ وَلَا تَدْرِكُهُمْ جُنُودٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ” اور یقیناً میں

ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“

سوال 9: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ غَدَابَاتٌ عُذْبٌ﴾ ”اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن ثواب کیا ہے؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔“ 1- برائیاں دور کرنا۔ 2- جنت میں داخل کرنا۔ 3- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نیکی کے معاملہ میں مومن کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا، اس کو اس نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی اور کافر جو نیکیاں اللہ کے لیے کرتا ہے اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں پورا پورا دے دیا جاتا ہے، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوگی کہ جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔ (مسلم: 7089)

لَا يَعْزُبُ عَنْكَ تَقَلُّبُ الْأَنْبِيَاءِ فِي الْبِلَادِ (196)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے۔ (196)

سوال 1: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْكَ تَقَلُّبُ الْأَنْبِيَاءِ فِي الْبِلَادِ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے“ شہروں میں چلنے پھرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔

سوال 2: تجارتی سفر کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں؟

جواب: تجارتی سفر وسائل کی فراوانی کے لئے ہوتے ہیں۔

سوال 3: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْكَ تَقَلُّبُ الْأَنْبِيَاءِ فِي الْبِلَادِ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- کافروں کی دولت مندی اور سیاسی قوت ایمان والوں کو دھوکے میں نہ ڈالے۔

2- مسلمان جب مشکل معاشی حالات، محرومیوں، اذیتوں، جلا وطنی، تکالیف اور خوفناک حالات میں ہوں تو کافروں کے حالات مسلمانوں کو کھٹک سکتے ہیں۔ ان کے دل میں کسک پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے۔

سوال 4: مسلمان کو دنیا کے ساز و سامان کو کتنی اہمیت دینی چاہیے؟
جواب: دنیا کا ساز و سامان جتنا دنیا کے لیے ضروری ہے اسی قدر مسلمان کو لینا چاہیے۔ اس ساز و سامان کو اپنے لیے فتنہ نہیں بنانا چاہیے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْوَمَاةٌ (197)

بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی بُرا بچھونا ہے۔ (197)

سوال 1: مَتَاعٌ قَلِيلٌ ”بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے“ متاعِ قلیل سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے“ 1۔ اس سے مراد دنیا کی دولت ہے جو چند روزہ زندگی کا ختم ہونے والا سامان ہے۔ 2۔ اِنْسُ الْوَالِدِ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں، پس تو انصار و مہاجرین میں صلاح کو باقی رکھ۔“ (صحیح بخاری: 6413) 3۔ صحیحین کی روایت ہے کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر لیٹے دیکھا، ان کے پہلو پر چٹائی کا نشان دیکھ کر رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رورہے ہو؟ سیدنا عمر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کسری اور قصیر تو عیش کی زندگی گزاریں اور اللہ کے رسول کا یہ حال ہو! تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔ (صحیح بخاری: 5191)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دنیا میں کھوجانے سے کیسے بچایا ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو انجام پر نظر میں مرکوز رکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایمان سے محروم ہو کر جہنم کا عذاب ہے جس میں مال دار کا فراورد دنیا کے دھوکے میں مبتلا افراد داخل کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومن میں بھی اسی مضمون کو واضح فرمایا ہے: مَآءِجَآءٍ فِي آيَاتِ اللّٰهِ اَلَا لِيُنذِرَ الْكَافِرَ وَاَقْلَابُ الْغٰمِرَاتِ تَتَّقُلْنَهُمْ فِي الْاَيٰتِ اللّٰهِ تَعَالٰى كِي آيَاتِ مِّنْ نَّبِئِمْ يَجْعَلُوْنَ كَرْتًا لِّمَنْ كَفَرَ يٰۤاٰمَنُوْنَ ۗ تُوۡرٰٓتِ لُوۡكٍ جَنۡبُوۡنٍ لِّمَنۡ كَفَرَ يٰۤاٰمَنُوۡنَ ۗ تُوۡرٰٓتِ لُوۡكٍ جَنۡبُوۡنٍ لِّمَنۡ كَفَرَ يٰۤاٰمَنُوۡنَ ۗ تُوۡرٰٓتِ لُوۡكٍ جَنۡبُوۡنٍ لِّمَنۡ كَفَرَ يٰۤاٰمَنُوۡنَ ۗ (المومن: 4)

2۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والے منتقوں کو اپنی مہمان نوازی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے۔

سوال 3: ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْوَمَاةٌ ”پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی بُرا بچھونا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: دوزخ کے باب میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے صحیحین کی روایت ہے کہ کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ آگ کی

جو تیاں ان کم عذاب والے دوزخیوں کے پاؤں میں پہنا دی جائیں گی۔ جن سے ان کا بھیجا کھولنے لگے گا۔ جس طرح دیگ میں پکتے وقت کوئی چیز کھولنے لگی ہے۔ (صحیح بخاری 2/971)

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ حَيَاتٌ لَّيْلًا بَرَّاسًا (198)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے، ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میزبانی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ (198)

سوال 1: لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ ”لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”لیکن وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے“ ان کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں۔ رب کا ڈر ہی انسانوں کو گناہوں سے، غلطیوں سے، غلط رویوں سے روکتا ہے۔ رب کا ڈر ہی انسان سے رب کی رضا کے کام کرواتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رب سے ڈرے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں۔

سوال 2: لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ”ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی“ تقویٰ کی جزا کیا ہے؟

جواب: 1- جنت۔ 2- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے گمان و خیال میں وہ آئی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو کہ ”سو کسی کو نہیں معلوم جو جو سامان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لیے جنت میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔“ (بخاری: 4780)

سوال 3: خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ ”اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میزبانی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اگر یہ مقدر کر لیا جائے کہ انہیں دنیا میں ہر قسم کی تکلیف، شدت، عناد اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو یہ جنت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں، کدورتوں سے سلامت زندگی، بے پایاں مسرت، خوشی اور تروتازگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر سعری)

2- مومنوں کی آخرت کی کامیابی کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت ہے۔

سوال 4: نُزُلًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ ”یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے میزبانی ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: نُزِّلَا: اس کے معنی ثواب کے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ نُزِّلَا اسم مفعول کے معنوں میں ہو یعنی اللہ کی طرف سے اتارا گیا جیسے کہتے ہیں انزالہ میں نے اس کو اتارا۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سوال 5: وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَّذَابِرِمْ اِمْ اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: 1- ابروہ لوگ ہیں؟ جن کے دل پاک اور اطاعت گزار ہوں اور ان کے اقوال و افعال بھی نیک ہوں۔

(تفسیر سعدی) 2- بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر لیٹے دیکھا تو ان کے پہلو پر چٹائی کا نشان دیکھ کر رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیوں رورہے ہو؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قیصر و کسریٰ تو عیش کی زندگی گزاریں اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ حال ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔

سوال 6: وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَّذَابِرِمْ اِمْ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- دنیا کے سامان اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ نیک لوگوں کے لیے ہے اگر اس کا موازنہ کرنا چاہیں تو دل سے شک نکل جاتا ہے۔ یقین آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا بہت بڑی ہے۔ 2- انسان کفر کے نتیجے اور تقویٰ کے انجام پر غور کر کے نیکی کے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشَعَتِ لَهُمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَلَا يُسْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
شَمًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (199)

اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے، یہی لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (199)
سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: امام نسائی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب شاہ حبش نجاشی رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر آئی تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ان پر نماز پڑھو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ایک عبد حبشی کی

نماز پڑھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ابن جریر نے جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ (ابن ابی حاتم: 846/3) سوال: 2- وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ كَيْفًا قَبِيلًا“ اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے،“ اہل کتاب میں سے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے اجر کے مستحق ٹھہریں گے؟

جواب: 1- جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ 2- جو پہلی الہامی کتابوں تورات اور انجیل کے ساتھ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ ابو بردہ بیان کرتے ہیں انہوں نے اپنے والد (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”تین طرح کے آدمی ایسے ہیں جنہیں دو گناہ ثواب ملتا ہے۔ اول وہ شخص جس کی کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اسے تعلیم دینے میں اچھا طریقہ اختیار کرے اسے ادب سکھائے اور اس میں سے اچھے طریقے سے کام لے پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اسے دہرا اجر ملے گا، دوسرا وہ مومن جو اہل کتاب میں سے ہو کہ پہلے (اپنے نبی پر) ایمان لایا تھا پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لایا تو اسے بھی دہرا اجر ملے گا، تیسرا وہ غلام جو اپنے مالک کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتا ہے اور اپنے آقا کے ساتھ بھی بھلائی کرتا ہے“ اس کے بعد شعی (راوی حدیث) نے کہا میں نے تمہیں یہ حدیث بلا کسی محنت و مشقت کے دے دی ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب اس سے بھی کم حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ (بخاری: 3011) 3- جو اللہ تعالیٰ کے آگے خشوع کرنے والے ہیں۔ 4- جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے۔

سوال: 3- وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ“ اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور اس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے“ 1- یعنی اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بھلائی کی توفیق عطا کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کی گئی اور یہی وہ ایمان ہے جو نفع پہنچاتا ہے۔ اور اس شخص کے ایمان کی مانند نہیں جو بعض رسولوں اور کتابوں پر ایمان لاتا ہے اور بعض کو جھٹلاتا ہے۔ (تفسیر السعدی) 2- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآتَوْا بِالْحَقِّ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآتَوْا بِالْحَقِّ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآتَوْا بِالْحَقِّ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآتَوْا بِالْحَقِّ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (52) وَإِذَا بَشُلْ عَلَيْهِمْ قَالُوا الْمَنَاقِبُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ (53) أُولَٰئِكَ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (52)

يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَإِنَّ مَعَهُنَّ الْعُقُوبَةَ وَالْحَسَنَةَ السَّيِّئَةَ وَبِمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (54) جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ اُنہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے ہیں، یقیناً ہمارے رب کی جناب سے وہ حق ہے، یقیناً ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبردار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان میں اُن کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا اس کے بدلے جو انہوں نے صبر کیا، اور وہ بُرائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (التقص: 54:52)

سوال 4: لُحُشِ عَيْنِ اللَّهِ ”وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کے آگے خشوع کرنے والے، عاجزی کا سوال کرنے والے۔ خشوع وہ کیفیت ہے جو کسی عظیم ہستی کی عظمت کے احساس سے انسان کے دل اور اس کے اعضاء پر طاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کیفیت انسان کے دل میں تب پیدا ہوتی ہے جب وہ کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پالیتا ہے۔ 2- امام احمد نے ہجرت حبشہ سے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں آیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب نے جب نجاشی کے سامنے سورۃ مریم کی تلاوت کی، تو وہ اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دیگر علمائے نصاریٰ اس طرح روئے کہ آنسو سے ان کی داڑھیاں بھگ گئیں۔ (تیسیر الرحمن: 233) 3 بنا بریں چونکہ ان کا ایمان عام اور حقیقت پر مبنی ہے اس لیے یہ نفع پہنچانے والا ہے، یہ ایمان ان کے دلوں میں خشیت الہی اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے اور اس کی مقرر کردہ حدود پر رک جانے کا موجب ہے اور یہی لوگ درحقیقت اہل کتاب اور اہل علم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يَشَى اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ (فاطر: 28) (تفسیر سعدی)

سوال 5: لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ”اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے“ آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے“ 1- اس سے مراد یہودی علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپا کر لوگوں کی مرضی کے فیصلے کرتے اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ 2- یہ صفات یہود میں بہت کم تھی۔ علمائے یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ان صفات کے حامل چند لوگ تھے اور ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی البتہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ (عجوة القرآن)

سوال 6: آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والے کس چیز سے محروم ہو جاتے ہیں؟

جواب: آیات کو تھوڑی قیمت پر بیچنے والے ایمان اور تقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔

سوال 7: أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ” یہی لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: اہل کتاب میں سے جو ایمان رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں خریدتے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (200)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (200)

سوال 1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ” اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور مقابلے میں جمے رہو اور مورچوں میں ڈٹے رہو، ایمان والوں کو سورت کے اختتام پر کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب: 1- صبر کرو۔ 2- اللہ تعالیٰ کے دین اور مسلمانوں کے دفاع کے لئے مورچہ بند رہو۔ 3- حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، جہاد کے لیے تیار رہو۔ 4- ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

سوال 2: اصْبِرُوا ” صبر کرو، ” کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں صبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1- سعید بن جبیر نے کہا صبر سے مراد فرائض پر صبر ہے۔ 2- قنادر نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق پر صبر ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرنا۔ 4- شہوتوں کو ترک کرنے میں اپنے نفس کو ثابت قدم رکھنا۔

سوال 3: دعوتِ اسلامی کے میدان میں صبر کے مواقع کون کون سے ہیں؟

جواب: 1- خواہشات پر صبر۔ 2- لالچ اور حرص پر صبر۔ 3- رغبتوں پر صبر۔ 4- آرزوؤں پر صبر۔ 5- اپنی کمزوری اور نقص پر صبر۔ 6- افسردگی پر صبر۔ 7- نفس کی جلد بازی پر صبر۔ 8- لوگوں کی خواہشات پر صبر۔ 9- لوگوں کی کمزوری پر صبر۔

10- لوگوں کی جہالت اور بُری سوچ پر صبر۔ 11- لوگوں کے مزاج بدلنے پر صبر۔ 12- لوگوں کے غرور پر صبر۔ 13- لوگوں کی

چال باز یوں پر صبر۔ 14۔ لوگوں کی جلد باز یوں پر صبر۔ 15۔ باطل کے غرور پر صبر۔ 16۔ کفر کی گندگی پر صبر۔ 17۔ برائی کے پھلنے پھولنے پر صبر۔ 18۔ مددگاروں کی کمی پر صبر۔ 19۔ کرب اور بے چینی میں شیطان کے ڈالے گئے وسوسوں پر صبر۔ 20۔ غم اور تھکاوٹ پر صبر۔ 21۔ دل کی تنگی اور گھٹن پر صبر۔

سوال 4: صابِرٌ ذَا سے کیا مراد ہے؟

جواب: جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا۔ یہی مصابِرَةٌ ہے۔

سوال 5: صابِرٌ ذَا کا الگ ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب 1: صابِرٌ ذَا کا الگ ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ 2۔ مصابرت جنگ کی مصیبتوں پر صبر۔ (تفسیر فتح القدر: 1/526)

سوال 6: وَرَبَّاطٌ سے کیا مراد ہے؟

جواب 1: قیادہ نے کہا اللہ کے راستے میں مورچوں پر ڈٹے رہنا۔ (تفسیر جامع البیان: 4/229) اس سے مراد ہے جنگ کے میدان میں ہر وقت چوکنا رہنا اور جہاد کے لئے تیار رہنا ہے۔ یہی مرابطہ ہے۔ 2۔ ناگواری کے حالات میں مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (مسلم) 3۔ غزوہ احد میں بعض مسلمانوں نے اس مورچے کو چھوڑ دیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کو متعین کیا تھا، چونکہ ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے آخر میں پھر اسی بات پر زور دیا کہ مورچوں پر جیسے رہا کرو، آئندہ کبھی مورچوں کو نہ چھوڑنا۔ وہیں رہ کر دشمن کے حملے کو روکو۔ میدان جنگ اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ (دعوة القرآن) 4۔ وَرَبَّاطٌ الْحَيْلُ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ قُوت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو۔ تم اس سے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں اور ان دشمنوں کو خوف زدہ کرتے ہو۔ (سورة الانفال: 60) 5۔ مرابطہ سے مراد: اس مقام پر جیسے رہنا جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو۔ نیز یہ کہ اہل ایمان دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور ان کو اپنا مقصد حاصل نہ کرنے دیں شاید فلاح پالیں یعنی دینی اور دنیاوی اور اخروی محبوب شے کے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو جائیں اور اسی طرح سے ناپسندیدہ چیزوں سے نجات پالیں۔ (تفسیر السعدی) 6۔ سیدنا سہیل بن سعد ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں ایک دن (سرحدوں پر) پہرا دینا اور جو کچھ دنیا میں موجود ہے اس سب سے بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری)

(2892: 7) سہل نے بیان کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو تھوڑا سا چلنا بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری: 6415) 8۔ سیدنا فضالہ بن عبید اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے عمل کو ختم کر دیا جاتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہوا، اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ (ابوداؤد: 2500) 9۔ سیدنا سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات پہرہ دینا ایک مہینے کے صیام و قیام سے بہتر ہے اور اگر اس حالت میں مجاہد فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو عمل وہ کیا کرتا تھا اور اس کے مطابق اس کا رزق بھی جاری رہے گا، نیز وہ آزمائش سے بھی محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم: 4938) 10۔ ”ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھیں ان کو کبھی دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات کاٹی۔“ (ترمذی: 1639) 11۔ سیدنا ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”درہم و دینار اور چادر کا بندہ ہلاک ہو جائے کہ اگر اسے دیا جائے تو وہ خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہو۔ (ایسا شخص) ہلاک ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور اگر اس کو کناٹا چھب جائے تو کوئی نہ نکالے۔ خوشخبری ہو اس بندے کو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کی لگام ہر وقت اپنے ہاتھ میں لیے رہے، اس کا سر غبار آلود ہو، اس کے دونوں پیر غبار آلود ہوں اگر اس سے کہا جائے کہ پہرہ دے تو وہ پہرہ دے اور اگر لشکر کے پیچھے حفاظت کے لیے مقرر ہو تو لشکر کے پیچھے رہے۔ (غرض جو حکم ملے اس کی تعمیل کرے اور غریبی کی وجہ سے دنیا کے لوگوں میں اس کی قدر و منزلت بالکل نہ ہوتی کہ) اگر وہ (کسی کے پاس جانے کی) اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ ملے اور اگر وہ (کسی کی) سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے“ (بخاری: 2887) 12۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسے اعمال نہ بتلاؤں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹادے اور درجے بلند فرمادے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”ضرور، کیوں نہیں، یا رسول اللہ ﷺ!“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گرانی اور ناگواری کے باوجود کامل طریقے سے وضو کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ قدم چلانا (یعنی دور سے آنا) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ پس یہ (اجر و ثواب میں) سرحد پر مورچہ زن رہنے (کی طرح ہی) ہے۔“ (مسلم: 587)

سوال 7: آج کی صورت حال میں جبکہ جنگ محاذ سے زیادہ ذہنی اور قلبی سرزمین پر لڑی جا رہی ہے، ”وَمَا يَطْمَئِنُّ الْقَلْبُ“ کا اطلاق کہاں ہوگا؟

جواب: 1- نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے لیے ذرائع ابلاغ کی جنگ دشمن سے بھی زیادہ قوت سے لڑی جائے۔ 2- اسلام کو اس کی اصل صورت کے ساتھ نئی نسلوں تک پہنچایا جائے۔ 3- اسلام پر لگائے گئے الزامات کی حقیقت سے پوری دنیا کو آگاہ کیا جائے۔ 4- جہاد جاری رکھا جائے۔

سوال 8: رباط کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا سہل بن سعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں دشمن سے ملی ہوئی سرحد پر ایک دن کا پہرہ دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر ہے۔ (بخاری: 2892)

سوال 9: اللہ تعالیٰ نے فلاح کے لئے کون کون سے اعمال انجام دینے کا حکم دیا ہے؟

جواب: 1- صبر 2- مصابرت 3- رباط 4- تقویٰ

سوال 10: ”وَاتَّقُوا اللَّهَ“ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ“ 1- اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ اور اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرو۔ (تفسیر فتح القدیر: 527/1)

2 سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو۔“ (ترمذی: 1987)

سوال 11: ”وَاتَّقُوا اللَّهَ“ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ، تقویٰ انسان کو کہاں کہاں کامیاب کرواتا ہے؟

جواب: 1- تقویٰ نفس پر کامیاب کرواتا ہے۔ 2- تقویٰ بڑے اخلاق پر کامیاب کرواتا ہے۔ 3- تقویٰ دینی ضروریات کے لیے مالی حرص پر کامیابی عطا کرتا ہے۔ 4- تقویٰ زندگی پر حکومت کرتا ہے۔ 5- تقویٰ دل کے دروازے پر بیٹھتا ہے۔ غافل نہیں ہونے دیتا۔ کمزور نہیں پڑنے دیتا۔ حد سے گزرنے نہیں دیتا۔ راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ 6- تقویٰ شدید دباؤ میں بھی انسان کو حق پر قائم رکھتا ہے۔

سوال 12: ”لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف صبر، صبر پر دوام اور دشمن سے ہوشیار رہنا ہی فلاح کا راستہ ہے۔ جس کسی نے فلاح پائی تو اسی راستہ پر چل کر فلاح پائی اور جو کوئی اس فلاح سے محروم ہوا تو ان تمام امور کو یا ان میں سے بعض کو ترک کر کے

دوام ہوا۔ (تفسیر السعدی)

سورہ النساء

سوال 1: سورہ نساء کب نازل ہوئی اور اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: سورہ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں 176 آیات اور 24 رکوع ہیں یہ قرآن کریم میں چوتھے نمبر پر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 92 نمبر پر نازل ہوئی۔

سوال 2: سورہ نساء کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: 1- ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے سورہ نساء کی پانچ آیات دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔ 1- اِنْ تَجِدُوْا كَافًا بِرَ مَا تُهَوِّنُ عَنْهُ نَكَحُوْا مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدِّخِلْكُمْ مُدْخَلَ كَرِيْمًا (النساء: 31) 2- وَاِنْ تَكَ حَسَنَةً فُضِعْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) 3- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء: 48) 4- وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ لَمْ يَكُنْ يَشْعُرْ اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (النساء: 110) 5- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَاَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اٰحِبِّ وَاٰوِيْلِكَمْ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (النساء: 152) (فتح القدير: 529/1)

2- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے سات آیات لے لیں وہ عالم ہے (بہتی)

3- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس امت کے لیے نساء کی آٹھ آیتیں ان تمام چیزوں سے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے سے بہتر ہیں ان میں پانچ تو مذکورہ آیات ہیں اور تین آیات 1- يٰرَبِّدَا اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ 2- وَاللّٰهُ يُّرِيْدُ اَنْ يُثَوِّبَ عَلَيْكُمْ 3- يٰرَبِّدَا اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَلَيْكُمْ (ابن جریر)

3- ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھ سے سورہ نساء کے بارے میں پوچھو میں نے بچپن میں قرآن پڑھ لیا تھا (حاکم)

رکوع نمبر 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا

وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (1)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کو بگاڑنے) سے بھی ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے۔ (1)

سوال 1- يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا" کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اس آیت میں تقویٰ کا حکم ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔ 2- اتَّقُوا رَبَّكُمُ "اپنے رب سے ڈرو" یعنی جس چیز کا اس نے حکم دیا اور جس چیز سے روکا اس کی مخالفت سے ڈریں۔ (تفسیر قاسمی: 6/5) 3- وَمِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ "ایک جان سے" ایک جان سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔ (جامع البیان: 4/233) 4- اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں عدم سے وجود عطا کیا اور تمہاری جو دو کرم سے پرورش کی اور یاد کرو اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور تمہیں تعاون کی مصلحت سے جوڑے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرو۔ (تفسیر مراغی: 145/2)

سوال 2: وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا "اور اُسی سے اس کی بیوی پیدا کی" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے سیدنا حوا کو پیدا کیا گیا اور پھر ان سے نسلِ انسانی کو چلایا۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۗ أُوْرَأْسِ كِي نَشَانِيُوں ميں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن سے سکون حاصل کر سکو اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی (روم: 21)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چونکہ عورت مرد سے پیدا ہوئی اس لیے اس کی رغبت مرد کی طرف ہوتی ہے اور مردٹی سے بنا ہے اس لیے اس کی رغبت زمین کی طرف ہوتی ہے اس لیے تم اپنی عورتوں کو روک کے رکھو۔ (ابن ابی حاتم)

سوال 3: وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً "اور اُسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے" کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے سیدنا حوا کو پیدا کیا گیا اور پھر ان سے نسلِ انسانی کو چلایا۔ (روم: 21) 1- رحمت عالم ﷺ نے

سوال 6: تمام انسانوں کے درمیان ایک رشتہ ہے، ان کا ایک نسب ہے اس حقیقت کو پالینے سے انسانی معاشرے کی کون کون سی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں؟

جواب: 1- اس حقیقت کو پالینے سے فرقہ بندیوں، ذات برداری کی پابندیاں اور رنگ و نسل کی حد بندیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ یہ سارے اختلافات اس لیے ہیں کہ انسان نے دو باتیں بھلا دی ہیں: i- اپنا اصلی شجرہ نسب ii- اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا احساس

2- اس حقیقت کو پالینے سے طبقاتی کشمکش ختم ہو سکتی ہے۔ وہ کشمکش جو مال کی بنیاد پر ہے جیسے سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش، یا مخصوص خاندان میں پیدائش کی بنیاد پر ہے جیسے برہمن اور شودر کی کشمکش یا علاقے کی بنیاد پر ہے جیسے امریکی، یورپین اور دوسری ساری انسانیت کے مابین کشمکش، یا زبان کی بنیاد پر ہے جیسے اردو، سندھی یا انگریزی بولنے والوں کے درمیان کشمکش ہے۔ 3- اگر انسان اس حقیقت کو پالے تو مرد اور عورت کے درمیان جو فرق رکھا گیا، جو تصورات قائم کئے گئے ان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ انسانوں نے عورت کو انسانی حقوق سے محروم رکھا۔ کبھی اسے گناہوں کی گتھڑی ثابت کیا گیا، کبھی تمام فتنہ و فساد کی جڑ قرار دیا گیا اور آج عورت کو شہزبے مہار بنا دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اصل حیثیت بھول گئی ہے۔ 4- مرد اور عورت دونوں علیحدہ وجود رکھنے کے باوجود مکمل شخصیات نہیں ہیں۔ وہ جوڑا ہیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ 5- معاشرتی زندگی کا ابتدائی یونٹ خاندان ہے۔ خاندان کی مضبوطی میں ہی انسانیت کی نجات ہے۔ خاندان ٹوٹے گا تو انسان بکھر جائیں گے۔ خاندانی نظام میں مرد اور عورت کی صلاحیتوں کا ادراک درست انداز میں نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے معاشرہ تباہی کا شکار ہے۔ اسلام نے مرد کو معاشی طور پر کفیل بنایا ہے اور عورت کو گھر اور بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری دی ہے۔ آج عورت پر دوہری ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا تو خاندان تباہی کا شکار ہے۔ بچے بے راہ رہ رہے ہیں، رشتے ٹوٹ رہے ہیں، طلاقوں کی شرح بڑھ رہی ہے، خاندان ٹوٹ رہا ہے۔ اگر انسانیت اس حقیقت کا ادراک کر لے کہ مرد اور عورت کی صلاحیتیں مختلف ہیں لہذا ان کا دائرہ کار بھی مختلف ہونا چاہیے تو زندگی بھی اور خاندان بھی اپنی فطرت پر قائم ہو سکتا ہے۔

6- انسانی رابطوں سے پہلے ایک اللہ تعالیٰ کا تعلق آتا ہے۔ اگر خاندان جو ایک مرد اور ایک عورت سے بنا ہے، اللہ تعالیٰ کے رابطے کو کاٹتا ہے تو آپس کا رابطہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس لیے رابطوں کی ترتیب کا ادراک ہونا چاہیے۔

سوال 7: وَإِنَّكُمۡ لِللّٰهِ اَلۡنٰبِیُّۡنَ تَسۡۡۡۡءَلُوۡنَہٗ وَاِلٰہَۡمۡ حٰلَہٗمۡ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کو بگاڑنے) سے بھی ڈرو، کی وضاحت کریں؟

رشتے میں جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اس کے حق کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 8: رشتہ و قرابت کے تعلقات کیسے بگڑتے ہیں؟

- جواب: 1- خود غرضی سے تعلق بگڑتا ہے۔ انسان اپنا مفاد چاہے اور دوسروں کی پرواہ نہ کرے۔
 2- توقعات رکھنے سے کہ کوئی ہمارا کھانا کرے، کوئی فون کرے، کوئی گھر بلائے، کوئی تخائف دے، کوئی خوشی اور غم کا خیال رکھے۔ 3- خود اپنی ذمہ داریاں محسوس نہ کرنے سے۔ 4- لاپرواہی کا مظاہرہ کرنے سے۔
 5- غلط تذکرے مثلاً غیبتیں کرنے سے تعلق بگڑتا ہے جس کی غیبت کی ہے۔
 6- گلے شکوے کرنے سے مثلاً جب کبھی کوئی دوسرا care لے کرے، ملاقات کے لیے آئے تو یہ کہنا کہ آپ کو کیسے ہمارا خیال آگیا؟ آنے والے کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ جب آؤں میں ہی آؤں اور ہر دفعہ ان سے یہی بات سنوں۔ 7- دُکھ سکھ میں شریک نہ ہونے سے۔ 8- غلط رسومات کے بندھنوں کی وجہ سے۔ 9- کسی قسم کی ضرورت میں مدد نہ کرنے سے۔
 10- مالی مدد کے مستحق ہوں اور مدد نہ کرنے سے۔ 11- تعلقات میں بے حس بن جانے سے۔ 12- دوسروں کے حقوق کا احساس نہ کرنے سے۔ 13- دوسروں پر ظلم کرنے سے۔ 14- رشتے میں اذیت دینے سے۔ 15- رشتہ داروں کے جذبات مجروح کرنے سے۔ 16- رشتوں کا احترام نہ کرنے سے۔ 17- رشتہ داروں کو محبت نہ دینے سے۔ 18- رشتہ داروں کے حقوق تلف کرنے سے۔

سوال 9: رشتہ و قرابت کے تعلقات کو کیسے بحال کیا جائے؟

- جواب: 1- سیدنا اُم کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو قطع رحمی کرنے والے رشتہ دار کو دیا جائے“ (ابن خزیمہ)۔ 2- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تجھ محروم رکھتا ہے تو اسے دے، جو تجھے سے قطع رحمی کرتا ہے تو اس سے صلہ رحمی کر، جو تجھ پر ظلم کرتا ہے تو اسے معاف کر۔ جب تو یہ کام کرے گا اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا۔ (بزار، حاکم)۔ 3- آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جا رہا ہو تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری: 5991)
- سوال 10: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کون ہے؟

جواب: 1- جو انسانوں کے حقوق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ 2- جو اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے لیے بندوں سے تعلق کو جوڑے۔ 3- جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا ثبوت انسانوں سے محبت کر کے دے۔

سوال 11: اللہ تعالیٰ کے ڈر کا سب سے سخت امتحان کس معاملے میں ہوتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کے ڈر کا سخت امتحان کمزور لوگوں کے معاملے میں ہوتا ہے۔ 2- یتیم لڑکے اور لڑکیاں کسی خاندان کا سب سے کمزور حصہ ہوتے ہیں اس لیے سب سے کڑا امتحان ان کے معاملات کے حوالے سے ہوتا ہے۔

سوال 12: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمٌ بِرَبِّيَّيْنِؑ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے“ 1- اللہ تعالیٰ سب کے احوال و اعمال کی نگرانی کرنے والا ہے۔ الرقیب کے معنوں میں حفاظت اور علم آتے ہیں۔ (الاساس فی التفسیر: 985/2) 2- اللہ تعالیٰ انسان کے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے، اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی اس طرح گزارے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ثبت ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے تمام اعمال اس کی نگاہ میں ہیں۔ (تیسیر الرحمن) 3- سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں درج ذیل خطبہ حاجت سکھایا: بے شک حمد اللہ ہی کے لیے ہے ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں ”اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقیناً جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“ (نساء: 1) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو اللہ سے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اس کے مطیع و فرمانبردار ہو۔“ (آل عمران: 102) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی بات کہو اس طرح وہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا، تمہارے گناہ معاف کر دے گا، جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“ (احزاب: 70-71) (سنن ابوداؤد: 1860) 4- جب حضری چادروں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا کی اور یہی آیت اور سورہ حشر کی آیت (18) پڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ

ہو جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ 3۔ ابوداؤد نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلوغت کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔“ 4۔ آیت میں ”یتیموں“ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو ابھی ابھی سن بلوغت کو پہنچے ہوں اور ان پر ہوشمندی کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اولیاء اور اوصیاء کو حکم دیا ہے کہ ان کا مال انہیں دینے میں ٹال مٹول نہ کریں۔ (تیسیر الرحمن) 5۔ یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ 6۔ یتیم جب بالغ ہو جائیں تو کمی اور خیانت کے بغیر انہیں ان کا پورا پورا مال دے دو یتیموں کا مال اپنے مال میں ملانے کی کوشش نہ کرو۔ حلال روزی کے ساتھ حرام کو نہ ملا دو۔

سوال 3: وَلَا تَتَّبِعُوا الْأَعْيُنَ بِالْأَبْصَارِ ”اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلو“ 1۔ دور جاہلیت میں یتیموں کا مال لینے کو لوگ حرج نہیں سمجھتے تھے وہ طیب مال لے لیتے تھے اور ردی چھوڑ دیتے تھے یعنی ان کا تبادلہ کر لیتے تھے اور کہتے تھے نام کی جگہ نام، راس کی جگہ راس تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عمل سے روک دیا۔ (قرطبی: 9/13) 2۔ حرام خبیث ہے اور حلال طیب ہے۔ (ابو تفسیر: 238,239)

سوال 4: طیب (پاک اور حلال) چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز لینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مال جو اصل میں (طیب) پاک اور حلال ہے خیانت اور بدینتی سے وہ طیب نہیں رہتا بلکہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو جاتا ہے۔

2۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بدینتی سے یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا منع ہے۔

سوال 5: یتیم کے اچھے مال کے بدلے میں برا مال کیسے دیا جاتا ہے؟

جواب:

اپنے لئے	یتیم کے لئے
اچھی زمین	کم درجے کی زمین
اچھے جانور	کم درجے کے جانور
اچھی گاڑی	کم درجے کی گاڑی

کم درجے کا گھر	اچھا گھر
کم درجے کا بزنس	اچھا بزنس

سوال 5: یتیموں کے معاملے میں امتحان کہاں کہاں ہوتا ہے؟

جواب: 1- یتیم کا مال انہیں نہ دینا۔ 2- ان کے اچھے مال کے بدلے میں ہر مال دے دینا۔

3- یتیم لڑکیوں کے نکاح نہ ہونے دینا کہ کہیں ان کا مال کسی اور کے پاس نہ چلا جائے۔

4- یتیموں کی آزمائش کے بغیر ان کے مال انہیں دے دینا۔ قبل از وقت دے دینے سے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ

ہوتا ہے۔ 5- یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جانا۔

6- یتیم کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا۔ 7- یتیم اگر مال دار نہ ہو تو سلوک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا۔

سوال 6: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ” اور اُن کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ“ یتیم کا مال اپنے مال کے

ساتھ ملا کر کیسے کھایا جاتا ہے؟

جواب: یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر ایسے کھایا جاتا ہے کہ 1- بزنس اکٹھا کیا، خود نفع لے لیا اور اس کے حصے میں نقصان

ڈال دیا۔ 2- مجاہد کا قول ہے کہ تم ان کے اور اپنے مال اکٹھے نہ کرو کہ سبھی کچھ کھا جاؤ۔ (جامع البیان: 240/4)

3- اس آیت کریمہ میں یتیم کی سرپرستی کی دلیل ہے۔ کیونکہ یتیم کو اس کا مال حوالے کرنے والے کے سرپرستی ثابت ہوتی

ہے۔ اس میں اس بات کا بھی حکم ہے کہ یتیم کے مال کی اصلاح کی جائے کیونکہ یتیم کو اس کا پورا مال حوالے کرنے کے حکم

میں از خود یہ بات آجاتی ہے کہ اس مال کی حفاظت کی جائے اور اس کی اصلاح اور نشوونما کا انتظام کیا جائے اور اس کو تلف ہونے

کے خطرات سے بچایا جائے۔ (تفسیر سعدی: 469/1) 4- سیدنا اسہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیان انگلی کو باہم

ملا یا۔“ (بخاری: 6005) 5- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”مسلمانوں کے گھروں میں

سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کا سب سے بدتر گھر وہ

ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔“ (ابن ماجہ: 3679) 6- سیدنا ابو شریح بن عمرو

عروہ بن زبیر نے خبر دی، انہوں نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیت **وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَسْتِ** کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے کہا میرے بھانجے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک یتیم لڑکی اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور اس کی جائیداد کی حصہ دار ہو (ترکے کی رو سے اس کا حصہ ہو) اب اس ولی کو اس کی مالداری خوبصورتی پسند آئے اس سے نکاح کرنا چاہے پر انصاف کے ساتھ پورا مہر جتنا مہر اس کو دوسرے لوگ دیں نہ دینا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں کے ساتھ جب تک ان کا پورا مہر انصاف کے ساتھ نہ دیں نکاح کرنے سے منع فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ تم دوسری عورتوں سے جو تم کو بھلی لگیں نکاح کر لو۔ (یتیم لڑکی کا نقصان نہ کرو) عروہ نے کہا سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں اس آیت کے اترنے کے بعد لوگوں نے پھر آنسیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں مسئلہ پوچھا اس وقت اللہ نے یہ آیت **وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ** اتاری۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا دوسری آیت میں یہ جو فرمایا تو ترغیبوں ان تنکحوهن یعنی وہ یتیم لڑکیاں جن کا مال و جمال کم ہو اور تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم ان یتیم لڑکیوں سے جن کا مال و جمال کم ہو نکاح کرنا نہیں چاہتے تو مال اور جمال والی یتیم لڑکیوں سے بھی جن سے تم کو نکاح کرنے کی رغبت ہے نکاح نہ کرو مگر جب انصاف کے ساتھ ان کا مہر پورا ادا کرو۔ (صحیح بخاری: 4574)

سوال 2: **وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَسْتِ** ”اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب 1: یعنی اے یتیم بچیوں کے اولیاء! اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان یتیم بچیوں کے ساتھ نکاح کر کے ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کر سکو گے، یا تو مہر کم کر دو گے یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرو گے تو ان کے علاوہ غیر رشتے دار لڑکیوں سے شادی کر لو۔ (تیسیر الرحمن) 2۔ ابن عباس اور ابن جبیر نے کہا کہ جس طرح یہ کہا کہ اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو اسی طرح یہ کہا اگر تم عورتوں کے معاملے میں ڈرو وہ لوگ یتیموں کے بارے میں حرج محسوس کرتے تھے اور عورتوں کے بارے میں نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی: 10/3) 3۔ اگر کسی کے پاس یتیم بچی ہو اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہے مگر اسے پورا مہر نہ دے تو ایسی صورت میں تو ایسی صورت میں اس سے نکاح کرنے کو منع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی پسند کی دوسری عورت سے نکاح کر لو۔ 4۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس آیت کے اترنے کے بعد صحابہ نے اس سلسلے میں نبی ﷺ سے فتویٰ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت **وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ** اتاری۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا دوسری آیت

میں یہ جو فرمایا تو رغوبان ان تکوین سے بے مال وغیر جمال والی یتیم سے بے رغبتی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ اس یتیم سے بھی نکاح نہ کریں جس کی طرف وہ اسکے مال اور جمال کی وجہ سے راغب ہیں جب تک کہ مہر میں انصاف کو مد نظر نہ رکھیں کیونکہ جب بے مال والی یتیم سے بے رغبتی کرتے ہیں تو مال و جمال والی کو بھی چھوڑ دیں اور جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں۔ (مختصر ابن کثیر: 291/1: 5)۔ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ اس آیت ”اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو“ کا مفہوم کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: بھانجے ایہ یتیم بچی وہ تھی جو اپنے ولی کی تحویل میں ہوتی تھی۔ یہ ولی کے ساتھ مال میں شریک ہوتی تھی۔ اسے اس کے مال اور اس کی خوب صورتی میں دل چسپی ہوتی تھی۔ اس طرح اس کا ولی یہ چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ نکاح کر لے بغیر اس کے کہ اسے مہر ادا کرے اور اسے وہ حقوق دے جو اسے دوسرے دلچسپی رکھنے والے دینے کے لیے تیار ہوتے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء کو یہ حکم دیا کہ ان کے زیر کفالت یتیموں سے صرف اس صورت ہی میں نکاح کر سکتے ہیں جب ان کے ساتھ عدل کر سکیں۔ ان کو ان کے معیار کے مطابق مہر ادا کر سکیں۔ اگر وہ نہیں کر سکتے تو وہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ (بخاری: 4574)

سوال 3: فَانكِحُوا مِصْطَابَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثَلِي وَثَلْثِ وَرَبِيعٍ ”تو دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار کے ساتھ نکاح کرو“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب 1: ”تو دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار کے ساتھ نکاح کرو“ 1۔ لوگوں نے کہا (آیت میں) مَثَلِي وَثَلْثِ وَرَبِيعٍ سے مراد دو دو تین تین اور چار چار ہیں۔ اہل عرب رباع سے آگے اس وزن سے تجاوز نہیں کرتے۔ (بخاری کتاب النِّسَاءِ) 2۔ اسلام کے احکام فطرت انسانیہ کے موافق ہیں۔ انسانی خواہشوں کو اسلام نے ختم نہیں فرمایا بلکہ ان کی حدود مقرر فرمادی ہیں۔ (تفسیر انوار البیان: 617/1: 3)۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن نکاح میں چار عورتوں سے زیادہ کو جمع نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ کے علاوہ کسی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔ 4۔ نکاح کے لیے بہترین صفت دین ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”عورت سے چار صفات کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسن و جمال، اس کے حسب و نسب اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم دین دار عورت سے نکاح کرنے کی کوشش کرو“ (بخاری: 5090) 5۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لیے مناسب

یہ ہے کہ وہ نکاح سے قبل عورت کو منتخب کر لے۔ بلکہ شارح نے تو یہاں تک مباح کیا ہے کہ انسان جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے ایک نظر دیکھ لے تاکہ یہ نکاح بصیرت کی بنیاد پر ہو۔ (تفسیر سعدی) 6۔ علمائے امت نے چار سے زیادہ کی حرمت پر غیلان ثقفی کے واقعے سے استدلال کیا ہے جن کے پاس دس بیویاں تھیں۔ جب اسلام لائے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا کہ چار کے علاوہ باقی کو طلاق دے دو۔ اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسرا واقعہ نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے جن کے پاس اسلام لانے کے وقت پانچ بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ چار کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو۔ اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ تیسرا واقعہ قیس بن حارث اسدی کا ہے جن کے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ چوتھا واقعہ عمیر اسدی کا ہے جن کے پاس بھی آٹھ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن ماجہ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ امت کا اجماع اسی پر ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنا امت کے کسی فرد کے لیے جائز نہیں۔ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ یہاں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو بظاہر وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن صیغہ امر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مخاطب کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا حلال ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور آج تک ہر دور میں مسلمان اس کے قائل رہے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں۔ (تیسیر الرحمن) 7۔ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زیادہ بیویاں رکھنا حلال ہے، صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اور ہر دور کے مسلمان اس کے قائل ہیں۔

سوال 4: فَإِنْ حَفِظْتُمْ آلَاتِعِدْلُوا فَوَاحِدًا كَا” سوا اگر تم ڈرو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو، ایک ہی عورت کو نکاح میں رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: ”سوا اگر تم ڈرو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو“ 1۔ لاتعولوا سے مراد لاتمیلوا اور لاتعوروا یعنی کسی ایک کی طرف نہ جھکو۔ 2۔ ایک ہی عورت کو نکاح میں رکھنے میں عافیت ہے کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی وجہ سے انصاف کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ 3۔ یہ ایسی شرط ہے جس کا تعلق ہر آدمی کے دل سے ہے۔ اگر شادی کرنے والا جانتا ہے کہ وہ

انصاف نہیں کر سکے گا تو بہتر یہی ہے کہ ایک بیوی رکھے، اس کا تعلق تشریح اور قانون سازی سے نہیں ہے۔ (تیسیر الرحمن) 4
- اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ناگزیر ضرورت کے بغیر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا نہایت خطرناک ہے۔

سوال 5: ایک سے زیادہ بیویوں میں انصاف کرنا کیوں مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان کے دل کا میلان جس طرف زیادہ ہوتا ہے زندگی کی ضروریات کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی جانب ہوتی ہے۔ اس طرح انسان بیویوں کے درمیان انصاف کرنے میں ناکام ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم قرار پاتا ہے۔

سوال 6: اسلام نے ایک سے زائد بیویوں کی اجازت کیوں دی ہے؟

جواب: اسلامی نظام زندگی انسانوں کی سہولت کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ نظام قابل عمل ہے۔ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

ایک پہلو: انسانی معاشروں میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن میں شادی کے قابل مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد کی نسبت کم ہو جاتی ہے۔ اس تعداد کی زیادہ سے زیادہ نسبت 1:4 رہی ہے۔

دوسرا پہلو: اگر کسی کی بیوی بانجھ ہو تو دوسری شادی کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرا پہلو: مرد میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ستر سال یا اس کے آگے کی عمر تک بھی پائی جاتی ہے جب کہ عورت میں یہ صلاحیت تقریباً 50 سال کے لگ بھگ ختم ہو جاتی ہے اس طرح تقریباً 20 ایسے سال آ جاتے ہیں جس میں مرد فطری وظائف پورے کر سکتا ہے جبکہ عورت پورے نہیں کر سکتی۔ ایسی صورت حال میں دوسری شادی کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال 7: تعددِ اَزواج (ایک سے زائد بیویوں) کے فائدے کیا ہیں؟

جواب: 1- عدل کی شرط کے ساتھ خاندانی زندگی کو افراتفری سے بچالیا گیا۔ 2- عورت کی عزت کو محفوظ کیا گیا۔

3- عورت کو ایسے مواقع سے بچالیا گیا جس کی وجہ سے اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک ہو۔

4- عورت کو ظلم سے بچالیا گیا۔

سوال 8: اسلام نے ایک سے زائد بیویوں کے لیے عدل کی شرط عائد کی ہے۔ عدل سے کیا مراد ہے؟ اس عدل کا اطلاق کہاں کہاں ہوتا ہے؟

جواب: یہاں عدل سے مراد بیویوں کے درمیان انصاف ہے۔ اس عدل کی ضرورت ہر مقام پر پڑتی ہے مثلاً:

1- معاملات میں عدل۔ 2- خرچ میں عدل۔ 3- ازدواجی تعلق میں عدل۔ 4- حسن معاشرت میں عدل۔

سوال 9: اسلام نے کہاں پر عدل میں آسانی کی گنجائش رکھی ہے؟

جواب: 1- اسلام نے دلی احساسات میں عدل کے معاملے میں آسانی کی گنجائش رکھی ہے۔ 2- انسانی نفس کے اندر پائے جانے والے گہرے میلان میں عدل کیونکہ یہ انسان کے کنٹرول سے باہر ہے۔

سوال 10: اَوْصَا مَلَائِكَتُهُمْ يَا وَهَّجْنَ كَيْفَ تَمَارُ رَا دَائِمِينَ بَاتْمَ مَالِكِ هُونِ (لُونڈِ يَا) “مملوکہ عورت (لونڈی) سے نکاح کرنے کے فوائد کیا ہیں؟

جواب: مملوکہ عورت (لونڈی) کو ملنے والے فوائد: 1- نکاح کی وجہ سے لونڈی آزاد ہو جاتی ہے۔ 2- اس عورت کی اولاد بھی آزاد ہو جاتی ہے۔ 3- اس کا مالک اب اسے فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر شوہر نکاح کے وقت آزادی نہ دے تب بھی بچہ پیدا ہو تو وہ اُم ولد کہلاتی ہے۔ اسلام نے غلام عورتوں کی آزادی کے لیے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں نکاح ایک اہم طریقہ ہے۔ مرد کو حاصل ہونے والے فوائد: 1- لونڈیوں کے لئے تعداد کی کوئی شرط نہیں۔ 2- ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف کی شرط نہیں ہے۔

سوال 11: ذٰلِكَ اَذَقْنِي الْاَلْتَعُوْلُوْا ”یہ زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہو“ خاندان میں عدل کے قیام کے لیے اسلام نے خاص طور پر کوشش کی، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: 1- خاندان میں عدل و انصاف دوسری جگہوں پر انصاف کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ 2- معاشرے کی تعمیر میں خاندان انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ 3- کسی بھی قوم کی تربیت خاندانی ادارے کے اندر ہوتی ہے۔ 4- انسانی شخصیات خاندان میں پروان چڑھتی ہیں۔ 5- خاندان میں عدل نہ ہو تو معاشرے میں عدل قائم نہیں ہو سکتا۔

وَ اَتُوْا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ بِنِحْلَةٍۢ فَاِنْ طَلَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُنَّ نَفْسًا فَكُلُوْهَا هُنَّ بَرِيّٰتٌ (4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو، پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمہارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو تم اس کو کھاؤ مزے دار، خوشگوار ہے۔ (4)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابوصالح فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بچیوں کا مہر خود لے لیا کرتے تھے وہ محروم رہ جاتی تھیں اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن ابی حاتم)

سوال 2: وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً” اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: ”اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو“ 1- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں خطاب شوہروں سے ہے۔ (المحرم المویج: 2/8) 2- آیت میں کلمہ ”نِحْلَةً“ کا معنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ”فریضہ“ کیا ہے اور ابن زید نے ”واجب“ کیا ہے۔ (تیسیر الرحمن) 3- یہ آیت عورت کے لیے مہر کو واجب کرتی ہے (قرطبی 2/18) 4- نبی کریم ﷺ کے علاوہ امت کے کسی فرد کے لیے بغیر مہر کے شادی کرنا جائز نہیں ہے اور مہر کی تعیین کے وقت نیت بھی صحیح ہونی چاہئے کہ یہ عورت کا حق ہے جو اسے ملنا چاہئے۔ (تیسیر الرحمن) 5- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”اسے کچھ دو“ تو انہوں نے کہا، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: ”میری حظی زرع کہاں ہے۔“ (ابوداؤد: 2125)

سوال 3: مہر کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

جواب: 1- مہر عورت کا ذاتی حق ہے۔ 2- مہر عورت خود وصول کرے گی۔ اس کے ولی کو مہر لینے کا حق نہیں ہے۔ 3- مہر مقرر کرنا لازم ہے کیونکہ یہ ایک فریضہ، ایک لازمی حق ہے۔ 4- مرد خوش دلی کے ساتھ مہر ادا کرے۔

سوال 4: مہر کے بارے میں جاہلی عرب میں کیا دستور تھا؟

جواب: 1- عورت کا ولی مہر لے لیتا تھا اور پھر اسے خود استعمال کرتا تھا۔ 2- نکاح شغار کی صورت میں ایک لڑکی کو دوسری لڑکی کے بدلے میں دے کر مہر سے لڑکیوں کو محروم کر دیا جاتا تھا۔ 3- مختلف جیلوں بہانوں سے عورت کے اس حق کو مار لیا جاتا تھا۔
 سوال 5: اسلام نے مہر دلا کر عورت پر کیا احسان کیا ہے؟

جواب: 1- اسلام نے اس طرح عورت کی عزت و وقار کو بحال کیا ہے۔ 2- اسلام نے محبت اور فیاضی کے راستے کھولے ہیں۔ 3- اسلام نے مہر دلا کر عورت کے مالی حقوق بحال کیے ہیں۔

سوال 6: فَإِنْ طَلَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُنَّ نَفْسًا فَكُلُوْهُنَّ حَتَّىٰ تَذَاقُوا كَذَٰلِكَ تَمْرٌ عَلَيْهِمْ بِمَا كَفَرُوا“ پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمہارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو تم اس کو کھاؤ مزے دار، خوشگوار ہے، مہر کی ادائیگی کے بعد اگر عورت خوش دلی کے ساتھ پورا مہر یا کچھ حصہ شوہر کو لوٹا دیتی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

1- مہر کی ادائیگی کے بعد اگر عورت اپنی مکمل رضامندی اور خوش دلی کے ساتھ پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ شوہر کو لوٹا دیتی ہے تو وہ آزاد ہے لیکن اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ 2- مرد کے لیے عورت کی طرف سے خوش دلی سے واپس کیا گیا مہر کھانا حلال ہے۔ 3- آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر بیوی حیا کی وجہ سے یا شوہر کی بد اخلاقی یا برے برتاؤ کے ڈر سے ایسا کرتی ہے اور شوہر اسے قبول کر لیتا ہے تو یہ قرآنی تعلیم کی خلاف ورزی ہوگی۔ (تیسیر الرحمن) 4- اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بالغ اور عاقل ہے تو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتی ہے خواہ وہ صدقہ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن اگر بالغ اور عاقل نہیں ہے تو اس کے عطیہ کا حکم معتبر نہیں۔ نیز عورت کا سر پرست اس مہر میں سے کچھ لینے کا حق دار نہیں سوائے اس کے، کہ عورت برضا و رغبت خود اسے کچھ عطا کر دے۔ (تیسیر سعدي)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (5)

اورنا سمجھوں کو اپنے وہ مال نہ دو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے، اور تم انہیں کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے بھلی بات کہو۔ (5)

سوال 1: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ اورنا سمجھوں کو اپنے وہ مال نہ دو، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- سفیہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بے عقل ہونے مثلاً پاگل وغیرہ یا عدم بلوغت جیسے چھوٹا بچہ اور بے سمجھ وغیرہ ہونے کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف اور دیکھ بھال کی اہلیت سے محروم ہو۔ (تیسیر سعدي) 2- نادانوں کو مال دے کر انہیں تصرف کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ یہ مال ان کی زندگی کا ذریعہ ہے جس سے تجارت کر کے روزی کمائی جاتی ہے معلوم ہوا کہ بے وقوفوں کو کاروبار میں تصرف سے روک دیا جائے (ابن کثیر: 2921) 3- اس میں مال کی حفاظت کی ترغیب دلائی ہے، اس لیے کہ آدمی کے دنیاوی حالات بغیر مال کے متوازن نہیں رہتے (تیسیر الرحمن: 239) 4- زمخشری نے سلف کا قول نقل کیا ہے کہ ”مال مؤمن کا ہتھیار ہے“ سفیان ثوری کے پاس ایک سامان تھا، اسے وہ الٹتے پلٹتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو بنی عباس مجھے اپنے ہاتھ کا رو مال بنا لیتے۔ (تیسیر الرحمن: 239) 5- سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر

ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو (تفسیر ابن کثیر: 521/1)

سوال 2: نادانی اور دانائی کا پتہ کیسے چلتا ہے؟

جواب: اس کے لیے کوئی فارمولہ نہیں ہے۔ ہر خاندان اپنے افراد کو خوب پہچان لیتا ہے کہ دانا کون ہے اور نادان کون؟ جانچ پڑتال اس بات کی ہوگی کہ یتیم بالغ ہو گیا ہے یا نہیں؟

سوال 3: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّفَهَاءَ ۖ أَمْوَالِكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيْلًا ۗ وَرِنَا سَمَّوْنَ كَوَاسِنَ ۗ وَهِيَ مَالٌ نَدْوَجَسُ اللّٰهُ تَعَالٰی نَے تہا رے لے قانم رهنے کا ذریعہ بنایا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- مال عیش کے لیے نہیں۔ 2- مال فخر کا اظہار کرنے کیلئے نہیں۔ 3- مال انسان کے لئے زندگی کا ذریعہ ہے۔ 4- دنیا میں بقا و قیام کا ذریعہ ہے۔ 5- مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ 6- مال کو حق دار تک پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ 7- مال پر پوری سوسائٹی قائم ہوتی ہے۔ 8- وہ دولت جو معاشرے میں گردش کرتی ہے اس سے پوری سوسائٹی فائدہ اٹھاتی ہے۔ 9- معاشرہ دولت سے فائدہ تب اٹھا سکتا ہے جب اُس کا انتظام احسن طریقے سے ہو۔ 10- اجتماعی دائرے میں انفرادی حقوق ملکیت قائم رہیں گے۔ 11- نادان یتیم جو اپنے مال کو ترقی نہیں دے سکتے دولت ان کے قبضے میں نہ دی جائے۔ 12- یتیموں کو مال پر تصرف اور اپنی نگرانی میں چلانے کے حق سے بلوغت یا سن رُشد تک محروم کر دیا جائے گا۔ 13- یتیم کی انفرادی ملکیت برابر رہے گی۔ یہ دولت ان سے چھین لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ 14- یتیم کا مال ان افراد کی تحویل میں دیا جائے گا جو ان کا اچھا انتظام کر سکتے ہوں لیکن رشتہ داری کو ترجیح دی جائے گی تاکہ خاندان کا کفالتی نظام چلتا رہے۔

سوال 4: وَأَمْرًا فَؤُوهُمْ فِيهَا وَأَكْسُوهُمْ ۗ ۗ وَأَمْرًا فَؤُوهُمْ فِيهَا وَأَكْسُوهُمْ ۗ اور تم انہیں کھلاؤ اور پہناؤ، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے سرپرست کو حکم دیا ہے کہ وہ مال ان بے سمجھ لوگوں کے حوالے نہ کرے بلکہ وہ اس مال میں سے ان کے کھانے پینے اور کپڑے لتے کا انتظام کرے اور جو ان کی دینی و دنیاوی ضروریات ہیں ان میں خرچ کرے اور ان سے اچھی بات ہی کہے۔ (تفسیر سعدی) 2- یہاں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ پاگل، نابالغ اور بے عقل جب مال کے مالک ہوں تو ان پر انہی کے مال میں سے اخراجات کیے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَأَمْرًا فَؤُوهُمْ فِيهَا وَأَكْسُوهُمْ ۗ اور تم انہیں کھلاؤ اور پہناؤ (تفسیر سعدی)

سوال 5: وَقَوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۗ اور ان سے بھلی بات کہو، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- المعروف وہ قول و فعل ہوتا ہے جس کی خوبی عقل و شریعت سے ثابت ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یتیم بچوں کے ساتھ نرمی سے بات کریں اور انہیں سمجھادیں کہ جب وہ سمجھ دار ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔
2- اور جب وہ اپنے مال کا مطالبہ کریں تو وہ ان سے وعدہ کرے کہ وہ ان کے بالغ اور عاقل ہو جانے کے بعد ان کا مال ان کو لوٹا دے گا اور ان کی دل جوئی کی خاطر ان سے نرم مقامی سے پیش آئے۔ (تفسیر سعدی)

وَابْتَئُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَ
بِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۗ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ
أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا (6)

اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے ان کا مال فضول خرچی سے جلدی کرتے ہوئے نہ کھا جاؤ، اور جو مال دار ہے تو لازم ہے کہ وہ بچے، اور جو محتاج ہے تو لازم ہے کہ وہ معروف طریقے سے کھائے۔ چنانچہ جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بناؤ، اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔ (6)

سوال 1: وَابْتَئُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- حسن، قنادر اور مجاہد نے کہا: ان کی عقلوں اور دین کو جانچو اور اس امتحان کی کیفیت یہ ہوگی کہ خرچ کے معاملے میں ان کی بردباری دیکھو کیسے وہ اخراجات کی تدبیر کرتے ہیں اور کیسے ان میں تصرف کرتے ہیں اور اگر لڑکی ہو تو اس کو گھر یلو امور کے حوالے سے دیکھیں کہ وہ کپڑوں وغیرہ کا کیسے انتظام کرتی ہے۔ (تفسیر الوسیط: 2/12) 2- حسن اور قتادہ نے کہا عقل اور دین میں سمجھ کو دیکھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عقلی اور مالی تدابیر کو دیکھیں۔ (الحجج رالوہیز: 11/2)

سوال 2: حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جب وہ ”علم“ کو پہنچ جائیں۔ (تفسیر جامع البیان: 262/4)

سوال 3: فَإِنِ انْتَسَبُوا فِيهِمْ مُرْسِدًا فَاذْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ” پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- جب یتیم بالغ ہو جائے یعنی جب وہ سن رشد کو پہنچ جائے اور اس کی عقل و سمجھ کا یقین ہو جائے۔

2- پورا مال حفاظت اور ایمانداری کے ساتھ حوالے کیا جائے گا۔

سوال 4: رشد سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”رشد“ سے مراد عقلی اور دینی صلاحیت ہے پس بالغ ہونے کے علاوہ مال کی سپردداری کے لئے رشد بھی شرط ہے۔ اگر کسی شخص میں ”رشد“ نہیں ہے تو خواہ وہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو جائے متولی یا وصی کو چاہیے کہ وہ مال اس کے حوالے نہ کرے۔ (قرطبی۔ ابن کثیر)

سوال 5: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِسْرَافًا وَلَا وِجْهًا أَنْ يَبْكُوا ” اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے ان کا مال فضول خرچی سے جلدی کرتے ہوئے نہ کھا جاو“ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے اولیاء کو کیا نصیحت کی ہے؟

جواب: 1- سعید بن جبیر نے کہا یتیموں کے مال میں فضول خرچی نہ کرو۔ (ابن ابی حاتم: 876/3) 2- اس ڈر سے کہ بڑے ہونے کے بعد یتیم اپنا مال لے لیں گے، ان کے مال کو بے جا طریقے سے خرچ نہ کرو۔ 3- یتیم کا ولی مال دار ہے تو اسے مال کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ 4- یتیم کا ولی غریب ہے تو اپنی ضرورت اور محنت کے مطابق مزدوری لے لے۔

سوال 6: وَمَنْ كَانَ عَيْنِيًّا فَلْيَسْتَغْفِرْ ” اور جو مال دار ہے تو لازم ہے کہ وہ سچے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور جو مال دار ہے تو لازم ہے کہ وہ سچے“ 1- عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ اپنے کو بالکل روک رکھے۔ البتہ جو شخص نادار ہو وہ واجب طور پر کھا سکتا ہے“ کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت یتیم کے بارے میں اتنی ہے کہ اگر ولی نادار ہو تو یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال کی اجرت میں وہ واجب طور پر (یتیم کے مال میں سے کچھ) کھا سکتا ہے (بشرطیکہ نیت میں فساد نہ ہو) (صحیح بخاری: 4575) 2- سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ میرے پاس مال نہیں ہے، ہاں البتہ میرے پاس ایک یتیم (کا مال) ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم (زیر پرورش) یتیم کے مال سے کھا سکتے ہو، بشرطیکہ اسراف و تبذیر نہ ہو اور نہ تم مال کو جمع کرو اور نہ اس کے مال کی بجائے اپنے مال کو بچاؤ حسین (راوی) کو شک ہے کہ یا آپ نے یہ فرمایا: ”اپنا مال (بچا کر) رکھتے ہوئے اس کا مال خرچ مت کرو۔“

(مسند احمد: 216,215/2:7022)

سوال 7: وَصَنَ كَانُ فَيَقْبِرُوا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ” اور جو محتاج ہے تو لازم ہے کہ وہ معروف طریقے سے کھائے، یتیم کا ولی فقیر ہو تو وہ کیسے معروف طریقے سے کھائے؟

جواب: 1- حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اپنی مزدوری اور اپنی ضرورت میں سے جو کم ہو گا وہ لے گا۔
2- معروف طریقہ یہی ہے کہ اس کے اموال کی نگرانی کی اجرت جو معروف ہے لے لے، دوسرا یہ کہ کم از کم جس سے اس کی ضرورت پوری ہو سکے لے لے۔ (دعوة القرآن)

سوال 8: فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ” چنانچہ جب تم اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ بناؤ، گواہ ٹھہرانے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: ”چنانچہ جب تم اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ بناؤ“ 1- جھگڑے اور تہمت سے بچنے کے لئے گواہ ٹھہرانے کا حکم دیا گیا۔ 2- مال حوالے کرتے وقت گواہ بنا لوتا کہ کل انکار اور شک کی گنجائش نہ رہے

سوال 9: وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ” اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حساب لینے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے“ 1- اللہ تعالیٰ نے اپنے حساب لینے کا شعور اس لئے دلایا ہے تاکہ انسان جان لے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں۔ ممکن ہے لوگوں کو کسی کی امانت یا خیانت کا پتہ نہ چلے لیکن اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ اس طرح انسان یتیموں کے مال میں خیانت کرنے سے بچ سکتے ہیں۔ 2- اللہ تعالیٰ ذرے ذرے کا محاسب ہے ہر جگہ بہ اعتبار علم حاضر و ناظر ہے یتیموں کے اولیاء کا ہر وقت نگران ہے کہ کس طرح ان کی تربیت کرتے ہیں اور انہیں پورا مال دیتے بھی ہیں یا نہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 294/1) 3- یعنی اگر تم نے یتیم کے مال میں سے کچھ رکھ لیا اور گواہ وغیرہ تمہاری خیانت کو نہ پکڑ سکے تو یہ نہ سمجھ لینا کہ تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے۔ تمہاری ہر خیانت اس کے علم میں ہوگی اور وہ تم سے اس کا مواخذہ کرے گا۔ (دعوة القرآن) 4- ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر میں تجھے ضعیف اور ناتواں خیال کرتا ہوں اور میں تیرے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ مال یتیم کا ولی بننا۔“ (مسلم: 4720)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
أَوْ كَثُرٌ نَّصِيبًا مَّفْرُوضًا (7)

مردوں کے لیے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دارتر کے میں چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دارتر کے میں چھوڑ جائیں، اس میں سے جو تھوڑا یا زیادہ ہو، مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ (7)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی اپنی بیٹیوں کو جو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے تھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور فرمانے لگیں اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں ان کے والد احد کے دن آپ ﷺ کی معیت میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے ان لڑکیوں کے چچانے سارا مال اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا ان کے نکاح تب ہو گئے جب ان کے پاس مال ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس بارہ میں فیصلہ فرمائے گا“۔ جس پر آیت میراث نازل ہوئی، سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا اور فرمایا: ”سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی (2/3) اور ان کی والدہ کو آٹھواں (1/8) حصہ دے دو اور جو باقی بچے وہ تیرے لیے ہے۔ (جامع ترمذی: 2092)

سوال 2: وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرٌ اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دارتر کے میں چھوڑ جائیں اس میں سے جو تھوڑا یا زیادہ ہو، یہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کے حصے کا تذکرہ کیوں کیا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کے حصے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کیونکہ اسلام سے پہلے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ 2- قنادہ نے کہا: وہ عورتوں کو حصہ نہیں دیتے تھے۔ (تفسیر جامع البیان: 273/4) 3- حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب نے مرد اور عورت کے صحیح معنوں کو نہیں سمجھا۔ (تفسیر سراج البیان: 184/1)

سوال 3: اسلامی قانون نے میراث کو کس اصول پر استوار کیا؟

جواب: اسلامی قانون نے میراث کو قرابت کے اصول پر استوار کیا۔

سوال 4: وراثت کے حقوق میں فرق کیوں ہے؟

جواب: قرابت کے درجے مختلف ہیں اس طرح رشتے داروں کے حصص میں بھی فرق ہے۔

سوال 5: وراثت کا اصول کیا ہے؟

جواب: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

سوال 6: وراثت کے سلسلے میں انسانی قانون اور اللہ تعالیٰ کے قانون میں کیا فرق ہے؟

جواب: 1۔ انسان جو قانون بناتا ہے اس میں توازن نہیں ہوتا۔ قدیم دور میں لڑکا اہمیت کا حامل تھا کیونکہ وہ قبیلے کے لیے طاقت کا ذریعہ تھا۔ موجودہ دور میں reaction سامنے آیا تو لڑکے اور لڑکی کے حصوں کو برابر کر دیا گیا۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کا قانون بے اعتدالیوں سے پاک ہے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ کا قانون معاشرتی انصاف کا حقیقی ذریعہ ہے۔

سوال 7: وراثت کے معاملے میں انسان کو کس کے قانون کے مطابق چلنا ہے؟

جواب: انسان کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق چلنا ہے، کسی کی ذاتی خواہشات اور ذاتی مصلحتوں کے مطابق نہیں چلنا۔

سوال 8: لِلْمَرْءِ جَلٌّ فَصِيْبٌ وَمِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ”مردوں کے لیے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے چھوڑ جائیں اس میں سے جو تھوڑا یا زیادہ ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت سے درج ذیل احکامات کا پتہ چلتا ہے: 1۔ میراث میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حق دار ہیں۔

2۔ میراث تقسیم ہونے کے لیے ہے۔ خواہ کتنی ہی کم ہو تمام وارثوں میں تقسیم ہونی چاہیے۔ 3۔ وراثت میں تمام قسم کے اموال شامل ہیں خواہ زرعی اموال ہوں یا صنعتی، خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، کسی بھی قسم کا مال ہو اس پر وراثت کا قانون جاری ہوگا۔ 4۔ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب میت نے کوئی مال چھوڑا ہو۔ 5۔ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہیں پائے گا۔ (تنبیہ القرآن)

سوال 9: نَصِيْبًا مَّفْرُوضًا ”مقرر کیا ہوا حصہ ہے“؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ہے خواہ عورت ہو یا مرد، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (ابیر القاسمیر: 240,241)
سوال 10: اگر خاندان کسی فرد کی کفالت میں ناکام ہو جائے تو کون کفالت کرے گا؟
جواب: مقامی مسلمان معاشرہ۔

سوال 11: اگر مقامی مسلمان معاشرہ بھی ناکام ہو جائے تو پھر اس کی کفالت کون کرے گا؟
جواب: اسلامی حکومت ان تمام لوگوں کی کفالت کی ذمہ دار ہے جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے۔
سوال 12: اسلام کے وراثتی نظام پر کیا کیا اعتراضات ہیں؟ جواب دیں۔

جواب: 1- یہ نظام ان لوگوں کو بھی وراثت منتقل کر دیتا ہے جنہوں نے اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کی ہوتی۔ آباء و اجداد اور دوسرے رشتہ دار اپنے بچوں، پوتوں، نواسوں کو صرف مال منتقل نہیں کرتے بلکہ اچھی بری عادات اور کمزوریاں بھی منتقل کرتے ہیں۔ بعض اوقات بیماری اور صحت بھی، بعض اوقات ذہانت اور کند ذہنی بھی۔ یہ ساری صفات انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان کے نتائج وارثوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ اس لیے انصاف کا تقاضا ہے کہ مال بھی وارثوں کو منتقل ہو۔ اگر ہم مال وارثوں کو نہیں دینا چاہتے تو ہمارا فرض ہے کہ بیماریوں، جسمانی کمزوریوں وغیرہ سے بھی وارثوں کو نجات دلائیں۔

2- اسلام نے عورت کو آدھی وراثت دی ہے۔ i- مرد پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے جبکہ عورت پر اسلام نے یہ بوجھ نہیں ڈالا۔ ii- مرد عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو مہر دیتا ہے جبکہ عورت مہر وصول کرتی ہے۔ iii- مرد عورت اور اولاد کو نان و نفقہ دیتا ہے جبکہ عورت کو اسلام نے پابند نہیں کیا۔ iv- مرد باپ کے جانے کے بعد ماں اور بہنوں کی ذمہ داریاں اٹھاتا ہے۔ ان کا نان و نفقہ، بہن کی تعلیم، شادی اور دیگر خاندانی ذمہ داریاں جبکہ عورت کو کوئی ذمہ داری اٹھانی نہیں پڑتی۔ v- مرد عورت کے مقابلے میں خاندان کی ضروریات کا دو حصے ذمہ دار ہوتا ہے۔ اجتماعی معاملات میں بھی مرد کی ذمہ داریاں دو گنا ہیں۔ اس لیے عورت کو وراثت میں آدھا حصہ دینا اس کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے عادلانہ اور منصفانہ ہے۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَمْرٌ ذُوهُمْ مِنْهُمْ وَمِنْهُمْ قَوْلُ آلِهِمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (8)

اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو انہیں بھی اس مال میں سے کچھ دو اور ان سے بھلی بات کرو۔ (8)

سوال 1: وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزَلُوا لَهُمْ مِنْهُ ۗ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو انہیں بھی اس مال میں سے کچھ دو، کیا ورثے میں غیر رشتہ داروں کا بھی کچھ حق ہے؟

جواب: ”اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو انہیں بھی اس مال میں سے کچھ دو“ 1۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ گمان کرنے لگے ہیں کہ یہ آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے نہیں قسم اللہ کی آیت منسوخ نہیں ہوئی البتہ لوگ اس پر عمل کرنے میں سست ہو گئے ہیں۔ ترک کے لینے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو خود وارث ہوں اس کو تو خود دینے کا حکم ہے (عزیزوں یتیموں محتاجوں کو جو تقسیم کے وقت آجائیں) دوسرا جو خود وارث نہیں ہو اس کو زمی سے جواب دینے کا حکم ہے، وہ یوں کہے، میاں! میں تم کو دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ (صحیح بخاری: 2759) 2۔ مال کی تقسیم کے وقت اگر کچھ رشتے دار موجود ہوں اور وہ محتاج بھی ہوں تو صلہ رحمی کا جذبہ رکھنے والے ورثہ بھی مناسب سمجھیں گے کہ انہیں بھی کچھ دے دیا جائے تاکہ جہاں ان کے کسی رشتہ دار کا مال تقسیم ہو رہا ہے وہاں سے وہ محروم نہ واپس جائیں۔ اور خاص طور سے وہ یتیم بچے جن کے باپ کا انتقال دادا کے ہوتے ہوئے ہو گیا ہو اور وہ وراثت سے محروم رہ گئے ہوں اور پھر ان کے دادا کے انتقال کے بعد وراثت تقسیم ہو رہی ہو اور ان کے چچا اور پھوپھی یا وراثت کا مال پا کر خوش ہو رہے ہوں اور یہ بچے ان کا منہ تک رہے ہوں اور ان کے حصے میں کچھ نہ آ رہا ہو صرف اس لیے کہ ان کے والد کا انتقال دادا سے پہلے ہو چکا ہے، تو ان کی محرومی کا کیا عالم ہوگا۔ ایسے بچوں کے حق میں تو یہ آیت آب حیات کے مترادف ہے اور خاص طور پر اگر دادا کی جائیداد بڑی ہو اور ورثہ ان یتیموں کے حال پر رحم کریں تو ان کے حصے میں بھی اچھی خاصی جائیداد آسکتی ہے اور ان کی غربت دور ہو سکتی ہے۔ (تیسیر الرحمن)

سوال 2: امداد کے مستحق رشتے دار اگر وراثت میں حصہ دار نہ ہوں تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب 1: مستحق رشتے داروں کے لئے یہ حکم ہے کہ انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو۔ 2۔ ان سے محبت سے بات کرو۔

سوال 3: وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۗ اور ان سے بھلی بات کرو، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور ان سے بھلی بات کرو، یعنی ان کو دیتے ہوئے معذرت کر لیں اور ان سے محبت سے بات کریں۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَ كُفْرًا مِنْ حَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ يُزَكِّيهِمْ لِأَنَّ اللَّهَ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۗ (9)

اور لازم ہے کہ ڈریں وہ لوگ جو گر اپنے پیچھے کمزور اور اولاد چھوڑ جاتے اور ان کے بارے میں وہ ڈرتے، چنانچہ ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں اور سیدھی بات ہی کہیں۔ (9)

سوال 1: وَیَحْشُ الْزَّيِّنَ كَوْنَهُمْ خَلْفَهُمْ ذُرِّيَّتَهُ ضِعْفًا خَلْفًا وَعَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ” اور لازم ہے کہ ڈریں وہ لوگ جو گر اپنے پیچھے کمزور اور اولاد چھوڑ جاتے اور ان کے بارے میں وہ ڈرتے ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور لازم ہے کہ ڈریں وہ لوگ جو گر اپنے پیچھے کمزور اور اولاد چھوڑ جاتے اور ان کے بارے میں وہ ڈرتے ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں“ 1۔ یتیموں کے اولیاء کو کہا گیا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں جیسا وہ چاہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے بچوں کے ساتھ لوگ کریں۔ 2۔ باپ کا دل اپنے چھوٹے اور کمزور بچوں کے حوالے سے انتہائی نرم ہوتا ہے اور جب وہ یہ محسوس کرے کہ وہ کمزور ہیں اور کوئی ترس کھانے والا نہیں، کوئی ان کا محافظ نہیں، کوئی ان کے سر پر رحمت کے ساتھ ہاتھ پھیرنے والا نہیں، اس آیت کو پڑھ کر باپ کا دل مٹھی میں آجاتا ہے اور وہ یتیموں کی حالت کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں یتیم کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس محبت کے جذبے کو بھارا ہے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کے بارے میں ہر وقت خوف الہی رکھنے کی تلقین کی ہے۔ 4۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی تربیت اور نگرانی کرتے ہوئے سیدھی بات کریں۔

سوال 2: وَیَتَّقُوا لَوْلَا سَدِيدًا” سیدھی بات ہی کہیں“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: قَوْلًا سَدِيدًا سے مراد درست بات کرنا ہے۔ یتیم کے اولیاء کو کہا گیا کہ وہ حق بات کریں۔ (ابن کثیر، ابن جریر، رازی)

2۔ مریض کی عیادت کرنے والا نہ جان خرچ کر کے اولاد کو نقصان پہنچانے والوں کو حق بات کہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ آمَوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّ يَتَامَىٰ كُفْرًا فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (10)

بلاشبہ وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے، اور جلد ہی وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ (10)

سوال 1: إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ آمَوَالِ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا” بلاشبہ وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”بلاشبہ وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں“ 1۔ جو لوگ یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ مال نہیں آگ کھاتے ہیں۔

2۔ یتیم کا مال کھانے کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے جو ان کے معدوں اور ان کی جلد کو جلا ڈالے گی۔
سوال 2: اِنَّمَا يَكْفُرُونَ بِيَوْمِ نَارٍ وَّسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ”وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے، اور جلد ہی وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ”وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے، اور جلد ہی وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے“ جو لوگ یتیموں کے مال کھا رہے ہیں وہ مال نہیں آگ کھا رہے ہیں۔ مال قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں آگ بن کر بھڑکے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: سات تباہ کن گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام علیہم السلام نے پوچھا کہ وہ کون کون سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شرک، جادو، ناحق قتل، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، لڑائی سے بھاگنا اور بھولی بھالی معصوم عورتوں پر الزام لگانا۔ (بخاری، مسلمان، ناحق (ظلم)) کی قید سے وہ نادر سرپرست نکل گئے جن کو معروف طریقے سے بقدر ضرورت ان کے مال میں سے کھانے کی اجازت ہے، اسی طرح وہ بھی اس سے خارج ہو گئے جو آسانی اور اصلاح کی نیت سے اپنا کھانا یتیموں کے کھانے کے ساتھ ملا لیتے ہیں، کیونکہ یہ بھی جائز ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 3: یتیموں کے بارے میں ہدایات کی وجہ سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 1- دلوں کے اندر احساس بیدار ہوتا ہے۔ 2- دل اور دماغ سے جاہلیت کی گندگی دور ہوتی ہے۔

3- ایمان والوں کے دل میں خدا خونی، خدا ترسی، احتیاط اور احتساب کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

4- انسان یتیم کے مال کے اندر آگ کو دیکھنے لگ جاتا ہے۔

سوال 4: یتیموں کے مال کھانے پر وعید کے بارے میں تین احادیث لکھیں؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: 1- ”مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کا سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔“ (ابن ماجہ: 3679) 2- ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے۔“ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملا لیا۔ (بخاری: 5304، 6005) 3- معراج کے موقع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”پھر میں نے ایک ایسی قوم دیکھی جن کے اونٹ کے سے ہونٹ تھے اور ان کے ہاتھوں میں آگ کے شعلے تھے۔ ان شعلوں کو یہ لوگ اپنے منہ میں رکھتے تھے اور وہ ان کی پشت سے نکل جاتے تھے۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ وہ

لوگ ہیں جو ظلم سے تیبوں کا مال کھاتے ہیں۔ (ابن ہشام: 270)

سوال 5: ”جو لوگ ظلم کے ساتھ تیبوں کا مال کھاتے ہیں“ اس آیت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیسے اثرات مرتب ہوئے؟
جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جن لوگوں کے پاس تیب تھے انہوں نے ان کا کھانا پکانا جدا کر دیا۔ ان کے کھانے سے کوئی چیز بچ جاتی تو وہ رکھ دی جاتی حتیٰ کہ خراب ہو جاتی۔ یہ معاملہ تکلیف دہ صورت اختیار کر گیا تو اس بات کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَارْحَمُوا أَعْيُنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ سَاءَ أَلْوَانُهُ لَآ غَنَىٰ عَنْكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** اور وہ آپ سے تیبوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دو کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بھلائی کا کام ہے اور اگر تم انہیں ساتھ ملا دو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ضرور مشقت میں ڈال دیتا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (البقرہ: 220) اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیبوں کا کھانا اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے نفوس کو پاک کیا، معاشرے کو جاہلیت کی گندگیوں سے پاک کیا اور ان کے ایمان کو بلند کر دیا۔

رکوع نمبر 13

يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ خَطًّا ۗ لِلَّذِينَ نَكَحْتُم مَّا أُوتِيتُمْ وَلِلَّذِينَ نَكَحْتُم مَّا أُوتِيتُمْ وَلِلَّذِينَ نَكَحْتُم مَّا أُوتِيتُمْ وَلِلَّذِينَ نَكَحْتُم مَّا أُوتِيتُمْ
إِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۗ وَلَا بَرَاءَةَ لِحَالٍّ ۗ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا نَكَحْتُمْ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۗ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوَاهُ فَلِلْأَبِ ثُلُثٌ ۗ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَبَوَاهُ فَلِلْأُمِّ ثُلُثٌ ۗ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَبَوَاهُ وَوَرِثَةٌ لِّأَبَوَيْهِ فَإِنَّ ثُلُثَيْهَا لِلَّذِينَ يَرْتَدُّونَ مِنْكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۗ فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (11)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو میت نے جو چھوڑا ہو اس میں سے دو تہائی ان کے لیے حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو آدھا ترکہ

اس کے لیے ہے، اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اس میں سے جو اس نے چھوڑا اگر اس کی اولاد ہو، پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے، پھر اگر اس کے بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائے یا قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تمہارے زیادہ قریب کون ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (11)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول بیان کیا ہے؟

جواب 1: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو سلیمہ تک پہنچ کر میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہے، اس لیے آپ نے پانی منگوا یا اور وضو کر کے اس کا پانی مجھ پر چھڑکا، میں ہوش میں آ گیا، پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا کیا حکم ہے، میں اپنے مال کا کیا کروں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ”اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری 4577: 2) یہ آیت ارکان دین میں سے ایک بنیاد ہے اور احکامات کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور امہات الآیات میں سے ہے کیونکہ یہ علم الفرائض پر مشتمل ہے۔ صحابہ کے علوم میں سے یہ اہم ترین علم تھا اور ان کے اس پر اکثر مناظرے ہوتے تھے۔ (فتح القدیر)

سوال 2: ”يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ“ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے، کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے“ 1۔ یعنی اے والدین کے گروہ! تمہاری اولاد تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم ان کے دینی اور دنیاوی مصالح کی دیکھ بھال کرو۔ چاہیں تو وہ اس وصیت پر عمل کریں تب ان کے لیے بہت زیادہ ثواب ہے اور چاہیں تو اس وصیت کو ضائع کر دیں تب وہ سخت وعید اور عذاب کے مستحق ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے کیونکہ اس نے والدین کو اولاد کے بارے میں وصیت کی حالانکہ والدین اپنی اولاد کے لیے کمال شفقت کے حامل ہیں۔ (تفسیر سعدی) 2۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ میراث کے اصول اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

3- یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کے حق میں والدین سے زیادہ شفیق ہیں۔ 4- اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کئے ہیں وہ ہمارے مفاد میں ہیں۔ 5- اللہ تعالیٰ نے جو تقسیم کی ہے ایسی تقسیم خود والدین بھی نہیں کر سکتے۔ 6- اللہ تعالیٰ وصیت کرتے ہیں، حصے مقرر کرتے ہیں، میراث تقسیم کرتے ہیں۔ 7- اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی وصیت کی ہے اس لیے تاکہ انسانوں کی زندگیوں میں یہ احکامات چلیں۔ 8- اب کسی مسلمان کا اختیار نہیں کہ وہ یہ کہے کہ ہم اپنے لیے جو چاہیں کریں ہمیں اپنا اچھا برا معلوم ہے۔

سوال 3: لِلَّذِي كَرِهْتُمُلَّا حِطًّا الْأَنْثَيْنِ ”مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے“ وراثت کی تقسیم کس اصول کے مطابق ہوگی؟
جواب: وراثت کی تقسیم اس اصول کے مطابق ہوگی کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ 1- مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ 2- حصوں میں یہ فرق ذمہ داریوں کے اعتبار سے ہے۔ 3- کسی صنف کو دوسری صنف پر فضیلت کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا گیا۔

سوال 4: وراثت بڑے اور چھوٹے بچے میں کیسے تقسیم ہوگی؟

جواب: اولاد خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب وارث ہوں گے اور اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔

سوال 5: کیا جنین (ماں کے پیٹ کا بچہ) بھی وارث ہوگا؟

جواب: جنین بھی وارث ہوگا اور اصول کے مطابق وراثت پائے گا۔

سوال 6: کیا کافر اولاد بھی وارث ہوگی؟

جواب: کافر اولاد وارث نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی مسلمان کا ورثہ کافر نہیں پاسکتا۔

سوال 7: يُؤْتِيكُمْ اللَّهُ مِنْ أَوْلَادِكُمْ ”اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے“ کے نزول پر اہل عرب کا کیا رد عمل تھا؟
جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جب احکام میراث نازل ہوئے اور ان میں اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کر دیئے یعنی بیٹے کا حصہ، بیٹی کا حصہ، والدین کا حصہ تو لوگوں نے اسے بہت ہی برا مانا۔ بعض لوگوں نے ناپسند کیا۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ عورت کو چوتھا یا آٹھواں حصہ دیا جاتا ہے۔ بیٹی کو نصف اور چھوٹے بچے کا حصہ بھی مقرر ہو گیا حالانکہ ان میں سے کوئی نہیں جوڑائی کے وقت کام آتا ہو اور کوئی نہیں جوڑائی کے بعد بھی مالِ غنیمت ہتھیاسکتا ہو۔ ان احکامات کے بارے میں خاموش ہو جاؤ۔ شاید رسول اللہ ﷺ ان حکامات کو بھول جائیں۔ ہم ان کے بارے میں آپ ﷺ سے سفارش کریں اور

آپ ﷺ ان میں تبدیلی کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ایک لڑکی کو باپ کے تر کے میں سے نصف دیتے ہیں حالانکہ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوتی اور نہ وہ جنگ میں حصہ لیتی ہے۔ پھر ایک نابالغ بچے کو میراث دی جا رہی ہے اور وہ ہمارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا اور جاہلیت میں تو وہ اس طرح کرتے تھے کہ میراث صرف ان لوگوں کو دیتے جو جنگ میں حصہ لیتا اور وہ تقسیم میں سب سے بڑے کو، اس کے بعد جس کا نمبر ہو اس کو دیتے تھے۔ (ابن ابی حاتم، ابن جریر)

سوال: 8: اسلامی معاشرے کے اجتماعی امور میں مرد کے کیا فرائض ہیں جس کی بنیاد پر مرد کو عورت کے مقابلے میں وراثت میں دو گنا حصہ دیا گیا ہے؟

جواب:

مرد کی ذمہ داریاں	عورت کی ذمہ داریاں
1- مرد پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔	1- عورت پر اسلام معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالتا۔
2- مرد عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو اسے مہر دیتا ہے۔	2- عورت مہر وصول کرتی ہے دیتی کچھ نہیں۔
3- مرد عورت کو نان و نفقہ دیتا ہے۔	3- عورت اپنا خرچ مرد سے لیتی ہے۔ مرد کو دینے کی پابندی نہیں۔
4- مرد عورت کے ساتھ اولاد کو بھی نان و نفقہ دینے کا پابند ہے۔	4- اولاد کی معاشی ضروریات کے لیے اسلام نے عورت کو پابند نہیں کیا۔
5- مرد باپ کے بعد ماں بہنوں کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔	5- باپ کے جانے کے بعد عورت کو اپنی ماں اور بہنوں کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھانی پڑتی۔

خاندانی اور اجتماعی معاملات میں بھی مرد کی ذمہ داریاں عورت کے مقابلے میں دو گنا ہیں۔ اس لیے عورت کے مقابلے میں مرد کو دو حصے دینے کی تقسیم منصفانہ ہے۔

سوال: 9: فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اٰثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدُ وَالْاٰثَرُ نِصْفًا ” پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو میت نے جو چھوڑا ہو اس میں سے دو تہائی ان کے لیے حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو آدھا ترکہ اس کے لیے

سوال 13: وَلَا بَيِّنَةٌ لِّلَّذِي ادَّعَىٰ نَهْمًا لِّلشُّدُسِ وَمَا تَرَكَ إِلَّا كَانُ لَكَ وَكَذٰلِكَ ۗ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اس میں سے جو اس نے چھوڑا اگر اس کی اولاد ہو، اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو تر کے میں سے کتنا حصہ ملے گا؟

جواب: اولاد کے ساتھ ماں باپ بھی ہوں تو باپ کا بھی چھٹا حصہ اور ماں کا بھی چھٹا حصہ ہوگا۔ اور باپ کو دوسرا چھٹا حصہ عاصب ہونے کی حیثیت پر ملے گا۔

سوال 14: فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَّكَ وَوَلَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوَاكَ فَلِأُمَّهِ الْغُلَّتُ ۗ پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے، اگر میت صاحب اولاد نہ ہو، والدین ہی وارث ہوں تو ان کا حصہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

جواب: ”پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے، باپ کے لیے 2/3 حصہ اور ماں کے لیے 1/3 حصہ۔“

سوال 15: فَإِن كَانَ لَكَ إِخْوَةٌ فَلِأُمَّهِ الشُّدُسُ ۗ پھر اگر اس کے بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت صاحب اولاد نہ ہو لیکن بھائی بہن ہوں تو والدین کا حصہ کتنا ہوگا؟

جواب: ”پھر اگر اس کے بہن بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، اماں کے لیے 1/6 حصہ اور باپ کے لیے 1/3 حصہ۔ باقی بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔ چاہے سگے، یا باپ کی طرف سے، یا ماں کی طرف سے، تو بھائیوں کو باپ کے ساتھ کچھ بھی نہیں ملے گا، لیکن ایسی حالت میں ماں کو تہائی مال کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر باپ اور ماں کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہوگا تو باقی مال باپ کو ملے گا۔ جمہور کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کا ایک ہی حکم ہے، اور اگر بھائی صرف ایک ہے، تو ماں کو تہائی مال ملے گا۔ (تیسیر الرمن)

سوال 16: میراث میں والدین کے حالات کیا ہوتے ہیں؟

جواب: اہل علم کا خیال ہے کہ بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو صرف چھٹا حصہ اس لیے ملتا ہے کہ ان کا باپ ہی ان کی شادی اور دیگر اخراجات کا متحمل ہوتا ہے، اس لیے ماں کے چھٹے حصے کے بعد باقی مال باپ کو مل جائے گا، تاکہ ان بھائیوں کی پرورش و پرداخت پر خرچ کرے۔ (تیسیر الرمن) 1- میت صاحب اولاد ہو اور اس کے والدین ہوں تو ان کے لیے 1/6 حصہ۔ 2- میت کی اولاد، بھائی بہن، شوہر/ بیوی نہ ہوں تو والدہ کے لیے 1/3 اور والد کے لیے 2/3 حصہ۔ 3- میت کے اولاد نہ ہو لیکن والدین

اور بہن بھائی ہوں تو ماں کے لیے 1/6 حصہ اور باقی والد کا ہوگا۔ 4۔ میت کی اولاد نہ ہو، والدین ہوں اور شوہر/ بیوی ہوں تو شوہر کا نصف، بیوی کا 1/4، والدہ 1/3۔
ماں کے بعد جو بچے والد کا ہے۔

سوال 17: ماں باپ کے حصے کی کیا صورتیں ہیں؟

جواب: ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

1۔ میت کی اولاد نہ ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر اولاد ایک بیٹی ہو تو کل مال کے چھ حصوں میں سے آدھا مال بیٹی کا یعنی چھ حصوں میں سے تین حصے بیٹی کے ہوں گے۔ ایک سُدس ماں کا اور ایک سُدس باپ کا اور ایک سُدس باپ کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ بھی باپ کو دیا جائے گا۔ پہلا سُدس باپ ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔ 2۔ اگر مرنے والے کی اولاد نہیں ہے تو ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے باپ کو عصبہ کے طور پر ملیں گے۔ اگر مرنے والے مرد کی بیوی یا بیوی کا شوہر زندہ ہے تو بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر باقی مال میں سے ماں کے لئے تیسرا حصہ (ثلث) اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔ 3۔ اگر مرنے والے کے ماں باپ کے ساتھ بہن بھائی بھی زندہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی 5/6 باپ کے حصے میں چلے جائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی اور وارث نہ ہو۔

سوال 18: مرنے والے کے بہن بھائیوں کے حصہ دار ہونے کے لئے کیا سگاہونا ضروری ہے؟

جواب: بہن بھائی چاہے ایک ماں باپ سے ہوں یعنی عینی، یا باپ ایک ہو مائیں مختلف ہوں یعنی علاقائی بہن بھائی، یا ماں ایک ہو باپ مختلف ہوں یعنی اخیانی بہن بھائی، سب حصہ دار ہوں گے اگر ماں باپ حیات نہیں ہیں کیونکہ ان کی زندگی میں بہن بھائی حق دار نہیں ہو سکتے۔

سوال 19: فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلْأَخِيهِ السُّدُسُ ”اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔“ اگر دو بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کا کتنا حصہ ہوگا؟

جواب: ایسی صورت میں ماں کا تیسرا حصہ برقرار رہے گا وہ سُدس میں تبدیل نہیں ہوگا۔

سوال 20: مِنْ بَعْدِهِ وَصِيَّةٌ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينٍ ”اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائے یا قرض کے بعد“ میراث میں سے حصے کب نکالے جائیں گے؟

ہے۔ 3۔ خاندان کے بعض معذور اور مستحق افراد کو دینے میں سارے خاندان کی مصلحت ہوتی ہے۔ 4۔ بعض اوقات وصیت کی وجہ سے حسد، کینہ اور خاندانی جھگڑے رُک جاتے ہیں۔

سوال 25: وصیت کے بارے میں اُصول کیا ہے؟

جواب: 1۔ کسی وارث کے حق میں نہیں کی جاسکتی۔ 2۔ ترک کے 1/3 حصے میں سے کی جاسکتی ہے۔

سوال 26: اِبْنَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ”تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تمہارے زیادہ قریب کون ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1 ”تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تمہارے زیادہ قریب کون ہے؟“۔ وراثت کے حوالے سے غلط فہمی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون تمہارے لیے مفید ہے اور کون مفید تر ہے۔ اصل مسئلہ دین، قانون اور شریعت کا ہے۔ جو حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ماں باپ کو بھی پیدا کیا اور اولاد کو بھی۔ اُسی نے دولت دی ہے۔ فرائض عائد کرنے والا بھی وہی ہے۔ وہ سب حقیقتوں سے واقف ہے۔ 2۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد خوش دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جائیں۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے انسان جذبات سے مغلوب ہو کر کبھی والدین کو اولاد کے مقابلے میں ترجیح دیں اور کبھی والدین کے مقابلے میں اولاد کو اور کبھی کسی کو دوسرے کے مقابلے میں ترجیح ہی نہ دے سکے۔ 3۔ اگرچہ وراثت خدائی فیصلہ ہے لیکن اس میں گہری حکمت و مصلحت ہے جبکہ انسان کا علم محدود ہے۔ 4۔ اگر وراثت کے حصے تمہاری عقل اور تمہارے اختیار کے مطابق بنائے جاتے تو اس قدر نقصان پہنچتا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ عقل ناقص ہے اور ہر زمان و مکان کے مطابق جو چیز زیادہ اچھی اور زیادہ لائق ہے اس کی معرفت حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ (تفسیر سعدی)

سوال 27: فَرِيضَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: قرآن سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ (اور علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ اور فرائض سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ) بے شک میں ایسا شخص ہوں جو جاننے والا ہوں اور عنقریب علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہو جائیں گی کہ ”الفریضۃ“ وراثت میں دو لوگوں کے درمیان اختلاف ہوگا تو وہ کوئی ایسا نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ (ترمذی: 2170)

سوال 28: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب 1: ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حالات کو جانتا ہے اور اس کی حکمت عظیم ہے۔ جس چیز کو اس نے شروع کیا ہے اس میں تمہارے لئے بڑی منفعت ہے۔ (تفسیر المرآئی: 2/166) 2- اللہ تعالیٰ علیم ہے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور حکیم ہے جو کچھ اس نے فرض کیا اور وراثت کے احکامات وغیرہ۔ (المحرر الحلیط: 3/544)

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْنِ يَورِثُهُنَّ بِهِنَّ أَوْلَادُهُنَّ ۖ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ ۚ وَمِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْنِ تَرْتَضُونَّ بِهِنَّ أَوْلَادُهُنَّ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَآلٌ لَهَا وَآلٌ لَهَا وَآلٌ لَهَا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّبْحُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الْغُلَّتِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْنِ يَورِثُهُنَّ بِهِنَّ أَوْلَادُهُنَّ ۖ غَيْرُ مُمَازٍ ۚ وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (12)

اور جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں تمہارا آدھا حصہ ہے اگر ان کے لیے کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے لیے اولاد ہو تو تمہارے لیے اس میں چوتھائی حصہ ہے جو انہوں نے چھوڑا ہے اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض کی ادائیگی کے بعد، اور ان کے لیے چوتھائی حصہ ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہارے لیے کوئی اولاد ہو اس میں سے ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔ اور اگر کوئی مرد جس کا ورثہ لیا جا رہا ہے جس کے نہ ماں باپ ہیں اور نہ اولاد ہے یا (وہ) کوئی عورت ہو اور اس کے لیے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ (بہن بھائی) اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، وصیت کے بعد جو کی جائے یا قرض (کی ادائیگی کے بعد) بشرطیکہ کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔ (12)

سوال 1: وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ ”اور جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں تمہارا آدھا حصہ ہے اگر ان کے لیے کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے لیے اولاد ہو تو تمہارے لیے اس

میں چوتھائی حصہ ہے جو انہوں نے چھوڑا ہے، شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کی میراث سے کیا حصہ ملے گا؟
جواب: 1- شوہر بے اولاد فوت ہو گیا تو بیوی کو $1/4$ حصہ ملے گا۔ 2- بیوی بے اولاد فوت ہوئی تو شوہر کو آدھا حصہ ملے گا۔ 3- شوہر صاحب اولاد فوت ہوا تو بیوی کو $1/8$ حصہ ملے گا (وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد)۔ 4- بیوی صاحب اولاد فوت ہوئی تو شوہر کو $1/4$ حصہ ملے گا۔

سوال 2: وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْتِيهِمْ مَلَائِكَةً أَوْ وَهَرَأَفٌ أَوْ رَأُو كُونِي مَرْدٍ جَس كَا وَرَشَلِيَا جَار هَا هَيْ جَس كَيْ نَه مَال بَاب هَيْن اُورِنَه اُولَاد هَيْ يَا (وہ) کوئی عورت ہو، کلالہ کون ہے؟

جواب: 1- جس کے ماں باپ نہ ہوں۔ 2- جس کے اولاد نہ ہو۔ 3- اُس کے بہن بھائی ہو سکتے ہیں۔

سوال 3: وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْتِيهِمْ مَلَائِكَةً أَوْ وَهَرَأَفٌ أَوْ رَأُو كُونِي مَرْدٍ جَس كَا وَرَشَلِيَا جَار هَا هَيْ جَس كَيْ نَه مَال بَاب هَيْن اُورِنَه اُولَاد هَيْ يَا (وہ) کوئی عورت ہو اور اس کے لیے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ (بہن بھائی) اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، وصیت کے بعد جو کی جائے یا قرض (کی ادائیگی کے بعد) کلالہ کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

جواب: 1- کلالہ کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ہر ایک کو $1/6$ حصہ ملے گا۔ 2- کلالہ کے ایک سے زائد بھائی ہوں تو کل ترکہ کے $1/3$ حصہ میں وہ سب شریک ہوں گے، وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور اس کے لیے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ماں کی جانب سے بھائی بہن باقی وراثت سے تین باتوں میں مختلف ہوتے ہیں: 1- جس کے ذریعے میت سے ان کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اس کے ساتھ (یعنی ماں کے ساتھ) وراثت کے حق دار بن جاتے ہیں۔ 2- ان کے مرد اور عورت وراثت میں برابر ہوتے ہیں۔ 3- یہ لوگ اسی حالت میں وراثت بنتے ہیں جب کہ میت کی اولاد یا باپ یا دادا نہ ہو۔ (تیسیر الرٹن)

سوال 4: عَائِدَةٌ مَصْرًا ”کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو“ وصیت میں نقصان پہنچانا کیا ہے؟

جواب: 1- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص ستر سال تک نیک لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں جب وہ وصیت کرتا ہے تو وصیت میں ظلم سے کام لیتا ہے چنانچہ اس کے برے کام پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جس

کی وجہ سے یہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص ستر سال تک برے لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں اپنی وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کے اس نیک عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو یہ فرمان باری تعالیٰ پڑھ لو: **وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ يُدْخِلْهُ نَاِمًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ** (مسند احمد: 2/278، 2/772) 2۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث سے کچھ حصہ کاٹ دیا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا۔ (ابن ماجہ: 194) 3۔ وصیت میں ضرر رسائی یہ ہے کہ مستحق رشتے داروں کے حقوق ضائع کئے جائیں۔ 4۔ انسان تمام عمر اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے مگر مرتے وقت وصیت میں ضرر رسائی کر کے اپنی کتابِ زندگی کو ایسے عمل پر ختم کر جاتا ہے جو اسے دوزخ کا مستحق بنا دیتا ہے۔

سوال 5: قرض میں ضرر رسائی کیا ہے؟

جواب: 1۔ انسان حق داروں کو محروم کرنے کے لیے اپنے اوپر ایسے قرض کا اقرار کرے جو فی الواقع اس نے نہ لیا ہو۔ 2۔ ایسی چال چلے جس کا مقصد یہ ہو کہ حق دار میراث سے محروم ہو جائیں۔ 3۔ اس قسم کے ضرر کو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے۔
سوال 6: کلامہ کے تذکرہ کے ساتھ قرض اور وصیت میں ضرر رسائی کا ذکر کیوں کیا گیا؟
جواب: کلامہ میں عموماً اپنی جائیداد تلف کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

سوال 7: **وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ** ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے، لہذا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔ (ابوداؤد: 2870)

سوال 8: **وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ** ”اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، نہایت بردبار ہے“ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علیم کا ذکر یہاں کس حکمت کی بناء پر کیا گیا؟

جواب: 1۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کی تو اس کی گرفت سے بچ نہ سکو گے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی مصلحت کو ان سے بڑھ کر جانتا ہے۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلیم کا تذکرہ کس حکمت کی بناء پر کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نرم خو ہے۔ اس نے قانون بنانے میں سختی نہیں کی۔ ایسے قاعدے مقرر کیے ہیں جن میں انسانوں کے لیے سہولت ہے تاکہ وہ تنگی اور مشقت میں مبتلا نہ ہوں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِغِ اللَّهُ وَرَأْسَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (13)

یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (13)

سوال 1: تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ”یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں“ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے معاملے میں اپنی حدود کیوں قائم کی ہیں؟
جواب: 1- تِلْكَ: یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں یقیناً اس نے تمہارے لئے واضح کر دیے ہیں تاکہ تم انہیں پہچان لو اور ان پر عمل کرو۔ (قرطبی: 58/3) 2- حُدُودُ اللَّهِ: حد کی جمع ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکامات ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں تاکہ وہ ان پر عمل کریں اور ان سے تجاوز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کے لئے حدود مقرر کی ہیں۔ (تفسیر البیہر: 621/2) اللہ تعالیٰ نے وراثت کے معاملے میں اپنی حدود قائم کی ہیں تاکہ 3- ایک خاندان کے اندر خاندانی نظام کو مضبوط بنایا جائے۔ 4- معاشرے کے اجتماعی اور مالی تعلقات مضبوط ہوں۔ 5- خاندانی اور مالی تعلقات میں ان کی وجہ سے توازن پیدا ہو۔ 6- میراث کی تقسیم میں یہ حدود فیصلہ کن ہوں۔ 7- اس سے مراد وہ حصے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے لئے مقرر کر دیے ہیں۔

سوال 2: وَمَنْ يُطِغِ اللَّهُ وَرَأْسَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ”اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا“ 1- سعید بن جبیر نے کہا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ میراث کو اس طرح تقسیم کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ (ابن ابی حاتم: 891/3) 2- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو بجالا کر، جس میں سب سے بڑی چیز توحید میں ان کی اطاعت کرنا

ہے، پھر اوامر میں ان کے درجات کے مطابق اطاعت کرنا اور ان کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ہے جن میں سب سے بڑا ممنوع اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، پھر دوسرے معاصی ہیں، ان کی درجہ بندی کے ساتھ۔ (تفسیر سعیدی) 3۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت کرنے والے کو ایسی جنتوں کی خوشخبری دی ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سوال 3: وَذٰلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ” اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1۔ ” اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے“ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے کہ اس نے حلال و حرام، شریعت اور احکامات، رغبت اور ترہیب کو واضح کیا۔ (تفسیر امیر: 622/2) 2۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے جنت میں داخل ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَّعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْعُوْهُ تَاْمًا خَالِدًا فِيْهَا ۗ وَلَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (14)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (14)

سوال 1: وَمَنْ يَّعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْعُوْهُ تَاْمًا خَالِدًا فِيْهَا ” اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے اور نافرمانی کرنے کی سزا اتنی شدید کیوں ہے؟

جواب: 1۔ وَمَنْ يَّعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْعُوْهُ تَاْمًا خَالِدًا فِيْهَا ” اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے“ اس سے کم تر گناہ سب ہی شامل ہیں۔ 2۔ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا يَدْعُوْهُ تَاْمًا خَالِدًا فِيْهَا: جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے فرائض سے تجاوز کرے گا ان کی طرف جھکاؤ سے نکل جائے گا۔ (تفسیر قاسمی: 63/5) 3۔ يَدْعُوْهُ تَاْمًا خَالِدًا فِيْهَا: حدود سے تجاوز کرنا آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخلے کا موجب ہے۔ 4۔ ایک حد کو توڑنا پوری شریعت کی نفی کرنا ہے۔ ایک حد بھی دین ہے اور پوری شریعت بھی۔ 5۔ وراشت کی حد کو توڑنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے۔

سوال 2: قانون وراشت کے معاملے میں کون کون سی نافرمانیاں کی جا رہی ہیں؟

جواب: 1۔ عورتوں کو میراث سے محروم کرنا۔ 2۔ صرف بیٹے کو میراث کا مستحق ٹھہرانا۔ 3۔ تقسیم میراث کو چھوڑ کر مشترکہ خاندانی

جائیداد کا طریقہ اختیار کرنا۔ 4۔ عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کرنا۔ 5۔ Death duty لگانا۔

سوال 3: وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَمِيمًا ”اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے“ اس سے کیا مراد ہے؟
جواب: احکام میراث کے خاتمہ پر ایسی شدید وعید کا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے ہاں ان احکام کی عظمت و اہمیت کس درجہ ہے۔ (تفسیر ماجدی: 1/705)

رکوع نمبر 14

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ نِسَائِكَ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ وَأَعْلِيهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَامْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَمُوتَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يُجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (15)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ان پر اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ (15)

سوال 1: فاحشہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1۔ الفاحشہ: یہاں اس سے مراد زنا ہے۔ 2۔ زنا کو اس کی قباحت اور برائی کی وجہ سے فاحشہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ نِسَائِكَ ”اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں“ کا اطلاق کن عورتوں پر ہوتا ہے؟
جواب: مِنْ نِسَائِكَ اس کا اطلاق مسلمان عورتوں پر ہوتا ہے۔ (تفسیر المرآنی: 2/171)

سوال 3: وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ نِسَائِكَ ”اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں“ اسلام نے فاحشہ عورتوں کے لیے ابتدائی طور پر کیا انتظام کیا؟

جواب: 1۔ ان عورتوں کو نظر بند کیا جائے۔ 2۔ معاشرے سے دور رکھا جائے اس شرط کے ساتھ کہ ان پر جرم ثابت ہو جائے۔

سوال 4: فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ”ان پر اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لو“ میں مِّنْكُمْ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”اُن پر اپنے میں سے چار مردوں کی گواہی لو“ 1۔ اثباتِ زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے اسی طرح اس کے اثبات کے لیے گواہوں کی بھی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے یعنی چار مسلمان مرد یعنی گواہ۔ اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔ (وجوہ القرآن) 2۔ مسلمان گواہ ہو سکتے ہیں۔ 3۔ اسلامی معاشرے میں رہنے بسنے والا گواہ ہو سکتا ہے۔ 4۔ شریعتِ اسلامی کی پیروی کرنے والا گواہ ہو سکتا ہے۔ 5۔ اسلامی معاشرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا گواہ ہو سکتا ہے۔

سوال 5: غیر مسلم، مسلمانوں کے ان معاملات میں گواہی کیوں نہیں دے سکتے؟

جواب: 1۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ کسی مسلمان عورت کو محض مقدمے میں پھنسانے کے لیے گواہی دے دیں۔ 2۔ ایک غیر مسلم کی خدا خوفی، امانت، دیانت اور مصلحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ 3۔ غیر مسلم کو اسلامی معاشرے کی پاکیزگی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!

سوال 6: فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُمْ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّعَهُنَّ الْمَوْتُ ”پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے جائے“ اسلام نے فاحشہ عورتوں کی نظر بندی کا ابتداء میں کیوں حکم دیا؟

جواب: 1۔ اسلام نے فاحشہ عورتوں کی نظر بندی کا حکم فاشی و بے حیائی کو روکنے کے لیے اور معاشرے کو بے حیائی سے پاک رکھنے کے لیے دیا۔ 2۔ زنا کی ایک سزا ابتداء میں اسلام میں عمر قید، دائم الحبس تھی۔ (تفسیر ماجدی: 706/1)

سوال 7: أَوْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ”اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی راستہ نکال دے“ اللہ تعالیٰ کے راستہ نکالنے سے کیا مراد ہے؟ جواب: ”اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی راستہ نکال دے“ 1۔ راستہ نکالنے سے مراد زنا کی سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی یعنی شادی شدہ زنا کار مرد اور عورت کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے کوڑوں کی سزا۔ 2۔ تَهْنٌ سَبِيلًا یعنی شادی شدہ کے لیے رجم اور کنوارے کے لیے کوڑے کی سزا ہے (جب وہ زنا کریں) (بخاری کتاب النسیر) 3۔ سیدنا عبدہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے احکام سیکھ لو مجھ سے احکام سیکھ لو، مجھ سے احکام سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے سبیل پیدا فرمادی ہے، (وہ یہ کہ) کنوارا کنواری کے ساتھ بدکاری کرے تو اس کے لیے سو کوڑے اور اس کے لیے جلا وطنی ہے اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو ان (میں سے ہر ایک) کے لیے سو کوڑے اور رجم کی سزا ہے۔ (صحیح مسلم: 4414)

سوال 8: کیا نبی ﷺ کے دور میں زنا کی سزائے رجم دی گئی؟

جواب: 1- ماعز اور غامد یہ کو۔ 2- یہودی اور یہودیہ کے سلسلے میں آپ ﷺ نے رجم کا فیصلہ سنایا۔

سوال 9: کوئی مرد یا عورت گناہ کر بیٹھے تو اسلام اس سے کیسا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے؟

جواب: 1- ہر معاملہ قانون کے مطابق کیا جائے گا کسی کی ذاتی مرضی شامل نہیں ہوگی۔ قانون سے آزاد ہو کر معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ 2- معاملے کی پوری چھان بین کی جائے گی۔ چار گواہیوں کے بغیر کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔ قانون کا یہ تقاضا لازمی پورا کیا جائے گا۔ 3- اگر کسی فرد سے جرم سرزد ہوا ہے تو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ذاتی طور پر اس کے خلاف ظالمانہ کارروائی کرے۔ 4- جرم کی سزا کا تعلق عدلیہ سے ہے۔ اسلامی عدالت چھان بین کے بعد سزا کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کرے گی۔

سوال 9: اسلامی سزاؤں کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اسلامی سزاؤں کا مقصد عدل کا قیام ہے۔

سوال 10: عدل کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی سے۔ 2- معاملے کی چھان بین کرنے سے، گواہوں کی گواہی لے کر جرم ثابت کرنے سے۔ 3- قانون کے مطابق سزا دینے سے۔ 4- عدل کا قیام، ظلم اور بے انصافی سے نہیں ہو سکتا۔ 5- سزا دینے کے تمام حالات میں ملزموں کے لیے تحفظ کا پورا پورا انتظام کرنے سے۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيهِمْ مِّنكُمْ فَأُذُواهُم بِمَا قَالُوا أَصْلَحُوا فَتَابَ وَوَجَدَ لَهُمُ اتِّقَانًا إِتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (16)

اور تم میں سے جو بھی دو افراد بدکاری کریں ان دونوں کو سزا دو، پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (16)

سوال 1: وَالَّذِينَ يَأْتِيهِمْ مِّنكُمْ ” اور تم میں سے جو بھی دو افراد بدکاری کریں “ کی وضاحت کریں؟

جواب: 1- اس سے مراد غیر فطری فعل کا ارتکاب کرنے والے مرد ہیں۔ یہ قول مجاہد رحمہ اللہ کا ہے۔ 2- یہ آیت زانیہ عورت اور زانی مرد کے لیے ہے۔ 3- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس کو تم پاؤ کہ اس نے قوم لوط کا عمل کیا تو فاعل اور مفعول

دونوں کو قتل کر دو۔ (ترمذی: 1456)

سوال 2: فَأَذُوهُمَا ”أُنْ دُونُوں کو سزا دو“ اذیت دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”أُنْ دُونُوں کو سزا دو“ مسیدنا بن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اذیت یوں دی جائے گی:

1- سخت بُرا بھلا کہا جائے۔ 2- ان کو ذلیل کیا جائے۔ 3- ان کو مارا پیٹا جائے، جوتے وغیرہ مارے جائیں۔

سوال 3: فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرَضْنَا عَنْهُمْ ”پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اُن سے درگزر کرو“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اُن سے درگزر کرو“ جو لوگ توبہ کر لیں، اصلاح کی طرف گامزن ہو جائیں ایسے لوگوں کے بارے میں حکم ہے کہ: 1- انہیں معاشرے میں قبول کیا جائے۔ 2- انہیں پچھلے گناہ یاد نہ دلائے جائیں۔ 3- انہیں طعنے نہ دیئے جائیں۔ 4- ان کے ساتھ اصلاح کے معاملے میں تعاون کیا جائے۔ 5- ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ 6- ان کے جرائم کو بھلا دیا جائے۔ 7- اس معاشرے میں رہتے ہوئے انہیں تکلیف دینے سے بچایا جائے۔ 8- اس میں اخلاق کے اس دقیق نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بعض دفعہ حد سے زیادہ سزا اور ملامت ذوقِ گناہ کو اور بھڑکا دیتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجرموں کے دل میں شدید احساس پیدا کر دیا جائے اور بس جب یہ پیدا ہو جائے تو انہیں زیادہ تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ خود بخود درک جاتے ہیں۔ (تفسیر سراج البیان: 1/189)

سوال 4: توبہ اور اصلاح سے کیا مراد ہے؟

جواب: توبہ اور اصلاح سے مراد زندگی کی مکمل تبدیلی ہے۔

سوال 5: اگر معاشرہ اصلاح کرنے والے مجرموں کے ماضی کو نہ بھولے تو کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

جواب: 1- لوگ اصلاح کی راہ کو چھوڑ کر دوبارہ جرم کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ 2- معاشرے میں بگاڑ پیدا کر سکتے ہیں۔

3- معاشرے کو مزید گندا کر سکتے ہیں۔ 4- معاشرے کے لیے مزید مصائب کا سبب بن سکتے ہیں۔

سوال 6: إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے توبہ اور رحیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے گناہ گار انسانوں کے اصلاح کر لینے پر انہیں معاف کرنے کے لئے اپنے توب اور رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے تاکہ سزا دیتے ہوئے انسانوں کے اندر رحم کا جذبہ بے دار ہو اور وہ گناہ گاروں کو اصلاح کے بعد قبول کر لیں۔

سوال 7: اسلامی معاشرہ اپنی پاکیزگی کے لیے کیسے جدوجہد کرتا ہے؟

جواب: اس کے لیے اسلامی ریاست کے قیام کا انتظار کیے بغیر اخلاقی پاکیزگی کی کوششیں کی جانی چاہئیں۔
قانون کے نفاذ سے پہلے زنا کی ممانعت جیسے کئی دور میں کی گئی۔

i- وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوْجَ إِذْهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، یہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔ (بنی اسرائیل: 32) (زنا کے قریب نہیں جانا چاہئے۔)

ii- وَالَّذِينَ بَيْنَهُمُ الْبُرُؤُا وَبَيْنَهُمُ حُلُومٌ ۚ وَمَا يُغْنِي عَنْهُمُ حُلُومُهُمْ شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (مومنون: 5) (اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔)
سوال 8: جنسی بے راہ روی کیا ہے؟

جواب: جنسی تعلق کے لیے کسی ضابطہ اخلاق اور کسی قانون کا پابند نہ ہونا۔

سوال 9: جنسی بے راہ روی کو خوبصورت کیسے بنایا جاتا ہے؟

جواب: 1- جنسی بے راہ روی کو پاکیزہ موضوعات کے ساتھ پیش کر کے خوبصورت بنایا جاتا ہے۔ 2- عریانی کو رواج دے کر، جسموں کے ساتھ ساتھ جذبات کو عریاں کر کے، نوجوانوں پر سے خاندان کے کنٹرول کو ختم کر کے، عریاں ادب کے ذریعے صحت مند جنسی شعور کو عریاں جنسی بے راہ روی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ جنسی بے راہ روی کو فن اور فنکاری کے نام پر منظم کر کے اور جنسی بے راہ روی کو آزادی اور ترقی پسندی کا نام دے کر خوبصورت بنایا جاتا ہے۔

سوال 10: جنسی بے راہ روی کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: 1- جنسی بے راہ روی کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخلاقی ضابطے ٹوٹتے ہیں۔ 2- تہذیبوں کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ 3- قومیں زوال کے گڑھے میں جا گرتی ہیں۔

سوال 11: کیا گزشتہ اقوام نے جنسی بے راہ روی کے نتائج بھگتے ہیں؟

جواب: 1- گزشتہ اقوام نے جنسی بے راہ روی کے نتائج بھگتے ہیں، یونانی تہذیب کو جنسی بے راہ روی نے تباہ کیا۔ 2- رومی

تہذیب اور فارسی تہذیب کی تباہی کا سبب بھی جنسی بے راہ روی تھا۔ 3۔ آج مغربی تہذیب خاص طور پر یورپ اور امریکہ صنعتی و تمدنی ترقی کے عروج پر ہونے کے باوجود جنسی بے راہ روی کے ہاتھوں توڑ پھوٹ کا شکار ہیں۔

سوال 12: جنسی بے راہ روی کا اندازہ کس طرح سے لگایا جاتا ہے؟

جواب: 1۔ جنسی بے راہ روی کا اندازہ معاشرے کے رسوم و رواج سے لگایا جاتا ہے۔ 2۔ معاشرے کے ادب اور شاعری سے، عورت کے بازاری پن اور مرد و عورت کے اختلاط سے مثلاً مخلوط تعلیم، مخلوط مجالس وغیرہ سے لگایا جاتا ہے۔

سوال 13: کیا جنسی آزادی انسان کا حق ہے؟

جواب: 1۔ بے قید جنسی آزادی تو انسانی مرتبے سے گرنا ہے۔ 2۔ یہ حیوانی خواہشات کی غلامی ہے۔

سوال 14: انسان کے اندر پائے جانے والے جنسی جذبے اور حیوانی جنسی جذبے میں کیا فرق ہے؟

جواب:

انسان کا جنسی جذبہ	جانوروں کا جنسی جذبہ
1۔ انسان کی جنسی خواہش اس کی عقل کے کنٹرول میں ہے۔ عقل اس کے نظریے کی تابع ہوتی ہے۔	1۔ جانوروں کی جنسی خواہش فطری قید کے اندر ہے۔
2۔ انسانوں کے لیے موسم مقرر نہیں ہوتا۔	2۔ جانوروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسم مقرر کر دیا ہے جس میں نر اور مادہ کے اندر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔
3۔ انسان کا جنسی تعلق (نکاح) سکون کے حصول کے لیے بھی ہے اور حصولِ اولاد کے لیے بھی۔	3۔ جانوروں کا جنسی ملاپ فطرت کے مقاصد کے لیے ہوتا ہے یعنی نسل میں اضافے کے لیے۔
4۔ انسان کی عقل فطری خواہش اور دباؤ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور جسمانی تقاضوں کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں نفس کی خواہشات کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔	4۔ جانوروں کی مادہ نر کو متعین وقت میں قبول کرتی ہے اور نر بھی اسی وقت آمادہ ہوتا ہے جب مادہ تیار ہو۔

سوال 15: کیا جنسی بے راہ روی کے ہوتے ہوئے صنعت اور پیداوار کی کثرت سے انسانی تہذیب کو بچایا جاسکتا ہے؟
جواب: جنسی بے راہ روی انسان کی تباہی ہے۔ جب انسان تباہ ہو جائے تو صنعت اور پیداوار کی کثرت انسانی تہذیب کو بچا نہیں سکتی۔

سوال 16: اسلام نے جنسی بے راہ روی کے لیے سخت ترین سزائیں کیوں تجویز کی ہیں؟
جواب: 1- انسان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے۔ 2- انسانی زندگی کو انسانی بنیادوں پر چلانے کے لیے۔

سوال 17: کسی ادارے یا حکومت کا فحاشی پھیلا نا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: فحاشی پھیلا کر انسان کے اندر حیوانی شہوت رانی کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے عریانی کا ہتھیار کام آتا ہے۔ جب جسم عریاں ہو جائے، جذبات عریاں ہو جائیں، ادب عریاں ہو جائے تو جنسی بے راہ روی منظم ہوتی ہے۔ جو ادارے اس بے حیائی کو منظم کرتے ہیں، جو حکومتیں اس بے حیائی کی حمایت کرتی ہیں اور اسے فروغ دیتی ہیں، وہ دراصل جرم کا ارتکاب کرتی ہیں چاہے یفن کے نام پر ہو یا ترقی پسندی اور روشن خیالی کے نام پر ہو۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (17)

اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا صرف انہی کے لیے ہے جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر جلد ہی اس سے توبہ کرتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (17)

سوال 1: إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ” اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا صرف انہی کے لیے ہے جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر جلد ہی اس سے توبہ کرتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے، اسلام مجرموں کے کون سے حق کو تسلیم کرتا ہے؟

جواب: ”اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا صرف انہی کے لیے ہے جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر جلد ہی اس سے توبہ کرتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے،“ 1- توبہ کے حق کو کہ جو توبہ کرنا چاہے، جو پلٹنا چاہے، جو پاک ہونا چاہے، اسلام اس کی واپسی کے لیے دروازے کھلے رکھتا ہے، اس کی واپسی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ 2- لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ یعنی جو گناہ اور

نافرمانی کے کام کرتے ہیں۔ 3۔ پَجْهَالَةً جہالت، لاعلمی کی حالت کو کہتے ہیں۔ 4۔ ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، جاہل ہے۔ (تفسیر المیز: 628/2) 5۔ هُمْ يَشُؤُونَ مِنْ قَرِيْبٍ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حیات اور صحت میں۔ (تفسیر جامع البیان: 314/4) 6۔ معصیت پر ندامت اور اس کے ترک کا عزم، عمل معصیت کے بعد جس قدر بھی جلد ہو سکے اس کا مطلوب ہونا ظاہر ہے، اور اس میں جتنی تاخیر ہوتی جائیگی، قبول توبہ کے امکانات ضعیف ہی ہوتے جائیں گے۔ (تفسیر ماہدی: 708/1) 7۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ندامت ہی توبہ ہے“۔ (ابن ماجہ: 4252) 8۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ سَأَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ”وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔“ (آل عمران: 135) 9۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سارے بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں“۔ (جامع ترمذی: 2499)

سوال 2: توبہ کیا ہے؟

جواب: 1۔ توبہ صرف الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کا نام نہیں۔ 2۔ توبہ اپنی گناہ گاری کے شدید احساس کا نام ہے۔ 3۔ توبہ امید کی کرن ہے۔ 4۔ توبہ گناہ سے ہمیشہ کے لیے رجوع ہے۔ 5۔ توبہ میں حقیقی نیت ہوتی ہے۔ 6۔ توبہ میں پاکیزگی اختیار کرنے کا عزم ہوتا ہے۔

سوال 3: توبہ انسان کے لیے کس نوعیت کا معاملہ ہے؟

جواب: اگر انسان اپنی توبہ میں serious ہو، اگر وہ شدت سے اپنے گناہ کو محسوس کرے تو توبہ اپنے آپ کو سزا دینے کے مترادف ہو جاتی ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کس توبہ کو قبول کر لیتے ہیں؟

جواب: 1۔ وہ توبہ جو دل کی گہرائیوں سے اُٹھے۔ 2۔ وہ توبہ جو انسان کو اندر سے ہلا دے۔ 3۔ وہ توبہ جس سے پتہ چلے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ گیا ہے۔ 4۔ وہ توبہ جس میں پوری عمر کے لیے رجوع ہو۔ 5۔ وہ توبہ جس میں نیت خالص اور سچی ہو کہ آئندہ گناہ سے پاک زندگی گذارنی ہے۔ 6۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتے ہیں جو نادانی کی وجہ سے برُ افعال

کر گزرے۔ 7۔ جو قتی جذبے سے مغلوب ہو کر بری حرکت کر بیٹھے۔ i۔ پھر جلد ہی اپنی غلطی کا احساس کر لے۔ ii۔ برائی کو چھوڑ کر نیک روش اختیار کرے۔ iii۔ شریعت کے مطابق زندگی کی اصلاح کرے۔ 8۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب العزت سے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: کسی بندے نے گناہ کیا: پھر عرض کیا اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر عرض کرتا ہے کہ اے رب میرے گناہ کو معاف فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر عرض کرتا ہے کہ اے رب میرے گناہ کو معاف فرما اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ تو جو چاہے کر میں نے تجھے معاف کر دیا۔ عبدالاعلیٰ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا کہ جو چاہو عمل کرو۔ (مسلم: 6986) 9۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، میں نے سنا، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: 6307) 10۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔ میں بارگاہ الہی میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: 6859)

سوال 6: کس کی توبہ قبول ہوتی ہے؟

جواب: جو سکر ات موت سے پہلے توبہ کر لیتے ہیں۔

سوال 7: سچی توبہ کیا ہے؟

جواب: 1۔ گناہ پر ندامت کے بعد گناہ سے نکل آنا۔ 2۔ نیک کام کا عزم کر لینا۔ 3۔ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا۔

ابوسعید سعد بن مالک بن سنان الخدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص تھا، اس نے ننانوے قتل کیے۔ پس اس نے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کی بابت لوگوں سے پوچھا، تو اسے ایک راہب (پادری) کا پتہ بتلایا گیا، اس نے اس سے جا کر پوچھا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ اس نے اس پادری کو بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر لی، اس نے پھر پوچھا کہ مجھے سب سے بڑا

عالم بتلاؤ؟ اسے ایک عالم کی نشاندہی کی گئی، اس نے اس سے جا کر پوچھا کہ اس نے سو آدمی قتل کیے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟، اس عالم نے کہا، ہاں، کون ہے جو اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان حائل ہو؟ جا، فلاں زمین (علاقے میں چلا جا! بلاشبہ وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کر اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ آنا، یہ برائی کی زمین ہے۔ چنانچہ اس نے نیکیوں کی اس بستی کی طرف سفر شروع کر دیا، ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے موت آگئی (اس کی روح کو لینے کے لیے) رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے (دونوں ہی) آگئے اور ان کے مابین جھگڑا شروع ہو گیا۔ ملائکہ رحمت نے کہا، وہ تائب ہو کر آیا تھا اور دل کی پوری توجہ سے وہ رب کی طرف آنے والا ہے۔ عذاب کے فرشتے بولے، اس نے کبھی بھلائی کا کام نہیں کیا (اس لیے وہ عذاب کا مستحق ہے، ان فرشتوں کے مابین یہ جھگڑا جاری تھا) پس ایک فرشتہ، آدمی کی شکل میں آیا، اسے انہوں نے اپنا حکم بنا لیا، اس نے فیصلہ دیا، دونوں زمینوں کے مابین مسافت کو ناپو۔ (یعنی جس علاقے سے وہ آیا تھا وہاں سے یہاں تک کا فاصلہ اور یہاں سے نیکیوں کے علاقے کا فاصلہ، دونوں کی پیمائش کرو)۔ ان دونوں میں سے وہ جس کے زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے پیمائش کی تو انہوں نے اس زمین کو زیادہ قریب پایا جس کی طرف وہ ارادہ کیے جا رہا تھا، پس اسے رحمت کے فرشتوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ (صحیح مسلم: 7008) ابو نعیم (نون پر پیش اور جم پر زبر) عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبینہ قبیلے کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ اتکاب زنا سے حاملہ تھی۔ اس نے (آکر) کہا، یا رسول اللہ! مجھ سے حد والے گناہ کا اتکاب ہو گیا ہے، آپ مجھ پر حد قائم فرما دیجیے! نبی ﷺ نے اس کے ولی (وارث، قریبی رشتے دار) کو بلایا اور فرمایا، اس کو اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھو اور جب یہ بچہ جنم لے تو اس کے بعد اس کو لے آنا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کے پیغمبر نے اس کی بابت حکم دیا تو اس کے کپڑے اس پر مضبوطی سے باندھ دیے گئے، پھر آپ ﷺ کے حکم پر اسے رحم کر دیا گیا، پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اس بدکاری کرنے والی عورت پر آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (عمر! تمہیں نہیں معلوم) اس عورت نے ایسی (خالص) توبہ کی ہے کہ اگر اسے اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کو کافی ہو جائے۔ کیا اس سے بھی افضل کوئی بات ہے کہ اللہ عزوجل کی رضا کے لیے اس نے اپنی جان تک قربان کر دی؟ (صحیح مسلم: 4433)

سوال 8: توبہ کس لیے قبول کی جاتی ہے؟

جواب: 1- توبہ ایک دروازہ ہے جس کو گناہ گاروں کے لیے کھلا رکھا گیا ہے تاکہ وہ امن اور سکون میں واپس آجائیں۔
2- تاکہ شیطان کے زیر سایہ کام کرنے والے گروہ سے واپس نکل سکیں۔ 3- تاکہ نیک زندگی کا آغاز کر سکیں۔
سوال 9: سچی توبہ سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: 1- انسان کو یانیا جنم لیتا ہے۔ 2- انسان کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ 3- انسان کی زندگی سلجھ جاتی ہے۔
سوال 10: قَدْ وَدَّيْكَ يٰمُؤْمِنُوۡلِ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ” تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے، کی وضاحت کریں؟
جواب: ”تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے“ 1- اللہ تعالیٰ گناہ گناروں پر نظر کرم کرتا ہے، اپنے کمزور بندوں کو لوٹنے کا موقع دیتا ہے تاکہ وہ پھر سے پاک صاف ہو جائیں۔ 2- اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ توبہ اللہ تعالیٰ پر استحقاق ہے۔ قبولیت توبہ ایک ایسا حق ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے جو دو کرم کی بناء پر اپنے آپ پر اس بندے کے لیے لازم فرمایا ہے جو برا کام کر بیٹھتا ہے۔ (تفسیر سعدی) 3- یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے، جب وہ اس کی طرف توبہ کرتا ہے، اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی جنگل بیابان میں اپنی سواری پر سوار ہو، اسی پر اس کے کھانے، پینے کا سامان بھی ہو کہ وہ سواری اس سے چھوٹ جائے (سلاش بسیار کے بعد) وہ اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے تلے آ کر لیٹ جائے جب کہ وہ سواری سے مایوس ہو چکا ہو کہ اتنے میں وہ سواری اس کے سامنے آکھڑی ہو۔ وہ اس کی مہار پکڑ کر خوشی کی شدت میں کھہ ڈالے، اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب۔ فرط خوشی میں وہ غلطی کر جائے۔ (صحیح مسلم: 6960)
4- سیدنا ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے۔ اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا (دن کو) توبہ کر لے، (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (جو قرب قیامت کی نشانی ہے) اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا) (صحیح مسلم: 6989) 5- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آن سیدنا ﷺ نے فرمایا اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے گا اس کی رحمت اس قدر وسیع ہے مگر شرط یہ ہے کہ توبہ صدق دل سے ہو تدلل اور انکسار کے ساتھ رو رو کر اپنے مالک سے گناہوں کی معافی مانگے تو ضرور اس کی رحمت جوش میں آئے گی۔ (ابن ماجہ: 4248)

سوال 11: وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا” اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے، اللہ تعالیٰ

نے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: 1- اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کے لئے اپنے علم اور حکمت کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کون نادانی سے کوئی بُرائی کر گزرتا ہے اور جلد باز آجاتا ہے اور کون سچی توبہ کرتا ہے؟ 2- اللہ تعالیٰ علیم ہے توبہ میں اخلاص کا پوری طرح علم رکھتا ہے۔ 3- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کمزوری کو جانتا ہے وہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ 4- اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ ہر چیز کو ایسی جگہ رکھتا ہے جس کے وہ لائق ہو، جہالت سے نافرمانی کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهُنَّ وَلَا الَّذِينَ
يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۗ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (18)

اور توبہ ایسے لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے وہ کہتا ہے کہ بلاشبہ اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی ان کی توبہ ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (18)

سوال 1: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهُنَّ اور توبہ ایسے لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے وہ کہتا ہے کہ بلاشبہ اب میں نے توبہ کی، کن لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتی؟

جواب: 1- جو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں۔ 2- جو برے کام کیے چلے جائیں۔ 3- خطا کاری میں گھرے ہوئے شخص کی توبہ، توبہ نہیں ہے۔ 4- مجبور کی توبہ، توبہ نہیں ہے۔ جیسے مرنے والے کی اس لیے کہ اس کے پاس اب گناہ کرنے کا موقع نہیں رہ گیا۔ امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ حلق میں آخری سانس اٹکنے سے پہلے تک قبول کرتا ہے۔ (ترمذی: 3537)

سوال 2: وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا اور نہ ہی ان کی توبہ ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں، کی وضاحت کریں؟

جواب: اور نہ ہی ان کی توبہ ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جاتی

جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سوال 3: اُولَئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ جو شخص کبیرہ گناہوں کفر اور شرک کی حالت میں بغیر توبہ کیے وفات پا جائے کیونکہ مومن توحید پرست کو آگ سے نکال لیا جائے گا اور کافر آگ میں ہمیشہ رہے گا۔ سیدنا ابو ذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“ یا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے بندے کو معاف فرماتا ہے جب تک حجاب واقع نہ ہو۔“ عرض کی گئی کہ وقوع حجاب سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ جب جان نکلے تو وہ مشرک ہو۔“ (احمد: 21578)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجِلْ كَلِمَ أَنْ تَرْتُوا اللَّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْصُوا لَهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْنَاكُمْ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِقَاسٍ مَبِينٍ وَعَايِرُوا هُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُنَّ أَشْيَاءً وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (19)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ ہی تم انہیں روکو کہ جو تم نے انہیں دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے وصول کرو مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزارو۔ پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم جس کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت زیادہ بہتری رکھ دی ہو۔ (19)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے بیان کیا ہے کہ آیت ”اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک ہو جاؤ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے، اس کا کچھ حصہ وصول کر لو، انہوں نے بیان کیا، کہ جاہلیت میں کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے رشتہ دار اس عورت کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے۔ اگر انہیں میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا، یا پھر وہ جس سے چاہتے اسی سے اس کی شادی کرتے اور چاہتے تو نہ بھی کرتے، اس طرح

عورت کے گھر والوں کے مقابلے میں بھی شوہر کے رشتہ دار اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے، اسی پر یہ آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجِلُّ كُفْمُكُمْ أَنْ تَوَثُّوا لِلنِّسَاءِ كُفْمًا“ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: 4579)

سوال 2: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجِلُّ كُفْمُكُمْ أَنْ تَوَثُّوا لِلنِّسَاءِ كُفْمًا“ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ“ 1۔ اسلام نے مرنے والے کی بیوی کو بطور میراث حاصل کرنے کو ناجائز قرار دیا۔ 2۔ اُسے قید کر کے عضوِ معطل بنانے کی ممانعت کر دی۔

سوال 3: عرب جاہلیت میں لوگ کیسے عورتوں کے وارث بن بیٹھے تھے؟

جواب: 1۔ عربوں میں مرنے والے کے ورثاء اس کی بیوی کے حقدار بن جاتے تھے۔ اگر چاہتے تو نکاح کر لیتے اور چاہتے تو اس کا کسی اور کے ساتھ نکاح کر کے مہر حاصل کر لیتے۔ اگر چاہتے تو گھر میں عضوِ معطل کی طرح رکھ چھوڑتے، نہ نکاح کرتے نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کو معاوضہ دے کر چھڑاتی تھی۔ 2۔ عربوں میں یہ رواج بھی تھا کہ جو شخص بیوی کو طلاق دیتا تو یہ شرط عائد کر دیتا کہ وہ صرف اس جگہ نکاح کرے گی جس کی اجازت دوں گا۔ عورت اس کو مہر لوٹاتی اور دوسرے شخص بھی واپس کرتی تھی۔ 3۔ بعض اوقات بیوہ کو چھوٹے بچے کے لیے بند رکھا جاتا۔ 4۔ بعض اوقات یتیم لڑکی کو بند رکھا جاتا تاکہ ولی کا یتیم لڑکا بالغ ہو جائے اور وہ اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دے۔ 5۔ بعض جگہ یہ رواج تھا کہ شوہر کے فوت ہونے کے بعد ولی عورت پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور اسے تمام لوگوں سے روک لیتا۔ پھر چاہتا تو نکاح کر لیتا اور نہ قید کر دیتا تھا۔

سوال 4: اسلام نے عورت کو کیا حق دیا ہے؟

جواب: 1۔ جہاں چاہے نکاح کرے۔ اس کی اجازت کے ساتھ ہی ولی اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ 2۔ مرد عورت کے ساتھ معروف طریقے پر زندگی گزارے۔ 3۔ عورت ناپسند بھی ہو تو اپنے اندر اس کے لیے نفرت نہ آنے دے۔ 4۔ طلاق دینے سے پہلے خوب غور و غوض کر لے ہو سکتا ہے کہ بیوی ناپسند ہو لیکن اس میں بھلائی ہو۔

سوال 5: ”وَلَا تَتَّخِذُوا هُنَّ لِتَدْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ“ اور نہ ہی تم انہیں روکو کہ جو تم نے انہیں دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے وصول کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور نہ ہی تم انہیں روکو کہ جو تم نے انہیں دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے وصول کرو“ 1۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ حلال

نہیں ہے کہ عورتوں کو تنگ کر کے ان کے مہر کا کچھ حصہ اڑانے کی کوشش کی جائے۔ 2۔ انسان اس وقت مہر اڑانے کی کوشش کرتا ہے جب وہ علیحدگی کا فیصلہ کر لے۔ وہ جھوٹے الزام لگاتا ہے، ظالمانہ کاروائیاں کرتا ہے تاکہ بیوی گھبرا کر بھاگ جائے۔ وہ ضد میں آ کر مہر چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ 3۔ مہر چھیننا عہد کی خلاف ورزی ہے۔ اس عہد کی پابندی ضروری ہے۔ 4۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (آیت میں) وَلَا تَعْضُوهُنَّ کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جبر و قہر نہ کرو (بخاری کتاب النسب)

سوال 6: اِنَّ الْيٰتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِيْنَةٍ ” مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب 1: یہاں اللہ تعالیٰ نے ایسے شوہر کو حکم دیا ہے جو اپنی بیوی سے نفرت کرتا ہے کہ اگر عورت کھلی بے حیائی یعنی زنا کا ارتکاب کرے تو جو مہر اس نے دیا، اسے لوٹالے اور اگر بیوی نہ مانے تو اسے مجبور کرے۔ 2۔ بِفَاحِشَةٍ مُّبِيْنَةٍ اس سے مراد زنا ہے جب وہ ایسا کریں تو ان سے مہر لے لو۔ (تفسیر جامع البیان: 4/324)

سوال 7: مردوں کو حکم دیا گیا: وَعٰشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ”اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزارو“ عورت کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ کیسے رہیں؟

جواب: ”اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزارو“ 1۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ”اور عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے اوپر حق ہے اور مردوں کا ان پر ایک درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے“ (البقرہ: 228) 2۔ ”تم لوگ عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امانت کے ساتھ انھیں حاصل کیا ہے۔ اور تم نے اللہ کے حکم سے ان کی شرم گاہ کو حلال سمجھا ہے اور تمہارے لئے ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے کسی آدمی کو نہ آنے دیں کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ اس طرح کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار کہ انکو چوٹ نہ لگے اور ان عورتوں کا تم پر بھی حق ہے کہ تم انھیں حسب اطاعت کھانا پینا اور لباس دواور میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوں گے۔ اور تم لوگ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ انھوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی اور آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اور لوگوں کی طرف منہ موڑتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا“ اے اللہ! گواہ رہنا آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے۔ (صحیح مسلم: 2950) 3۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمانداروں میں ایمان

کے لحاظ سے کامل وہ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے اچھے ہیں۔ تم میں بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے (حسن سلوک میں) بہتر ہیں (سنن ترمذی: 1162) 4۔ ہم سے عبد اللہ بن سلام نے بیان کیا کہا ہم کو ابو معاویہ نے خریدی کہا ہم سے ہشام نے ان سے ان کے والد نے ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے یہاں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی میری بہت سی سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں جب آسیدنا ﷺ اندر تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں پھر آسیدنا ﷺ انھیں میرے پاس بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔“ (صحیح بخاری: 6130) 5۔ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس تشریف لائے اور میرے گھر کے طاق پر پردہ بڑا تھا اس میں گڑیاں رکھی تھیں ہوا جو چلی تو پردے کا ایک کونا ہوا سے اڑ گیا، اور میرے کھیلنے کی گڑیاں نظر آنے لگی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا میری گڑیاں! آپ ﷺ نے دیکھا ان گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا، جس کے دونوں پر کپڑے کے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ گڑیوں کے درمیان مجھے کیا نظر آ رہا ہے؟ سیدنا عائشہ نے کہا گھوڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اوپر کیا لگے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا، سیدنا سلیمان کے پاس پروں والے گھوڑے تھے، یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے دیئے یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں کھل گئیں۔ (ابوداؤد: 4932) 6۔ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، انہوں نے سنا کہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز بلند ہوئی ہے، جب وہ اندر تشریف لائے انہوں نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو طمانچہ مارنے کے لیے پکڑا اور فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم رسول اللہ ﷺ پر اپنی آواز بلند کر رہی ہو۔ آپ ﷺ نے ان کو روکنا شروع کر دیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے سے باہر نکل گئے، جب وہ باہر تشریف لے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا دیکھ لیا کہ میں نے تم کو اس شخص سے یعنی تمہارے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کس طرح بچایا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کئی دن تک نہ آئے اس کے بعد جب تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی اور انہوں نے دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے سے رضامند ہو گئے ہیں یعنی آپ ﷺ اور سیدنا عائشہ کا ملاپ ہو گیا ہے، تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ مجھے اپنی صلح میں بھی شامل کرو، جس طریقے سے مجھے لڑائی میں شامل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم نے شامل کیا، ہم نے شامل کیا۔ (ابوداؤد: 4999) 7۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے اور ایک سیاہ قام غلام جسے انجھہ کہا جاتا تھا وہ شعر پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”اے انجھہ! ذرا

آہستہ آہستہ چل اور ان اونٹوں کو شیشہ لدے ہوئے اونٹوں کی طرح ہانک۔“ (صحیح مسلم: 6036) 8۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا متاع یعنی سامان ہے اور دنیا کا بہترین مال و متاع نیک بیوی ہے۔“ (صحیح مسلم: 3649) 9۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ”دنیا کی ساری پونجی فائدہ ہے لیکن اس میں سب سے بڑھ کر فائدے اور مالیت کی چیز نیک بخت عورت ہے یعنی جس کو نیک بخت خوش اخلاق عورت ملے اس کو سب سے بڑھ کر دنیا میں دولت ملی“ (نسائی: 3234) 10۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا متاع یعنی سامان ہے اور دنیا کا بہترین مال و متاع نیک بیوی ہے۔“ (صحیح مسلم: 3649) سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا واجب ہے۔ شوہر پر لازم ہے: 1۔ اس کا پورا مہر ادا کرے۔ 2۔ اخراجات اور باری کی تقسیم میں انصاف کرے۔ 3۔ بیوی کے ساتھ نرم گفتگو کرے۔ 4۔ بیوی کو بے سبب نہ مارے۔ 5۔ بیوی کے ساتھ سختی سے برتاؤ نہ کرے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مرد کسی مومنہ عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی ایک خصلت اسے بُری لگے تو دوسری اچھی لگے گی۔“ (مسلم: 3645)

سوال 8: اسلامی نقطہ نظر سے ایک گھرانے کو کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: 1۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایک گھرانے کو امن و سکون کی جگہ، محبت کا مسکن اور اخلاص والا گھرانہ ہونا چاہیے۔ 2۔ خاندان میں میاں بیوی کے تعلقات اُنس، محبت، ہمدردی اور ایثار کی بنیاد پر قائم ہوں۔ 3۔ خاندان میں شوہر اور بیوی کا تعلق، رضامندی اور آزادی کی بنیاد پر قائم ہو۔ 4۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات میں خرابی آجانے کی صورت میں بھی شوہر برداشت کرے تاکہ پہلے ہی جھگڑے میں رشتہ نہ ٹوٹ جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نصیحت کی جو اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تھا اس بناء پر کہ اسے اپنی بیوی سے محبت نہ تھی: ”تم برباد ہو جاؤ! کیا گھرانہ قائم ہونے کے لیے محبت کے سوا کوئی اور بنیاد نہیں ہوتی! پرورش اور ذمہ داریوں کا کیا ہوگا؟“ (فقہ عمرا کتاب الطلاق)

سوال 9: خاندان کی ترقی کا راز کیا ہے؟

جواب: خاندان کے افراد ایک دوسرے کی کمزوریوں کو نظر انداز کریں، ان کی خوبیوں کو ابھرنے کا موقع دیں۔

سوال 10: جب لوگ مل کر رہتے ہیں تو شکایات کیوں پیدا ہو جاتی ہیں؟

جواب: انسانی طبیعتیں مختلف ہیں اس لیے شکایات لازماً پیدا ہوں گی۔ شکایتوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔

سوال 11: فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَمَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ أَشْيَاءَ وَيُجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرٌ كَثِيرًا ” پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم جس کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت زیادہ بہتری رکھ دی ہو، وضاحت کریں؟

جواب: ”پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم جس کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت زیادہ بہتری رکھ دی ہو“ 1۔ جب انسان کو دوسرے میں مزاج کے خلاف بات نظر آتی ہے تو وہ اس بات کو لے کر ناراض ہو جاتا ہے حالانکہ اس واقعے میں انسان کے لیے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ 2۔ کبھی اختلاف میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا موقع ملتا ہے۔

3۔ کبھی ایک چھوٹی سی تکلیف میں بڑا سبق چھپا ہوا ہوتا ہے۔ خَيْرٌ كَثِيرًا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی وجہ سے رزق دے، اولاد دے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو دشمن نہ رکھے۔ اگر کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو اس کی دوسری عادت سے خوش ہو جائے گا یا اس کے علاوہ اور کچھ فرمایا۔“ (صحیح مسلم: 3645) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو جس وقت مجھ سے راضی ہوتی ہے جس وقت کہ تو غصہ میں ہوتی ہے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: آپ یہ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو مجھ سے راضی ہوتی تو شکر کہتی ہے محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تو غصہ میں ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ”بے شک اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! میں تو صرف آپ کا نام مبارک ہی چھوڑتی ہوں۔“ (صحیح مسلم: 6285) یعنی اے شوہر! تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اپنے پاس رکھو کیونکہ ایسا کرنے میں خیر کثیر ہے۔ مثلاً

1۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی وصیت کو قبول کرنا ہے۔ جس کے اندر دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔
2۔ شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ عدم محبت کے باوجود اپنے آپ کو اس کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا، اس میں مجاہدہ نفس بھی ہے اور خلق جمیل سے آراستہ ہونا بھی۔ 3۔ بسا اوقات ناپسندیدگی زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محبت لے لیتی ہے جیسا کہ فی الواقع ہوتا ہے۔ 4۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو صالح اولاد عطا کر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اپنے والدین کو نفع دیتی ہے۔ بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے میں ان تمام امور کے امکانات موجود ہیں۔ البتہ جب بیوی سے مفارقت ناگزیر ہو جائے اور اس کو ساتھ رکھنے کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آئے، تب اسے روک رکھنا لازم نہیں۔ (تفسیر السعدی: 1/496، 495)

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مِّمَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْلَاهُنَّ قَطْرًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ سُبُحًا ۖ أَتَأْخُذُونَ مِنْهُ بِهَيِّئَاتِنَا
وَإِشْمَائِمِيًّا (20)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنے کا ارادہ کر لو اور تم نے ان میں سے ایک کو خزانہ تک دے دیا ہو تو بھی اس میں سے تم کچھ واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لوگے؟ (20)

سوال 1: وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مِّمَّكَانَ زَوْجٍ ”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنے کا ارادہ کر لو“ اگر مرد کے لیے بیوی کا بدلنا ناگزیر ہو جائے تو پہلی بیوی کے مہر اور مال کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب: 1- مہر عورت کا ہے۔ 2- مہر کے علاوہ جو مال عورت کو دیا گیا ہے وہ بھی عورت کا ہے اگرچہ وہ مال بڑی مقدار میں ہو، قیمتی ہو۔ 3- یہ مال واپس لینا قابل نفرت فعل ہے، صریح گناہ ہے۔

سوال 2: وَإِتْيَانُكُمْ إِحْلَاهُنَّ قَطْرًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ سُبُحًا ”اور تم نے ان میں سے ایک کو خزانہ تک دے دیا ہو تو بھی اس میں سے تم کچھ واپس نہ لو“ یہاں خزانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”اور تم نے ان میں سے ایک کو خزانہ تک دے دیا ہو تو بھی اس میں سے تم کچھ واپس نہ لو“ یہاں خزانے سے مراد وہ مال ہے جو حق مہر کی صورت میں دیا جا چکا ہے۔ اگر خود طلاق دی ہے تو حق مہر واپس نہ لو۔

سوال 3: أَتَأْخُذُونَ مِنْهُ بِهَيِّئَاتِنَا وَإِشْمَائِمِيًّا ”کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لوگے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے واپس لوگے؟“ 1- کیا تم اسے بہتان لگا کر یا ناحق ظلم جھوٹے افتراء یا کھلے گناہ یا عظیم گناہ سے لوگے۔ (ایسر التفسیر: 248,249) 2- اس میں کثیر مہر کا جواز ہے جب کہ نبی ﷺ اور ان کے اصحاب نے قلیل دیا تھا۔ (تفسیر القرطبی: 99/5) 3- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا لوگو تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے زمانہ کے آپ کے اصحاب علیہم السلام نے تو چار سو درہم ”تقریباً سو روپیہ“ مہر باندھا ہے اگر یہ تقویٰ اور کرامت کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتا تو تم زیادہ حق مہر ادا کرنے میں بھی ان پر سمقت نہیں کر سکتے تھے خبردار آج سے میں نہ سنوں کہ کسی نے سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا یہ فرما کر آپ نیچے آئے تو ایک قریشی خاتون سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المؤمنین کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے حق مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے آپ

نے فرمایا ہاں کہا کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا؟ کہا وہ کیا؟ کہا سنئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ”تم نے انہیں خزانہ دیا ہو“ سیدنا عمر نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما عمر سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے پھر واپس اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا لوگو میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے میں نہیں روکتا“ (تفسیر منیر: 641/2) 4۔ ابوداؤد اور حاکم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا مہر آسان مہر ہے۔ (تیسیر الرحمن: 246)

وَ كَيْفَ تَأْخُذُونَكَ وَقَدْ أَقْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَا مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (21)

اور تم وہ کیسے لے سکتے ہو؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے مضبوط عہد بھی لے چکی ہیں۔ (21)

سوال 1: وَ كَيْفَ تَأْخُذُونَكَ وَقَدْ أَقْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ ”اور تم وہ کیسے لے سکتے ہو؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے صحبت کر چکے ہو“ ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: 1۔ اس سے مراد ہم بستری ہے۔ 2۔ ابن عباس نے کہا الا فضاء اس آیت میں جماع سے کنایہ ہے۔ (تفسیر منیر: 635/2)

سوال 2: وَأَخَذْنَا مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ”اور وہ تم سے مضبوط عہد بھی لے چکی ہیں“ مضبوط عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟ جواب: مضبوط عہد و پیمان سے مراد وہ عہد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان سے چھوڑ دینا۔ قنادہ نے فرمایا: ميثاق غليظ سے مراد مردوں کی جانب سے عورتوں کو دیا گیا عہد ہے۔

1۔ قَامَسَاكُ بِعَرُوفٍ ”پھر یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے“ 2۔ أَوْ تَسْرِيَةً بِإِحْسَانٍ ”یا نیکی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے“ (تفسیر جامع البیان: 329/4)

سوال 3: اسلام ایک مرد کو مہر اُڑانے سے کیسے باز رکھتا ہے؟

جواب: 1۔ آخر تم کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ 2۔ اسلام توجہ دلاتا ہے کہ تم نے جو راز و نیاز کر کے لطف اُٹھایا، تم نے جسمانی طور پر جو لطف اُٹھایا، تم نے جذباتی طور پر لطف

اٹھایا، تم نے جوان کے لمس سے لطف اٹھایا، تم نے جو غموں میں خوشیوں میں شرکت سے لطف اٹھایا، تم نے جو مشترکہ پروگرام بنا کر لطف اٹھایا، تم نے جو مشترکہ اولاد سے لطف اٹھایا، ان یادوں کے ساتھ ان چیزوں کا مطالبہ کتنا حقیر ہے! انسان جب اپنے ماضی پر نظر ڈالتا ہے تو اس مطالبے سے باز آ جاتا ہے۔ 3۔ تمہارے اور ان کے درمیان نکاح کا پختہ معاہدہ تمہیں اس کے احترام کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۗ وَسَاءَ سَبِيلًا (22)

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو مگر جو پہلے ہو چکا، یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حیائی اور سخت ناراضگی کی بات ہے اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔ (22)

سوال 1: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ” اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو،“ سو تیلی ماں سے نکاح نہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ”اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو“ 1۔ باپ کی جگہ بیٹے کا آنا ادب کے خلاف ہے کیونکہ ایسی صورت میں بیٹا باپ کے برابر ہو جاتا ہے۔ 2۔ فطرتاً انسان بیوی کے پہلے شوہر کو ناپسند کرتا ہے یوں وہ اپنے باپ سے نفرت کرنے لگے گا۔

سوال 2: إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ” مگر جو پہلے ہو چکا“ کا اطلاق کہاں ہوتا ہے؟

جواب: ”مگر جو پہلے ہو چکا“ 1۔ زندگی کے نظام میں جب بھی تبدیلی آئے تو ماضی کے بہت سارے کام نئے معاملات کے معیار پر غلط نظر آتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ماضی کو گزر دینا یا گذشتہ غلطیوں پر انتقامی کارروائی کرنا بے شمار نئے مسائل پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ 2۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ماضی کو بھلا دیا جائے۔ 3۔ حال اور مستقبل کی اصلاح پر کوشش لگائی جائے۔

سوال 3: إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا ۗ وَسَاءَ سَبِيلًا ” یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حیائی اور سخت ناراضگی کی بات ہے اور بہت ہی بُرا راستہ ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حیائی اور سخت ناراضگی کی بات ہے اور بہت ہی بُرا راستہ ہے“ 1۔ اللہ تعالیٰ نے باپ کی عزت، تعظیم اور احترام کی وجہ سے یہ حرام قرار دیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرے۔ (دعوت القرآن)

2۔ وَمَقَاتِلَ اللَّهِ تَعَالَىٰ كِي طرف سے مقت شدید لغض ہے۔ (تفسیر منیر: 2/645) 3۔ وَسَاءَ سَبِيْلًا حَافِظِ ابْنِ كَثِيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمْ كَمَا هُوَ كَر اِي سى حر كت كرنے والا اسلام سے مرتد مانا جائے گا اس ليے اسے قتل كر ديا جائے گا اور اس كا مال بيت المال ميں دے ديا جائے گا۔ (تيسير الرحمن)

آخري آيات

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَابْنَاتُكُمْ وَاَخْوَانُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَالْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي اَرْضَعْتُمْ وَاَخْوَانُكُمْ مِنَ الرِّضَاعِ وَاَقْرَبُ نِسَابِكُمْ وَاَقْرَبُ نِسَابِكُمْ الَّتِي فِي حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَابِكُمْ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنَّ لَكُمْ تَكْوِيْنًا مِّمَّنْ حَلَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَاَقْرَبُ نِسَابِكُمْ وَاَقْرَبُ نِسَابِكُمْ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنَّ لَكُمْ تَكْوِيْنًا مِّمَّنْ حَلَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَاَقْرَبُ نِسَابِكُمْ مِّنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْبَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَآذُرَ سَلَفٍ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوْرًا رَّحِيْمًا (23)

تم پر حرام كى گئى هيں تمهارى مائىں اور تمهارى بيٺياں اور تمهارى بهنئىں اور تمهارى پھوپھياں اور تمهارى خالائىں اور بھائى كى بيٺياں اور بهن كى بيٺياں اور تمهارى وه مائىں جنھوں نے تمھيں دودھ پلایا اور رضاعت ميں تمھاري بهنئىں اور تمھاري بيويوں كى مائىں اور تمھاري گود ميں پرورش پانے والى وه لڑكياں جو تمھاري ان بيويوں سے هوں جن سے تم نے صحبت كى هے، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نهيں كى تو تم پر كوئى گناھ نهيں، اور تمھارے ان بيٺوں كى بيوياں جو تمھاري صلب سے هيں، اور يه كه تم اكٹھا كر دو، بهنوں كو مكر جو پہلے هو چكا، يقيناً اللہ تعالٰى بے حد بخشے والا، نهايت رحم كرنے والا هے۔ (23)

سوال 1: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَابْنَاتُكُمْ وَاَخْوَانُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَالْاُخْتِ ”تم پر حرام كى گئى هيں تمھاري مائىں اور تمھاري بيٺياں اور تمھاري بهنئىں اور تمھاري پھوپھياں اور تمھاري خالائىں اور بھائى كى بيٺياں اور بهن كى بيٺياں، سات نسي محرمات كون سى هيں؟

جواب: سات نسي محرمات 1۔ مائىں 2۔ بيٺياں 3۔ بهنئىں 4۔ پھوپھياں 5۔ خالائىں 6۔ بھانجياں 7۔ بھينجياں۔

سيدنا ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فرماتے هيں سات عورتئىں بوجه نسب حرام هيں اور سات بوجه سسرال كے پھر آپ نے اس آيت كى تلاوت كى۔ (ابن ابى حاتم: 911/3)

سوال 2: وَأَمَّا إِلَهُكُمْ الَّذِينَ اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ الرَّضَاعَةِ ”اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور رضاعت میں تمہاری بہنیں“، سات رضاعی محرمات کون سی ہیں؟

جواب: سات رضاعی محرمات 1۔ رضاعی مائیں 2۔ رضاعی بیٹیاں 3۔ رضاعی بہنیں 4۔ رضاعی پھوپھیاں 5۔ رضاعی خالائیں 6۔ رضاعی بھانجیاں 7۔ رضاعی بھتیجیاں۔

سوال 3: وَأُولَئِكَ يَسَاءَلُكُمْ رَبُّكُمْ وَالَّذِينَ فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ الَّذِينَ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ ”اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے اور یہ کہ تم اکٹھا کر دو بہنوں کو“، سات سسرالی محرمات کون سی ہیں؟

جواب: سات سسرالی محرمات 1۔ ساس 2۔ ربائب (بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹیاں) 3۔ بہو 4۔ دو سگی بہنوں کا نکاح میں جمع ہونا۔

سوال 4: بیوی جب تک نکاح میں ہو اس کی کون سی رشتہ دار خواتین سے نکاح نہیں ہو سکتا؟

جواب: بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی سے نکاح بیوی کی موجودگی میں حرام ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھوپھی اور بھتیجی، اور خالہ اور بھانجی کو (ایک نکاح میں) جمع نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری: 5109) وہ دو عورتیں جن کا مابین رحم کا رشتہ ہے، اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت مان لیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے حرام ہوں، تو ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہوگا اور یہ اس لیے کہ اس صورت میں باہم قطع رحمی کے اسباب ہیں۔ (تفسیر سعدی)

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے کچھ رشتوں کو حرام کیوں قرار دیا؟

جواب: 1۔ خاندانی زندگی کی فضا میں پاکیزگی برقرار رکھنے کے لیے۔ 2۔ بالکل قریبی رشتوں کے درمیان تعلق کو شہوانی جذبات سے بالاتر رکھنے کے لیے۔

سوال 6: إِذَا مَا قَدْ سَلَفَ ”مگر جو پہلے ہو چکا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”مگر جو پہلے ہو چکا“ جو کچھ جاہلیت میں ہو چکا اس صورت میں معاف ہے اگر اس پر قائم نہ رہیں۔ (البر التفاضل: 250)

سوال 7: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا ”یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے“ 1۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے وہ تم سے ان باتوں پر مواخذہ نہیں کرے گا جو زمانہ جاہلیت میں ہوئیں۔ وہ اپنی مغفرت سے تمہارے نفوس کے سارے اعمال کے آثار مٹا دے گا۔ 2۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے اس نے اپنی رحمت سے نکاح کے احکام دیے جس میں تمہارے لیے مصلحت ہے اور آپس کے رابطوں کی مضبوطی ہے تاکہ تم ایک دوسرے پر رحم کرو اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ (تفسیر المرائی: 2/186)